

انیس
کمر پے

جلد اول

صالحہ عابد حسین

انیس کے مرتے

انیس کے مرتبے

جلد اوّل

مرتبہ

صالحہ عابد حسین



ترقی اردو بیورو نئی دہلی

ANEES KE MARSIAY I

Edited By

Saliha Abid Hussain

© ترقی اردو بیورو نئی دہلی
سہ اشاعت پہلا ایڈیشن: 1977 شک 1898 تعداد 2000
دوسرا ایڈیشن: 1990 شک 1911 تعداد 3000

قیمت: 38/-
سلسلہ مطبوعات: 38

ناشر: ڈاکٹر ترقی اردو بیورو، ولیٹ بلاک 8 آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066
طالع: پیسر ہر نٹرز، ساؤتھ انارکلی، دہلی۔

پیش لفظ

ہندوستان میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے ترقی
اردو بیورو (بورڈ) قائم کیا گیا۔ اردو کے لیے کام کرنے والا یہ ملک کا
سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں
اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ اس ادارہ سے
مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی
ترقی، معاشی حصول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو
پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی ہیں جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار
بنیادی متن، قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں تکنیکی
اور سائنسی علوم کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات،
تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے
شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے
تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس
سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے
تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو
نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔
کیونکہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں اور بغیر علم کے انسانی
تہذیب کے ارتقاء کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے
میں کتابوں کی اہمیت مسلم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبہ میں
اردو انسائیکلو پیڈیا، ذولسانی اور اردو۔ اردو لغات بھی شامل
ہیں۔

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلیٰ
 پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا
 کر رہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے ہوئے کتابوں کی
 قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں
 تک پہنچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید
 اور مستفیض ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید
 ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی
 ضرورت کو پورا کرے گی۔

ڈاکٹر حفیظہ سید

ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو

فہرست

12	9	_____	حرف آغاز
18	13	_____	دیباچہ
60	19	_____	مقدمہ
91	61	_____	1۔ یارب تین نظم کو گلزارِ ارم کر
101	92	_____	2۔ جس دم یزد شام میں مسند نشیں ہوا
121	102	_____	3۔ سرزندِ مجسمہ کا مدینہ سے سفر ہے
130	122	_____	4۔ سبط نبی سے منزل مقصد قریب ہے
171	131	_____	5۔ جب کر بلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا
194	172	_____	6۔ بخدا فارس میدان تہوڑ تھا خر
217	195	_____	7۔ طے کر چکا جو منزل شب کا روانِ صبح
237	216	_____	8۔ کیا فوج حسین کے جوانانِ حسین تھے
267	238	_____	9۔ جب خر کو ملا غلعت پڑ خونِ شہادت
298	268	_____	10۔ جب زلف کو کھولے ہوئے لیلۂ شب آئی
322	299	_____	11۔ جب حضرت زینب کے پسر مر گئے دونوں
349	323	_____	12۔ پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
376	350	_____	13۔ آمد ہے کر بلا کے نینتوں میں شیر کی

- 14۔ جاتا ہے شیرِ بیشہ حیدرِ فرات پر ————— 377 — 401
- 15۔ جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر ————— 402 — ۴۲۲
- 16۔ جب بادِ بانِ کشتیِ شاہِ اُمم مگرا ————— 423 — 447
- 17۔ دولتِ کوئی دنیا میں پسے نہیں بہتر ————— 448 — 478
- 18۔ جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے ————— 479 — 506
- فرہنگ ————— 507 — 526
- اختلافِ نسخ ————— 527 — 540

حشر آغاز

زندہ قوموں کی یہ روایت ہے کہ وہ اپنے گزشتہ ارباب کمال کو فراموش نہیں کرتیں اور ان کی یاد کو مناسب طریقوں سے تازہ کرتی رہتی ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہماری قوم کی اس جماعت نے جس کی زبان اردو ہے، انیس صدی، یعنی اردو مرثیہ گو یوں کے مترج میر انیس کی صد سالہ برسی بڑے اہتمام سے مناکرا اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ میر انیس اردو کے چوٹی کے شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا ہے کہ انیس کے مرثیے اور غالب کی غزلیں عالمی ادب کو اردو کی دین ہیں۔ میر انیس نے اپنے مرثیوں کے ذریعے اردو شاعری کو سوز و گداز و اخلاقی بندی کی دولت عطا کی۔ انھوں نے مرثیے کو اتنی وسعت دی کہ وہ جذبات نگاری، منظر کشی، رزمیہ، ڈراما سبھی کا گلدستہ اور فکر و فن کا ایک جلوہ مدنگ بن گیا۔

میر انیس کا انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۴ء کو لکھنؤ میں ہوا تھا۔ جنوری ۱۹۷۱ء میں مرکزی انیس صدی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کا مقصد تھا کہ میر انیس جیسے عظیم شاعر کی وفات کی صدی ان کے شایان شان منائی جائے۔

کمیٹی کے پیش نظر حسب ذیل کام تھے :

- ۱۔ انیس کے کل مرثیوں کے نئے اڈیشن شائع کرنا (ان کے مرثیوں کے متعدد مجموعے مختلف اوقات میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن نہ تو یہ مجموعے ان کے پورے کلام پر حاوی ہیں نہ ان میں سے بیشتر میں متن کی صحت کے جدید ترین علمی تقاضوں کو مد نظر رکھا گیا ہے اسی لیے انیس کے کلام کو سارے قلمی نسخوں اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلے کے بعد جدید

اسلوں کے مطابق مرتب کر کے ممتاز انیس شناس ادیبوں کے مقدموں کے ساتھ شائع کرنے کی تجویز ہے)

- ۲۔ منتخب مرانی کو مع مقدمہ اور ضروری تشریحات دیوناگری رسم الخط میں شائع کرنا۔
- ۳۔ میر انیس کے غیر مطبوعہ کلام کو جس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ مختلف کتب خانوں یا گھرانوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے، حاصل کرنا اور کامل تحقیق کے بعد شائع کرنا۔
- ۴۔ دہلی اور دیگر شہروں میں انیس، ان کے کلام اور عہد کے متعلق سیمینار اور سمپوزیم منعقد کرنا اور آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے انیس کے متعلق تقریریں اور نمبر نشر کرنا۔

۵۔ محکمہ ڈاک و تار سے انیس صدی یادگاری ٹکٹ جاری کرانا۔

۶۔ مزار انیس کی مرمت اور درستی۔

۷۔ انیس کے مکان کو (جو بہت خستہ حالت میں ہے اور جس کا کافی حصہ منہدم ہو چکا ہے) خرید کر اس کی مرمت کرانا اور منہدم حصے کو نئے سرے سے تعمیر کرنا۔

مندرجہ بالا امور میں سے مرکزی انیس کمیٹی اب تک حسب ذیل کام انجام دے

چکی ہے۔

انیس صدی تقریبات کا آغاز ایک سیمینار سے ۲۲ اپریل ۱۹۷۵ء کو صدر جمہوریہ ہند عالی جناب محمد الدین علی احمد کے مبارک ہاتھوں سے ایوان غالب نئی دہلی میں ہوا۔ اور جناب پروفیسر نور الحسن وزیر تعلیم حکومت ہند نے اس کی صدارت فرمائی۔ اس دوران کے سیمینار میں ہندستان کے ممتاز ادیبوں اور ناقدوں نے میر انیس کے کلام اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ ۷ مارچ ۱۹۷۶ء کو انیس صدی کمیٹی نے ہندوپاک انیس صدی سمپوزیم کا غالب اکیڈمی، میں انعقاد کیا۔ سمپوزیم کا افتتاح پروفیسر نور الحسن صاحب نے فرمایا۔ پروفیسر نور الحسن کے ہاتھوں انیس صدی سلسلے کی پہلی مطبوعہ کتاب ”مہاکوی انیس“ مرتبہ بیگم سالجہ عابد حسین کی رسم اجرا عمل میں آئی جسے بھارتیہ گیان پیٹھ نے دیوناگری میں شائع کیا ہے۔ یہ دونوں علمی اجتماع پروفیسر گوپی چند نارنگ کے زیر اہتمام شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک و تعاون سے نہایت وسیع پیمانے پر منعقد ہوئے۔ ہندوپاک سمپوزیم میں جناب رشید الدین سابق ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان نے شرکت کی اور اپنی تقریر میں انیس کو خراج تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر

وزیر آغا اور جناب انتظار حسین جو پاکستان سے مدعو کیے گئے تھے، بوجہ نہ آسکے مگر انہوں نے اپنے مقالے بھجوادیلے تھے جو پڑھے گئے۔ سپوزیم کے دو اجلاس ہوئے جن میں ملک کے متعدد ممتاز ادیبوں اور نقادوں نے مقالے پڑھے۔ یہ تمام مقالے کتابی صورت میں شائع کیے جائیں گے۔ جنہیں پروفیسر گوپی چند نارنگ مرتب کر رہے ہیں۔ کمیٹی اس زمانے میں مختلف طریقوں سے برابر سرگرم کار رہی اور میر انیس کے فکرو فن کی بلندی سے ملک کو روشناس کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔

حکومت ہند کے محکمہ ڈاک و تار نے انیس صدی یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے انیس کے بارے میں مختلف پروگرام پیش کیے۔ ظاہر ہے کہ کمیٹی کا سب سے اہم کام انیس کے کام کی اشاعت ہے جس کے لیے ہمیں حکومت ہند اور ترقی اور بورڈ کا تعاون حاصل ہے۔ اس سلسلے کی پہلی دو کتابیں مراٹی انیس کا نمائندہ انتخاب ہیں۔ اس انتخاب کی پہلی جلد "انیس کے مرثیے" بیگم عالمہ عابد حسین نے مع دیا چاند مقدمہ اور فرہنگ مرتب کی ہے اور دوسری جلد کا کام جاری ہے۔ انیس کے غیر مطبوعہ مراٹی کو شائع کرنے کے لیے نظام ٹرسٹ نے پچاس ہزار روپے کا گرانقدر عطیہ دیا ہے۔ یہ کام جناب نائب حسین نقوی نے شروع کیا تھا اور اب جناب شہاب سمدی اسے انجام دے رہے ہیں۔ انیس کے سلاموں اور رباعیوں کے مجموعے جناب علی جواد زیدی نے پرمغز مقدموں کے ساتھ تیار کیے ہیں۔ انیس صدی کمیٹی نے طے کیا تھا کہ انیس کی حیات اور شخصیت پر بھی ایک کتاب لکھوائی جائے۔ اس کے لیے پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب مرحوم سے درخواست کی گئی تھی۔ مرحوم انیسیات کے ممتاز ترین ماہر اور دراصل انیس صدی تحریک کے روح رواں تھے۔ افسوس کہ وہ حیات انیس لکھنے کا کام انجام نہ دے سکے۔ اب اس کی ذمہ داری ڈاکٹر خلیق انجم نے لی ہے۔ میر انیس کے مزار اور مکان کے سلسلے میں لکھنؤ کی انیس صدی کمیٹی نے کافی پیش رفت کی ہے۔ اگر کچھ کام باقی رہ گیا اور مرکزی کمیٹی کے مسائل نے اجازت دی تو وہ اس کی طرف بھی توجہ کرے گی۔

آخر میں مجھے ان تمام کرم فرماؤں اور اداروں کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی امداد، رہنمائی اور مشوروں سے ہمارا کام آگے بڑھ سکا۔ عالی جناب فخر الدین علی احمد، صدر جمہوریہ ہند کا افتتاحی ارشادات سے انیس صدی کمیٹی کی تقریبات شروع ہوئیں۔ پروفیسر نور الحسن وزیر تعلیم حکومت ہند نے ہماری ہر طرح مدد اور ہمت افزائی کی۔ جناب نواب علی اور جنگ گورنر مہاراشٹر نے ہمارے

کام میں گہری دلچسپی لی۔ ہر ہولی نس ڈاکٹر سیدنا محمد برہان الدین اور جناب مصطفیٰ رشید شروانی کی بروقت مالی امداد سے ہم اپنا کام شروع کر سکے۔ ترقی اردو بورڈ اور اس کے چیرمین ڈاکٹر عبدالعلیم مرحوم کے حدودِ جہ شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہماری کمیٹی کی تیار کرائی ہوئی انیس ڈگاری کتابوں کی طباعت اور اشاعت کی ذمہ داری لے کر ہمارا کام بہت ہلکا کر دیا۔ حکومت ہند اور محکمہ ڈاک و تار اور آل انڈیا ریڈیو، ٹیلی ویژن کی معاونت اور اشتراک کا بھی میں دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ بھارتیہ گیان پیٹھ کا بھی میں مشکور ہوں جنھوں نے ہماری سب سے پہلی کتاب دیوناگری میں شائع کی۔

آخر میں اپنے تمام ساتھیوں خصوصاً جناب مالک رام، ڈاکٹر سید عابد حسین، جناب علی جواد زیدی، سیگم مالوہ عابد حسین، پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر صدیق الرحمن قذافی اور ڈاکٹر خلیق انجم کی خدمت میں پر خلوص شکریہ پیش کرتا ہوں، اور بھارتیہ گیان پیٹھ اور شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شکریہ گزار ہوں کہ ان سب کے تعاون و اشتراک کے بغیر یہ اہم اور مشکل کام انجام نہ پاسکتے تھے۔

بشیر حسین زیدی

(کرنل سید بشیر حسین زیدی)

صدر مرکزی انیس صدی کمیٹی

دیباچہ

مرکزی یادگار انیس صدی کیٹی نے، میر انیس کی صد سالہ برسی کے موقع پر ان کے کلام کے بڑے حصے کی اشاعت کا جو ارادہ کیا ہے وہ بڑا مستحسن ہے۔ اس سلسلے میں انیس کے مطبوعہ مراٹھی کا ایک نیا انتخاب، مرکزی انیس صدی کیٹی اور ترقی اردو بورڈ کے اشتراک سے، دو جلدوں میں شائع کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ اور یہ کام میرے سپرد کیا گیا۔ کام بہت بڑا اور مشکل تھا۔ میں نے اس وقت بھی معذرت کی اور اب بھی اس کا اعتراف کرتی ہوں کہ انیس کے کلام کے انتخاب کا پورا حق ادا کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے لیے مجھ سے بہتر ادیب و نقاد مل سکتے تھے۔ لیکن کیٹی کے اراکین کے اصرار کے سامنے مجھے سپر ڈالنی پڑی۔ شاید میرے نام قرعہ فال نکلنے کی ایک وجہ یہ ہو کہ میں جس کام کو ہاتھ میں لیتی ہوں، جب تک اسے کرنے لوں چین نہیں لیتی۔ یہ میری کمزوری ہے۔ اور دوسرے بڑے ادیبوں و نقادوں کی امید نہ تھی کہ وہ سب کام چھوڑ کر اس میں لگ جائیں گے اور وقت پر یہ کام ہو سکے گا۔ بہر حال گزشتہ آٹھ مہینوں سے، میں اپنی ساری پریشانیوں اور بیماری وغیرہ کی رکاوٹوں کے باوجود اس کام میں لگی رہی اور خدا خدا کر کے انتخاب انیس کی پہلی جلد کا کام مکمل ہو گیا۔

میر انیس کے کلام کا انتخاب کس قدر مشکل ہے اس کا احساس اس زمانے میں اور زیادہ ہوا۔ بے شک ان کے کچھ مرتبے، جو غالباً ابتدائی دور کے ہیں، ان کے بہترین مراٹھی سے کم درجہ کے ہیں۔ مگر ان کے کئی اور بلند پایہ مرتبے بھی اتنے زیادہ ہیں کہ صرف نو سو صفحات میں ان کو سمیٹ دینا دیر یا کو کون سے میں بند کرنا ہے۔ منتخب کا کوئی کیا انتخاب کرے؟

دوسری مشکل یہ تھی کہ گزشتہ پچیس بیس سال میں میر انیس کا مطبوعہ کلام بہت کم دوبارہ

چھاپا ہے اور جو چھپا وہ بھی اکثر اخلاط سے اس قدر پرکڑا ہے قابلِ اقتنا نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ منشی نول کشور پریس کے مطبوعہ نسخے جو میر انیس کے مرانی کے سب سے پہلے پبلشر تھے، لاہور پریس میں بھی دستیاب ہونے مشکل تھے۔ یا تو تھے ہی نہیں یا پھر اتنی زندہ حالت میں کہ وہ لوگوں کو پڑھنے کے لیے نہیں دیے جاسکتے۔ خود میرے پاس یوں تو انیس کے مرانی کے بہت سے نسخے تھے مگر قدرِ انون کی بدولت اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ پھر بھی نظامی پریس بدایوں کی تینوں جلدیں، دو تین منشی نول کشور پریس کے نسخے موجود تھے مگر وہ بھی کثرتِ استعمال سے بڑی حد تک زندہ ہو چکے ہیں۔ رواج انیس، رزم نامہ انیس، وقار انیس وغیرہ میرے پاس موجود ہیں۔ مگر یہ بہت ہی مختصر انتخاب ہیں۔ کسی طرح میں نے دگنے گئے دام دے کر کچھ کتابیں لکھنؤ سے منگائیں۔ منشی نول کشور پریس کی لکھنؤ اور کان پور کی چھپی کچھ جلدیں علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری سے جناب محمد حسین رضوی کی مہربانی سے مجھے مل گئیں۔ دو جلدیں جامعہ ملیہ کی ڈاکٹر حسین لائبریری سے بھی، انصاری صاحب کی عنایت سے دستیاب ہوئیں۔ جناب نائب حسین نقوی نے بھی اپنے مرتبہ مرثیوں کے انتخاب کی جلدیں دیں جو پاکستان سے شائع ہوئی ہیں۔ اس طرح میں نے کسی کسی طرح مرانی انیس کے متعدد نسخے فراہم کر لیے۔ مگر یہ ایک ہی سنہ اور ایک ہی سلسلے کی جلدیں نہ تھیں۔ کوئی انیسویں صدی کی آخر کی چھپی ہوئی ہے تو کوئی بیسویں صدی کے شروع کی۔ اولیہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ان میں بھی بیشتر مرانی اخلاط سے پڑے ہیں۔ کچھ کتابوں کی مہربانی، کچھ مرثیوں کی لاہروانی ہو سکتی ہے (کیا کہہ سکتی ہوں کہ خود میرے اس انتخاب میں کتنی غلطیاں رہ جائیں گی)، البتہ نظامی پریس بدایوں کی مطبوعہ تینوں جلدیں بڑی حد تک غلطیوں سے پاک اور مستند بھی جاسکتی ہیں۔ رواج انیس مرتبہ جناب سید مسعود حسین رضوی ادیب اسبب مستند ہے۔ مگر اس میں کل پانچ مرثیے ہیں جن میں سے صرف دو میں نے اس پہلی جلد میں شامل کئے ہیں۔ نظامی پریس بدایوں کی تینوں جلدوں میں انیس کے سب نمایندہ اور بہترین مرثیے نہیں آسکے ہیں۔ بہر طور میں نے مرتب کرتے وقت ان سب جلدوں کو پیش نظر رکھا۔ بنیادی نسخہ، جو مرثیے رواج انیس میں تھے، اس کو بنایا، باقی مرثیوں میں اول تو نظامی پریس بدایوں کی تینوں جلدوں کو بنیاد بنایا ہے۔ اور ایک مرثیہ کے لیے جناب نائب حسین نقوی کی کتاب کہہ اور دو ایک کے لیے منشی نول کشور پریس کی مطبوعہ کتابوں کو بنیاد قرار دیا گیا۔ دوسرا نسخہ عام طور پر منشی نول کشور پریس کی مطبوعہ جلدیں مسترد دی گئی ہیں۔ اتنا میں جانتی ہوں کہ کتابوں کو ایڈٹ کرتے وقت مقابلے کے لیے

جتنے زیادہ نسخے مل سکیں اتنا ہی اچھا ہے۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ جتنے میں چاہتی تھی اتنے نسخے فراہم کرنے میں ناکام رہی۔ یہاں تک کہ ایک ہی اڈیشن کی سب سلسلہ وار کتابیں بھی مجھے نہ مل سکیں۔ ایک بات واضح کر دینا چاہتی ہوں۔ میرے پیش نظر کوئی تحقیقی کام کرنا نہ تھا بلکہ میرا نیس کے اعلیٰ درجہ کے مرثیوں کا انتخاب کر کے مرتب کرنا تھا۔ اس میں میں نے دو باتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ ایک تو میرے پیش نظر اردو کے صاحب ذوق پڑھنے والے، زبان اور ادب کے اچھی واقفیت رکھنے والے حضرات تھے جو کلام انیس کو پڑھ کر سمجھ سکیں۔ اس سے خطا اٹھا سکیں۔ دوسرے طالب علم اور کم استعداد والے حضرات کا بھی خیال رکھا ہے۔ اور اس کے لحاظ سے مختصر سی فرہنگ آخر میں دے دی گئی ہے جس میں مشکل لفظوں، ترکیبوں، تشبیہوں، استعاروں وغیرہ کو واضح کیا ہے اور بعض جگہ پورا مصرع یا شعر کا مطلب سمجھا دیا گیا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں کی خاطر آخر میں اختلاف نسخ بھی دے دیا گیا ہے۔ اس پہلے مجموعہ میں اٹھارہ مرثیے ہیں۔ ان کی ترتیب میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ واقعہ کر بلا کے حالات اور واقعات روایت کے مطابق جس ترتیب سے مرثیوں میں پیش کیے جاتے ہیں اسی طرح سے ہم بھی ترتیب دیں۔ اس مجموعہ کا پہلا مرثیہ ہے۔

یارب چہ بن نظم کو گلزارِ ابرام کر

اس میں دعائیہ اشعار کے بعد امام حسین کی ولادت اور بعد میں شہادت کا تذکرہ کیا گیا ہے دوسرے مرثیہ کا مطلع ہے۔

جس دم یزید شام میں سنا نہیں ہوا

جس میں یزید کا امام حسین سے بیعت کا مطالبہ امام حسین کا اس سے انکار اور مدینہ چھوڑ کر کوٹنے کی سمت جانے کے ارادہ کا تذکرہ ہے۔ تیسرا مرثیہ

فرزندِ ہمببر کا مدینے سے سفر ہے

انیس کے شاہکار مرثیوں میں سے ایک ہے۔ اس میں امام حسین کا غلام سفر ہونا، بیمار بیٹی ہے رخصت، اس کی حالت، مدینے سے روانگی، اہل مدینہ اور خود مسافروں کی ذہنی کیفیت اور جذبات کو بڑی خوبی اور فن کاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اگلے دو مرثیوں،

سب طمانی سے منزل مقصد قریب ہے

اور ے جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا
میں امام حسین کے سفر کے اور کربلا میں ورود کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں مرثیے بھی
انیس کے بہترین مرثیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ پہلے میں سفر کی کٹھنائیوں کا تذکرہ اور حسینؑ کے الہی
مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر کا ذکر ہے اور دوسرے میں امام کا کربلا میں داخل ہونا، نیچے نصب کرنا،
حضرت عباس کی بہادری اور دشمن کی فوج سے مقابلہ کرنے کا اور آخر میں حضرت عباس کی شہادت کا
بیان ہے۔

خدا فارس میدان تہوڑ تھا حُر
اس مرثیے سے روزِ عاشورہ کے مصائب کی ابتدا ہوتی ہے۔ حُر کا دشمن کی فوج کو چھوڑ کر امام حسینؑ کی
طرف آنا، معافی طلب کرنا، اس کا جہاد اور شہادت اس مرثیے میں دکھائی گئی ہے فن کارانہ نقطہ نظر سے
یہ انیس کا بڑا بلند پایہ مرثیہ شمار ہوتا ہے۔ اس میں ڈرامائی عناصر، مکالمہ نگاری اور جذبات اور سیرکشی
کا کمال پورے عروج پر نظر آتا ہے۔ حُر کے حال کا دوسرا مرثیہ ے
طے کر چکا جو منزلِ شب کا روانِ صبح
بھی انیس کے نہایت عمدہ مرثیوں میں شمار ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس کا چہرہ جس میں صبحِ شہادت
کا تذکرہ ہے۔

کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسین تھے
اس مرثیہ میں امام حسینؑ کی بہادریوں کی چھوٹی سی جماعت کا مختصر مگر بڑا جامع تعارف کرایا گیا ہے اور
ان کی شہادت کا تذکرہ اگرچہ ایک ایک دو دو بندوں بلکہ بعض جگہ ایک دو مصرعوں میں کیا گیا ہے مگر
اس قدر پُراثر ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آخر میں امام حسینؑ کے بوڑھے دوست اور رفیق حبیب ابنِ عطاء
کے جہاد اور شہادت پر ختم کیا گیا ہے!

اب امام حسینؑ کے عزیزوں کی شہادت کا بیان شروع ہوتا ہے ے

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی

جب حُر کو ملا خلعِ بزرگوں شہادت

اور ے

میرا انیس کے نہایت بلند پایہ اور پُراثر مرثیے ہیں۔ پہلے میں شبِ عاشورہ کی سیاہی اور بولساکی،
صبحِ عاشورہ حسینیؑ علم کے نکلنے اور حضرت عباسؑ کو علم بردار چنے جانے کا تذکرہ، عون اور محمدؑ حضرت زینبؑ

کے بیٹوں پر اس کا بد عمل اور اس کا شکوہ کہ ماموں نے ہمیں علم برادر نہیں چنا حالانکہ ہم علم اور جعفر کے ورثہ دار ہیں۔ ماں کی تنبیہ، بچوں کی پیشانی، پھر بچوں کی رخصت، جہاد، بہادری سے جنگ کرنا اور شہادت پانا، ماں کا حوصلہ اور مائتائی کی تربیت کا بے مثال امتزاج اس خوبی اور ہنر کے ساتھ دکھایا گیا ہے جس کا جواب ملنا محال ہے۔ دوسرے مرتبے میں بھی مومن اور محمد کی جرأت، بہادری، جاں نثاری و وفاداری، حضرت زینب کی بھائی سے الفت، بچوں کو قربان کرنے کا جذبہ ان کی شہادت، ماں کا صبر اور پھر بچوں کی جدائی کی تربیت اسی خوبی سے دکھائی گئی ہے۔

اگلے دوسرے قاسم بن مسیٰ کے حال کے ہیں۔
جب حضرت نعب کے پھر مر گئے دونوں

اور۔

پھولا شفق سے چرخ پر جب لالہ زار صبح

ان دونوں میں قاسم کی، اپنی والدہ، مئی یا ہی دلہن سے رخصت، بچا سے اجازت، بے مثال بہادری سے جہاد کرنا اور شہادت پانا دکھایا گیا ہے۔ اول الذکر مرتبہ میں اگر بے تکلف روزمرہ اور سیرت و شخصیت نگاری کا کمال ہے تو دوسرے میں فن کاری اور حسن بیان اور حسن ادا کا جادو ہے۔ اس کے بعد کے تین مرتبے۔

آمد ہے کہ ملا کے نیستان میں شیر کی

اور۔

جاتا ہے شیر بیشہ جسد فرات پر

اور۔

جب آب رواں نند ہوا فوج خدا پر

حضرت عباس کے حال کے ہیں۔ ان کی بے مثل شجاعت اور بہادری، وفا اور جاں نثاری، بھائی اور اس کے بچوں سے بے پناہ الفت، بچوں کے لیے پانی لانے کی جدوجہد میں شہادت پانا اور پیارے بھائی کی جدائی سے۔۔۔ امام حسین، حضرت زینب اور ان کی وفا شعار بیوی کا جو حال ہوا۔۔۔ اس کی مرتق کشی جس طرح کی گئی ہے وہ دوسرے بے نیاز ہے۔ میرا نہیں نے حضرت عباس کے حال کے کتنے ہی مرتبے لکھے ہیں اور ان میں زیادہ تر ان کے بہترین مرثیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

آخر کے تین مرثیے امام حسین کے کڑیل جوان بیٹے علی اکبر سے متعلق ہیں۔
جب بادشاہ کشتی شاہ اُمم گرا

اور

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر

دونوں مرثیے بڑے پڑاثر اور درد بھرے ہیں۔ لیکن آخری مرثیہ

جب غازیانِ فوج خدا نام کر گئے

انیس کے ان گنتی کے تین یا چار مرثیوں میں سے ایک ہے جن میں انیس کی شاعری اپنے معراج کمال پر پہنچ چکی ہے اور ان کی مرثیہ نگاری کی ساری خصوصیات اس میں جمع ہو گئیں ہیں۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا میں نے دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ اول تو یہ کہ واقعہ کربلا کے جتنے اہم کردار ہیں ان سب کے حال کے مرثیے ترتیب وار آجائیں تاکہ پڑھنے والے کو واقعات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ اب تک مرثیہ کی ترتیب کا یہی عام دستور رہا ہے اور میں بھی اسی کو ترجیح دیتی ہوں۔ دوسری کوشش یہ کی گئی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انیس کے بہترین اور نمائندہ مرثیے انتخاب میں آجائیں (دوسری جلد میں زیادہ تر مرثیے امام حسین کی شہادت سے اور امام کی شہادت کے بعد کے واقعات سے متعلق ہوں گے جن کا تذکرہ ہم دوسری جلد کے مختصر دیباچہ میں کریں گے، ان میں دو ایک مرثیے واقعات کے بیان کی تسلسل کی خاطر ایسے بھی دیئے پڑے جو ذرا دبتے ہوئے ہیں۔ ویسے یہ میں جانتی ہوں کہ پسند کا معاملہ بڑا پیچیدہ اور نازک ہوتا ہے۔ ایک چیز جو مجھے بہترین معلوم ہوتی ہے ہو سکتا ہو کہ دوسروں کو نہ معلوم ہو۔ بہر حال میں نے اس کی کوشش ضرور کی ہے کہ وہ سب مرثیے ان دونوں مجموعوں میں آجائیں جن میں انیس کے کلام کی اہم خصوصیات موجود ہوں اور جو ان کا نمائندہ کلام کہا جاسکے۔

میرا انیس کے مرثیوں کی پہلی جلد، اعلیٰ درجہ کی کتابت اور طباعت سے آراستہ پراستہ ہو کر صاحبانِ ذوق کی خدمت ہے۔ خدا کرے وہ قبولِ عام کی سند حاصل کرے۔

مقدمہ

(۱) مرانی کا پس منظر — کر بلا کا المیہ

میر انیس کے کلام کو سمجھنے کے لیے مرثیہ کے پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے کہ جب تک ان واقعات کا کم سے ہلکا سا خاکہ ذہن میں نہ ہو جن کو مرثیہ نگاروں نے اپنا موضوع سخن بنایا ہے مرثیہ کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنا اور سمجھنا ممکن نہیں۔ اب سے تیس سو پینتیس برس پہلے تک اردو پڑھنے اور جاننے والوں میں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی جو واقعات کر بلا سے کسی دُکھی حد تک واقفیت رکھتے تھے اور مرثیہ سے لطف اٹھا سکتے تھے۔ لیکن گزشتہ پچیس تیس سال میں اُردو پر جو وقت گزرا اس کی وجہ سے مرثیہ وہ بھی انیس کے مرثیہ سمجھنے والے بہت کم رہ گئے۔ پھر اس کی امید کیسے کی جاتی کہ مرثیہ — وہ بھی انیس کا مرثیہ — سمجھنے والے مل جائیں گے؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ ناامیدی کے بادل اب چھٹ رہے ہیں۔ اردو کے ساتھ کی گئی نا انصافیوں کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ اردو کے بڑے شاعروں اور ادیبوں کے بے مثال کارناموں کی طرف بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ ان کا نام سامنے آ رہا ہے۔ میر انیس کے مرانی کی اشاعت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھی جاوے۔

مرثیہ کے لغوی معنی اس نظم کے ہیں جو کسی مرنے والے کی یاد میں کہی جائے۔ اردو میں واقعات کر بلا سے متعلق مرثیوں کے علاوہ اور بھی مرثیے کہے گئے ہیں جن میں سب سے مشہور اور پُر اثر مرثیہ مولانا حالی کا مرثیہ غالب ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے ”والدہ مرحومہ کی یاد میں“ جو نظم

کہی ہے وہ بھی اردو کے بہت عمدہ مرثیوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ لیکن جب ہم صرف لفظ ”مرثیہ“ بولتے ہیں تو ذہن فوراً شہادتِ امام حسین اور واقعاتِ کربلا سے متعلق کبھی گئی نظموں کی طرف قتل ہو جاتا ہے اور اب اردو میں مجرد لفظ ”مرثیہ“ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں ہم واقعہ کربلا کا مختصر سا تذکرہ، تاریخ کربلا کی روشنی میں پیش کریں گے جو تاریخِ انسانی میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔

واقعہ کربلا کے سردار امام حسینؑ پیغمبرِ اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے نواسے اور اسلام کے پیروں کی طرف سے مٹنے کے بیٹے تھے، علی جنوں نے اسلام کی بقا اور اشاعت کے لیے زندگی بھر دُکھ اور کٹھناتیاں جھیلیں اور دشمنوں سے مقابلہ کر کے فتح کے جھنڈے گاڑے۔

پیغمبرِ اسلام کے ظہور کے وقت دنیا میں عموماً اور ملکِ عرب میں خاص طور پر جہل و کفر کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عرب لوگ تہذیب و تمدن سے دور، جہالت اور ظلم، گمراہی اور خونِ خویلی کی دنیا میں مگن تھے۔ مگر ان ہی میں ایک قبیلہ بنو ہاشم کا تھا جو دیانت دار، شریعتِ انفس، سخی اور حق پرست تھا۔ خاندانِ کعبہ کی تولیت بھی اسی کے سپرد تھی۔ محمد مصطفیٰ اس قبیلے کے سردار عبدالمطلب کے پوتے تھے۔ ان کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ان کی ولادت سے چند ماہ پیش تر ہو گیا تھا اور دادا نے اس دُرِ قیم کو پالا پوسا تھا۔ جب آٹھ سال کی عمر میں وہ بھی فوت ہو گئے تو ان کے چچا ابوطالب نے بھتیجہ کو اپنے سایہِ ماطفت میں لے لیا۔ (علیؑ انھیں کے چھوٹے بیٹے تھے)۔ چالیس سال کی عمر میں حضرت محمدؐ خدا کی طرف سے نبی مبعوث ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کو خود عرب لوگوں کے ہاتھوں اور بعد میں یہودیوں و فرہ سے بھی، سخت تکلیفیں پہنچیں۔ ایک خدا کی عبادت کی دعوت دینے والے کے ساتھ تھوڑے لوگ تھے اور ساری دنیا ان حق پرستوں کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہمیشہ سے تاریخِ انسانی میں ہوتا آیا ہے بالآخر حق فتح مند ہوا اور باطل کو جھکنا پڑا۔ اُن حضرت نے سب معائب جھیلے مگر پیامِ حق پہنچانے سے مُنہ نہیں موڑا جب تک ساری عرب دنیا اسلام کے سامنے جھک نہیں گئی۔ انھوں نے ایک وحشی قوم کو دنیا کی مہذب، شریف اور امن پسند قوم میں بدل دیا۔ یہ بجائے خود اُن حضرت کا ایک معجزہ کہا جاسکتا ہے۔

حضرت محمدؐ کی مخالفت میں سب سے پیش پیش عرب کا ایک قبیلہ بنو امیہ کا تھا۔ کئی

پشت اوپر جا کر ان کا نسب بنو ہاشم سے مل جاتا تھا۔ مگر چونکہ بنو ہاشم کی عرب میں عزت و احترام تھا اور خاندان کعبہ کے متوالی ان ہی میں سے چنے جاتے تھے جو بڑے شرف کی بات تھی۔ اس لیے خاص طور پر بنو امیہ کو بنو ہاشم سے حسد تھا۔ اور اس حضرت کی دشمنی اور مخالفت میں یہ قبیلہ سلسلہ لگا رہا۔ لیکن جب حضرت محمدؐ کو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح مکہ حاصل ہو گئی اور ساری دنیا سے عرب مسلمان ہو چکی تو بنو امیہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ مگر اس کے چند افراد کو چھوڑ کر وہ مصلحتاً مسلمان ہوئے تھے اور بنو ہاشم سے حسد اور دشمنی کے جذبات دل میں ویسے ہی موجزن تھے اور قوت و اقتدار کی تمنا بھی ہوئی سمجھو دیتی۔ ان حضرت نے فتح مکہ کے وقت عفو و کرم کی وہ مثال پیش کی جس سے دنیا کے فاتحوں کی تاریخ خالی ہے یعنی اپنے سب مخالفوں اور دشمنوں کو دل سے معاف کر دیا۔ بنو امیہ بھی انھیں میں تھے۔ اور اس طرح یہ ظاہری مسلمان بھی آپ کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔

اُن حضرت کی زندگی میں اور ان کی وفات کے ایک عرصہ بعد تک یہ دشمنی کھل کر سامنے نہیں آئی۔ پہلے دو خلفائے زمانے میں بھی بنو امیہ بظاہر دبے رہے لیکن اندر ہی اندر ان کی رش و طامنا جاری تھیں۔ تیسری خلافت کے دور میں ان کا اقتدار شروع ہوا اور حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں وہ کلمہ کھلا مقابلے پر آ گئے۔ حضرت علیؑ سے خاندانی اور نسلی دشمنی کے علاوہ مخالفت کی اور بھی کئی وجوہ تھیں۔ وہ حضرت محمدؐ کے چہیتے چھا زاد بھائی تھے۔ انھیں سے آپ نے اپنی لاڈلی بیٹی سیدہ النساءؓ کا طرز زہر کا عقد کیا تھا۔ ان کے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ فرزند رسولؐ کہلاتے تھے اور رسول اللہؐ انھیں بے انتہا چاہتے تھے۔ پھر حضرت علیؑ نے رسول اللہؐ کے ساتھ دشمنوں سے ہمیشہ نہایت بہادری کے ساتھ جہاد کیا تھا اور جانے کتنے لوگ ان کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ پھر جب حضرت علیؑ غلیفہ ہوئے تو انھوں نے ہر قسم کی دہ مراعات جو لوگوں کو ملی ہوئی تھیں، بند کر دیں۔ وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق یرت المال کی تقسیم کرتے۔ اپنے عمال پر انصاف اور مساوات کی تاکید رکھتے۔ جن لوگوں کو گزشتہ زمانے میں بہت سے فائدے اور مراعات حاصل تھیں ان کا مخالف بن جانا کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اب نہ اقربا پروری کی گنجائش تھی نہ کسی رُوبرو عایت کی امید۔ حضرت علیؑ نے تو اسلام کی سچی روح اور اصلی تعلیم کے مطابق سیدھی سادی حق، انصاف اور مساوات پر مبنی

حکومت قائم کی تھی۔ اور کسی حال میں کسی قیمت پر اس سے روگردانی نہ کرتے تھے۔ چنانچہ بنو امیہ اور ان کے ساتھی کھلم کھلا حضرت علی کے مقابلے پر آگئے اور عظیم بغاوت بلند کر دیا۔ شام میں امیر معاویہ نے (جو اس وقت بنو امیہ کے بڑے با اثر اور مدبر لیڈر تھے) ایک متوازی حکومت قائم کر لی اور خلیفہ رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہاں دولت، اقتدار، شاہی شان و شوکت کا جلوہ نظر آتا تھا۔ شام اور آس پاس کے بہت سے نو مسلم لوگ اور علاقے ان کے ساتھی بنائے گئے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی اور حضرت علی کی پہلے بات چیت ہوئی، پھر جنگ ہوئی۔ اور اسلام میں تفرقہ کی بنیاد پڑ گئی۔ اگرچہ عام مسلمانوں نے حضرت علی ہی کو اپنا پیشوا اور خلیفہ سمجھا مگر ایک طبقہ بہر حال امیر معاویہ کے ساتھ رہا۔

حضرت علی اپنے عمال یا گورنروں پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی بدعنوانیوں کو زورہ بھر برداشت نہ کرتے تھے۔ جو شخص اسلام کے حکم سے روگردانی کرتا اُسے معطل بھی کر دیتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت علی کی بدولت اقتدار و دولت کھو بیٹھے وہ بھی امیر معاویہ کے حامی بن جاتے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ایک فرقہ خارجیوں کا بھی تھا جو حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں سے بیزار تھا اور چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے۔ ان میں سے ایک شخص ابن مہم نے مسجد کوفہ میں، جب صبح صادق کے وقت حضرت علی سر بسجود تھے، ایک زہر آلود تلوار سے ان کے سر پر وار کیا جس سے آپ کا سر دو پارہ ہو گیا اور وہ دو دن بعد رحلت فرما گئے۔ اب امیر معاویہ نے اپنی حکومت اور مضبوط بنالی اور باقاعدہ اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ لیکن مکہ، حجاز اور عراق میں بہت سے لوگ ایسے موجود تھے جو رسول اللہ کی جانشینی اور خلیفہ وقت ہونے کے قابل صرف ان کے جگر گوشہ اور نواسے امام حسن اور امام حسین کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے امام حسن کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ مگر حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی کہ اگر امام حسن امیر معاویہ کو بیعت پر مجبور کرنا چاہتے تو جنگ چھڑ جاتی اور خون خرابا ہو جاتا۔ امیر معاویہ نے امام حسن کے پاس پیام اور قاصد بھیجے اور کچھ شرائط پر صلح کرنی چاہی۔ ایک شرط یہ تھی کہ اگر وہ اس وقت خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو امیر معاویہ کے بعد وہی خلیفہ ہوں گے۔ اور ان کے بعد امام حسین۔ غرض صلح نامہ پر دستخط ہو گئے۔ مگر شرائط پر عمل کرنے کی جگہ اندر فائدہ اس کے خلاف کارروائیاں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ سترھ میں امام حسن کو زہر دے کر شہید کر ڈالا گیا اور ادھر مزید کی خلافت کے لیے

راہ ہوار کی جانے لگی۔

امام حسینؑ خاموشی سے ہوا کا رخ دیکھ رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کی کشتی بھنور میں پھنس چکی ہے۔ اس کی روح کچلی جا رہی ہے، اس کی سچی تعلیم کو ختم کیا جا رہا ہے اور یزید جیسے نااہل کو رسول اللہؐ کا جانشین بنایا گیا تو اندیشہ ہے کہ اسلام (معاذ اللہ) مسخ ہو جائے گا۔ امام حسینؑ کو پورا احساس و ادراک تھا کہ اب اسلام کو بچانے کی ساری ذمہ داری ان کی اور صرف ان کی ہے۔ اور وہ اپنے کو اس کرطے امتحان کے لیے تیار، اور وقت کا انتظار کرتے رہے۔ اس لیے جب تک امیر معاویہ زندہ رہے وہ اپنے بھائی امام حسنؑ کے کیے ہوئے معاہدے کے پابند رہے۔ ادھر امیر معاویہ شام میں لوگوں سے اندر خانہ یزید کے لیے بیعت کرنے کا وعدہ لیتے رہے اور جب وہ وفات پا گئے تو یزید نے فوراً اپنے "خلیفہ رسول" ہونے کا اعلان کر دیا۔

اب زرا اس نازک فرق کو سمجھ لینا چاہیے جو یزید اور اس کے باپ میں تھا۔ امیر معاویہ اسلام کی روح کو نہ سمجھتے ہوں مگر اس کے ظاہری احکام کو مانتے تھے، زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے اور اسلامی تعلیم پر کاربند رہنے کا دعویٰ بھی تھا۔ اس کے برخلاف یزید نے اسلام کے ظاہری حکموں کو ماننا تھا نہ اسلام کی تعلیمات پر اس کا ایمان تھا۔ وہ کھلم کھلا اسلام کو بُرا کہتا۔ اور اس کا ہر عمل اسلام کے منافی تھا۔ وہ بدکار، فاسق و فاجر، ظالم اور نا انصاف شخص تھا جو عیش و عشرت کا بندہ اور اقتدار کا بھوکا تھا۔ ساتھ ہی اسے بنو ہاشم اور آل رسولؐ سے سخت دشمنی تھی۔ اور وہ ہر قیمت پر آل رسولؐ کو ستانا اور نیچا دکھانا چاہتا تھا جب کہ اس کے باپ جب بھی موقع ہوتا علیؑ اور اولاہ علیؑ کی فضیلت کا اعتراف کرتے تھے۔ یہی سب وجوہ تھے کہ امام حسنؑ نے باپ کا خلیفہ ہونا قبول کر لیا تھا۔ بیٹے کی خلافت کو کسی طرح برداشت نہ کر سکے۔

یزید جانتا تھا کہ اُسے اور اس کی خلافت کو سب سے بڑا خطرہ رسولؐ کے نواسے حسینؑ سے ہے جن کی شرافت، نجابت، زہد و عبادت، دین داری و حق پرستی اور خلقِ خدا کی خدمت نے عرب لوگوں کے دلوں کو صخرہ کر رکھا ہے۔ وہ ان کا احترام اور عزت لوگوں کے دل سے کھرچ کر پھینک نہیں سکتا تھا مگر اس نے طے کیا کہ حسینؑ کو ختم کر دیا جائے تاکہ پھر وہ کھلم کھلا حکومت اور من مانی کر سکے۔

چنانچہ یزید نے حکومت کا اعلان کرتے ہی مدینے کے حاکم کو حکم بھیجا کہ حسینؑ بن علیؑ سے

فوراً میری بیعت لے اور وہ نہ انہیں تو ان کو قتل کر ڈالے۔ مدینہ رسول میں نواسہ رسول کو مار ڈالنا کسی حاکم کے بس کی بات نہ تھی۔ اسے بغاوت کا اندیشہ تھا۔ اس نے حسینؑ سے بیعت یزیدؓ طلب کی۔ حسینؑ نے انکار کیا اور اس نے صورت حال سے یزید کو مطلع کر دیا۔

امام حسینؑ نے دیکھا کہ وہ وقت آگیا ہے جب انہیں وقت کی سب سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرنا ہے۔ یزیدؓ کے پاس شام و لہجے کی لاتعداد فوجیں تھیں، دولت تھی، ہتھیار تھے، چالاکी، عیاری اور مکاری کے حربے تھے۔ مگر حسینؑ کے پاس صرف ایک طاقت تھی حق کی۔ ایک ہتھیار تھا، حق کی راہ میں سب کچھ جھیل لینے کے جذبہ کا۔ بعض ناظم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت یا خلافت کے دو دعوے داروں کا مقابلہ تھا۔ یہ ہر لحاظ سے غلط ہے۔ یہ برابری کی جنگ نہ تھی۔ دو آدمیوں کی محرم نہ تھی۔ برابری کی جنگ ہوتی تو امام حسینؑ ہتھیار فراہم کرتے، فوج جمع کرتے، لوگوں کو اپنی طرف بلانے کی ہر طرح کی کوشش کرتے اور یزیدؓ سے مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرتے۔ مگر یہ تو جنگ تھی حق ہے باطل کی۔ ایک سچے مسلمان کی منافقت سے۔ یہ لڑائی تھی انصاف حق کوئی، آزادی کی خاطر۔ یہ لڑائی تھی ظلم و ستم سے، کفر و مظالم سے۔ جسروہ استحصال کی قوتوں سے۔ یہ حسدیت اور یزیدیت کی جنگ تھی۔

امام حسینؑ نے مدینہ سے تلے جانے کا قصد کیا کہ پہلے غارِ خدا جا کر حج کا فریضہ ادا کر لیں اور پھر کوفہ کی سمت روانہ ہوں جہاں سے لوگ برابر آپ کو بلانے کے خط بھیج رہے تھے جس میں یزیدؓ کے عمالوں کے ظلم و ستم کے تذکرے ہوتے تھے اور آپ سے بیعت پر آمادگی کا اظہار ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کا خیال یہ بھی تھا کہ خود جا کر یزیدؓ سے ملیں اور بات چیت کریں۔

آپؑ نے سفر کا قصد کیا تو آپ کے کچھ دوستوں اور جان نثاروں نے ساتھ چلنے پر اصرار کیا اور امام حسینؑ کے منع کرنے کے باوجود نہیں مانے۔ اسی طرح خاندان کے تقریباً سب افراد جن میں مرد تھے، بچے تھے، جوان تھے، بوڑھے تھے، عورتیں اور لڑکیاں تھیں، نچے نچے تھے آپ کے ساتھ روانہ ہونے کو وہ سمجھتے تھے کہ حق کے راستے میں جان دینے یا قربانیاں دینے کا فرض ان پر بھی اسی طرح آتا ہے جس طرح امام حسینؑ پر۔

مرض سوسو آدھیوں کا یہ قافلہ مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ امام حسینؑ نے اپنے عہما زاد بھائی

مسلم بن حنبل کو کوذ اپنا سفیر بنا کر روانہ کر دیا کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں۔ حضرت سلم اپنے درویشوں کے ساتھ کوذ روانہ ہو گئے۔ جہاں شروع میں ان کا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا اور سلم کے ہاتھ پر لوگوں نے حسین کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ مگر کچھ عرصے بعد، جب یزید کا سخت گیر حاکم اور آپ رسول کا دلی دشمن ابن زیاد کوذ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، اور اس نے ظلم و سختی شروع کر دی تو کوئی لوگ سلم سے پھر گئے۔ حاکم نے حضرت سلم اور ان کے میزبان اور حامی آلے کو اور بعد میں ان کے معصوم لڑکوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ سفیر کا قتل جو دنیا میں ہمیشہ سے ممنوع رہا ہے۔

امام حسین نے اُدھر مکہ معظمہ میں اذازہ لگایا کہ یہاں یزیدی گرے موجود ہیں جن کا پلان یہ ہے کہ مین حج کے موقع پر چپکے سے امام حسین کو شہید کر دیا جائے اور کسی بے گناہ پر الزام رکھا جائے۔ خاندان کعبہ کی حرمت کا تو انہیں دھیان ہی کہاں تھا۔ پھر یزید کے لیے رات صاف ہو جائے گا اور وہ بے درملک حکومت کرے گا اور یزیدی طاقتیں اسلام کو مٹانے اور نسخ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

امام حسین نے حج کے بدلے عمرہ کیا اور خاموشی سے مکہ سے چلے آئے اور کوئے کی سمت روانہ ہو گئے۔ کہ انہیں تو دنیا کو صدیوں بعد تک آنے والے انسانوں کو یہ بتانا تھا کہ اسلام کیا ہے۔ اس کی اصلی تعلیم، اس کی روح کیا ہے۔ سچا مسلمان کیسا ہوتا ہے اور نام کا مسلمان حرم و ہوس میں پھنس کر کس حد تک گر سکتا ہے۔ اسلام کو تباہ تک کرنے پر ترقی جاتا ہے۔

امام حسین کو بعض خیر خواہوں نے جن میں ان کے سوتیلے بھائی ابن حنفیہ اور حضرت زینب کے شوہر بھی تھے، انہیں روکنے کی بہت کوشش کی۔ وہ دھج رہے تھے کہ امام حسین سخت خطرے میں ہیں اور یہاں رہ کر ان کی جان بچائی جاسکتی ہے۔ مگر حسین کے سامنے تو دوسرا ہی مقصد تھا۔ جان بچانا نہ تھا۔ شہادت پانا تھا۔ ان لوگوں نے کہا کم سے کم عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔ اس پر ایک طرف حسین کی بہنوں نے احتجاج کیا اور کہا نانا کی امت اور ان کے اسلام کو بچانے اور اس کے لیے قربانیاں دینے کا ہمیں بھی تو حق ہے۔ دوسری طرف خود امام حسین اس پر تیار نہ ہوئے۔ کیوں نہیں ہوئے؟

آنے والے وقت نے اس کو واضح کیا کہ یہی خواتین محترم اور معصوم بچے تھے جنہوں نے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے شہادت کے مقصد کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس خوبی اور بے باکی سے اس کی وضاحت کی اور اس راہ کا ہر ظلم، ہر ذلت، ہر مصیبت اس صبر اور حوصلے کے ساتھ سہاری کہ ساری دنیائے انسانیت بل گئی۔

ملنے سے کوئی یہ سفر بڑا ہی کٹھن سفر تھا۔ عرب کی بھرپوریاں، گرمی کا زمانہ، پانی کی کمی، سایہ ناپید۔ مگر حسینی قافلہ سب کچھ جھیلتا آگے بڑھتا رہا۔ اُدھر کوئے اور اس کے آس پاس یزید کی کرایے کی فوجیں ہزار در ہزار جمع ہو رہی تھیں جن میں سے بیشتر کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کس کے مقابلے کے لیے جا رہی ہیں۔ بس اتنا جانتے تھے کہ حاکم وقت سے کسی نے بغاوت کی ہے اور انہیں اس بغاوت کو کچلنا ہے۔

امام حسینؑ کا سفر جاری تھا۔ وہ کوئے کی سمت بڑھتے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک مسافر سے معلوم ہوا کہ اہل کوئے یزید کے ظلم و ستم کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ انہوں نے مسلم کو شہید کر دیا اور امام حسینؑ سے پھر گئے۔ اب جو بھی مسافر ملتا اسی قسم کی خبریں پہنچتی۔ اور آگے بڑھے تو یزیدی فوج کے ایک دستے نے، جس کا افسر حُر بن ریاحی تھا، آپ کا راستہ روکا اور کوئے کی سمت جانے میں مانع ہوا۔ امام حسینؑ اپنی طرف سے لڑائی چھیڑنا نہیں چاہتے تھے۔ خاموشی سے رات بدل لیا۔ اور یہ دستہ کچھ فاصلے سے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ کچھ دن بعد یہ لوگ بحر کرم حسینؑ کو پیاس سے نیم جاں صحرا میں بٹھکتے ملے۔ جانتے تھے کہ دشمن ہیں، سمجھتے تھے کہ آگے شاید پانی ملے ہی نہیں مگر ان سے یہ ممکن نہ تھا کہ انسانوں کو پیاس سے بے قرار دیکھیں۔ اپنے ذخیرے کا سارا پانی خُرا اور اس کی فوج کو سیراب کرنے میں صرف کر دیا۔ اس واقعہ سے حُر بہت متاثر ہوا مگر اپنے فرض منصبی سے مجبور تھا اور حسینؑ کے قافلے کو کوئے کی سمت جانے دینے سے معذور۔

ماہ محرم کی دریاہن تاریخ تھی کہ حسینی قافلہ نینوا کی بستی کے پاس پہنچ گیا۔ یہی بستی تھی جو آگے چل کر کرب و بلا کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہاں دریائے فرات کی ایک شاخ بہتی ہے جس کا نام علقہ تھا۔ امام حسینؑ نے گھوڑا روکا اور وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا۔ ابھی قافلہ پوری طرح اُترا بھی نہ تھا کہ یزیدی فوج کے کچھ اور دستے پہنچ گئے اور امام حسینؑ کے خیمے نہر کے کنارے نصب کرنے میں مانع ہوئے۔ حسینؑ نے پھر جنگ سے گریز کیا اور کچھ دور صحرا کی تپتی ریت پر اپنا کیمپ

قائم کر لیا۔

۲۔ ۸ محرم تک یزیدی فوجیں گروہ درگروہ جمع ہوتی رہیں۔ انھوں نے چاروں طرف سے امام حسین کی مختصر فوج کا گھیرا کر لیا۔ ناکہ بندی کر دی گئی یہاں تک کہ غذا کی رسد ہی نہیں پانی تک، ۸ محرم سے بند کر دیا گیا۔

اس دوران میں بار بار امام حسین (اور ان کے بعض بوڑھے باخدا ساتھیوں نے) دشمن کے سامنے غلطیہ دیے۔ ان کو راہ راست پر چلنے کی تلقین کی، بے گناہوں کے خون سے باز رکھنا چاہا۔ یہ پیش کش کی کہ میں یزید کے پاس جانے اور اس سے بات کرنے کو تیار ہوں۔ یہ بھی کہا کہ مجھے عراق عرب سے کسی دور ملک کو چلا جانے دو۔ فرمایا میں ہندوستان یا کسی اور ملک چلا جاؤں گا۔ امام حسین حجت تمام کرنا چاہتے تھے کہ آنے والے زمانے میں یہ نہ کہا جائے کہ حسینؑ نے صلح کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ آخری وقت تک مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر یزیدی فوجوں کو تو یہ حکم تھا کہ یا حسینؑ سے یزید کی بیعت لی جائے یا انھیں قتل کر دیا جائے۔

۹۔ ۹ محرم کو شمر بن ذالجوشن اس حکم کے ساتھ کربلا میں وارد ہوا کہ اب حسینؑ کو مزید مہلت نہ دی جائے فوراً فیصلہ ہو جانا چاہیے اس وقت امام حسینؑ نے دشمن سے صرف اسی رات کی مہلت طلب کی کیوں کی؟ کیا اس لیے کہ انھیں کہیں سے کمک ملنے کی امید تھی؟ یا اس لیے کہ دشمن کے راہ راست پر آنے کا کوئی امکان تھا؟ نہیں۔ تاریخ اس کا یہ جواب دیتی ہے کہ یہ مہلت حسینؑ نے مانگی تھی اس لیے کہ زندگی کی یہ آخری رات اور اپنے معبود کی عبادت میں بسر کر لیں۔ دوسرے وہ اپنے ساتھیوں کو کسوٹی پر کس کر دیکھنا چاہتے تھے کہ کون دل کی پوری آمادگی کے ساتھ حق کی راہ میں جان دینے پر تیار ہے۔ کیونکہ اس نادبر روزگار جنگ میں کسی کچے دل کے آدمی کی گنہائش ہی نہ تھی۔ چنانچہ شب عاشور امام حسینؑ نے ایک جامع مانع تقریر کی اور بتایا کہ یزید کا مقصد صرف مجھ سے بیعت لینا اور نہ کروں تو مجھے مار ڈالنا ہے۔ تم لوگوں میں سے جو بھی جانا چاہے گا وہ لوگ اس سے تعرض نہ کریں گے۔ کہا تم سے ہر ایک میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر لے جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہا کہ میں تم پر سے اپنی بیعت اٹھا لیتا ہوں۔ مطلب صاف تھا کہ تم جس کی چاہے بیعت کرو میں مانع نہ ہوں گا۔ واضح رہے کہ یہ بات

آپ راستے بھر لوگوں سے کہتے آئے تھے اور کچھ لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے بھی گئے تھے۔
 فقریر کے بعد آپ نے شمع مغل کر دی چہرہ پر رد مال ڈال لیا کر جانے والوں کو شرمندگی نہ ہو۔
 مگر اس وقت پھر تاریخ عالم کا ایک عجیب واقعہ سامنے آتا ہے۔ اب ستر
 کے قریب صرف وہ مجاہد جاں باز رہ گئے تھے جو حسینؑ کے پیسنے پر خون بہانا اپنا شرف
 سمجھتے تھے۔ انھوں نے بے قراری اور جوش کے ساتھ آخری دم تک حسینؑ کا ساتھ دینے کا
 اقرار کیا اور یہ اقرار صرف زبان سے نہ تھا بلکہ روزِ عاشورہ صبح ان کے خون کے ہر قطرے سے
 سچائی کی اور حسینؑ کے محبت کی گواہی ملی۔ اور پھر رات حسینؑ نے عبادت میں بسر کی۔ اندر عورتوں
 نے اپنے بچوں، بھائیوں، شوہروں کو حق کی راہ میں ثابت قدمی سے جہاد کرنے پر آمادہ کیا اور حسینؑ
 کی مختصر سی فوج نے خیموں کی حفاظت کی کہ دشمن شبِ خون نہ مارے۔ اور اس طرح —
 صبح عاشورہ طلوع ہوئی اور دشمن کی طرف سے صبح نماز فجر کے وقت تیروں کی بوچھاڑ سے جنگ کا
 اعلان ہوا۔

صحیح تاریخی روایات میں یزیدی فوجوں کی تعداد بیس ہزار سے چالیس ہزار تک بتائی
 جاتی ہے اور امام حسینؑ کے ساتھ کل بہتر افراد تھے جن میں بوڑھے بھی تھے، نو عمر بچے بھی تھے
 اور ایک دو در حدیتا بچہ بھی۔ عاشورہ محرم کو یہ لڑائی صبح فجر کے وقت سے شروع ہو کر عصر کے
 وقت ختم ہوئی۔ مرثیہ گو شاعر نے مبالغے سے یزیدی فوجوں کی تعداد ”لاکھوں“ لکھتے ہیں۔ جو غلط ہے۔
 لیکن جب یہ تصور کیجیے کہ ان کی گنتی کل بہتر افراد کے مقابلے میں کتنی کثیر تھی تو لاکھوں کا لفظ زیادہ
 مبالغہ معلوم نہیں ہوتا۔

امام حسینؑ اور ان کے بعض اور ساتھیوں نے جن میں حبیب ابن مظاہر کا نام خاص طور پر
 قابل ذکر ہے، روزِ عاشورہ بھی یزیدی فوج کے سامنے جا کر خیلے دیے۔ مگر ان کو راہِ راست پر لانے کی
 یا صلح کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ میدان کا دھار گرم ہوا۔ کربلا کے بھوکے پیاسے مجاہدوں نے جہاد
 پر کمر باندھا اور جب تک ان میں سے ایک فرد بھی زندہ رہا امام حسینؑ کو قتل سے بچانے کے
 لیے سردھڑکی بازی لگاتے رہے۔ عباس کو فک کر کاظم بردار چٹا گیا، اکبر کو سپہ سالار بنایا گیا
 یہ دونوں بہادر اپنی شجاعت کے لیے دور دور شہرت رکھتے تھے۔ سب سے پہلے خُرا، جو فوج
 مخالف سے امام حسینؑ کی طرف چلا آیا تھا، میدانِ جگ میں گیا اور بہادری سے لڑ کر حسینؑ پر

جانب قرہائی کی۔ پھر حسین کے رفیقوں نے میدان کی رخصت یعنی شروع کی۔ ایک کے بعد ایک مجاہد رخصت طلب کرتا، فوج مخالف کے سامنے جگر مرپ کے قدیم دستور کے مطابق رجز پڑھتا یعنی اپنا نام، نسب، اپنے اور اپنے خاندان کے بہادری کے کارنامے بیان کرتا۔ پھر مبارز طلب کرتا۔ کچھ دیر ایک ایک سے دست بدست مقابلہ ہوتا۔ حسینی مجاہد جاں بازی سے، بہادری سے، ہتھیلی پر سر رکھ کر، سر سے کھن باندھ کر کئے تھے، کشتوں کے پھٹتے لگا دیتے۔ پھر یزیدی فوجیں گھیر کر مجاہد کو شہید کر ڈالتیں۔ امام حسین اپنے بہادری بھائی اور بیٹے کو لے کر جاتے اور شہید کی لاش لے آتے اور غم کے قریب لٹا دیتے۔ جب دوستوں کا پڑا خالی ہو گیا تو عزیزوں نے داد شجاعت دی۔ مسلم کے فرزندوں نے اپنے باپ کے دشمنوں اور قاتلوں سے جنگ کی اور شہادت پائی۔ عباس کے چار بھائیوں نے امام بھائی کی نصرت میں جہاد کیا دشمنوں کو مارا اور جانیں، جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ حون اور محمد کو ان کی ماں زینبؓ نے خود ہتھیار بھا کر میدان جنگ میں بھجا اور ان دونوں فوجی مجاہدوں نے کچھ دیر تک اپنے دادا اور نانا کی سسی شجاعت دکھا کر دشمن کی فوج کو حیران کر دیا۔ محمد پھر شہید ہو گئے۔ قاسم بن حسنؓ نے چپا سے، ماں سے اور نئی دھن سے رخصت ملی، یادگار جنگ کی جس میں شام کے مشہور پہلوان ازرق اور اس کے چار بیٹوں کو اپنی تلوار کے گھاٹ اتارا اور آخر فوج یزید کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ — عباس جو دیر سے جہاد پر جانے کو بے قرار تھے، آگے بڑھے۔ بھائی نے روکا۔ بہنوں نے دامن تھامنا، ننھی پیاسی بھتیجی نے اپنا خشک مشکیزہ تھما دیا اور عباس محبوب محترم بھائی بہنوں سے رخصت ہوئے۔ بے مثال بہادری کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کیا، نہر میں گھوڑا ڈالا، سکیڑ کی مشک بھری، مگر اپنے لب خشک تر نہیں کیے کہ حسینؓ اور ان کے بچے پیاسے ہیں۔ دریا سے نکلے، فوج یزید نے چاروں طرف سے گھیرا، بشیر خدا کے شیر نے بے جگرگی سے لڑائی لڑی، مشک پھلنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ایک اور ہزاروں کا اس مادی دنیا میں کیسے مقابلہ ہو سکتا ہے۔ بازو شانوں سے جدا ہو گئے۔ مشک تیرے چھد گئی، پانی بہ گیا، عباس زخموں سے چور چور ہو کر دریا کے کنارے گر پڑے۔ حسینؓ دوڑے، بھائی کو عالم نزع میں پایا۔ صبر کی ہل دل پر رکھی، زانو پر سر رکھا۔ عباس کی پتیلیاں بھائی کی طرف ٹھیری رہ گئیں اور روح پرواز کر گئی۔ اب علی اکبر، فوج حسینی کا اکلوتا سپاہی باقی تھا جو خاندان بھر کا نور نظر، حسین کا لخت جگر

اور ہم صورت رسول تھا۔ مگر آج جو حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی اس میں خاندان رسالت کا ہر گویا بے باک بھینٹ چڑھ رہا تھا۔ اکبر نے عزیزوں سے رخصت لی، باپ نے سوکھی زبان کے کانٹے دیکھے تو اپنی خشک زبان اس کے دہن میں دے دی۔ اکبر نے کہا بابا آپ کی زبان مجھ سے زیادہ خشک ہے۔ میدان جنگ میں گئے۔ بہادری اور بے جگری سے یادگار جنگ کی۔ یہاں تک کہ سناں ابن انس کی برہمگی کا پھل سینے کے پار ہو گیا اور حسینؑ کا نورِ نظر گھوڑے سے گر پڑا، حسینؑ دوڑے، زینبؑ خیمے سے نکل پڑیں، ماں تڑپتی مگر میٹا خدا کو پیارا ہو چکا تھا۔ اب صرف حسینؑ کو اپنا سہرا قدس راہِ خدا میں کھانا رہ گیا تھا۔ مگر عین لڑائی کے وقت حسینؑ کو خیمے سے گریہ و ماتم کی صدائیں سنائی دیں۔ گھوڑا پلٹا، خیمے کے در پر آکر پوچھا کیا اجرا ہے، معلوم ہوا انخا علیؑ اصغر بھوک اور پیاس سے جاں بلب ہے۔ بچے کو ماں کی گود سے لے لیا۔ فوج ستم کے سامنے ہاتھوں پر بلند کیا اور چند قطرے پانی کے طالب ہوئے۔ انیس نے اس موقع کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

حسینؑ اور طلب آب اے معاذ اللہ

تمام کرتے تھے حجت، سوالِ آب نہ تھا

امام حسینؑ کو یہ دکھانا تھا کہ یزیدی طاقتیں ظلم اور شقاوت کے کس درجہ پر پہنچ چکی تھیں کہ ننھے معصوم بچے تک پر ترس نہ لکھایا۔ روایت ہے کہ دشمن کی فوج کے بعض لوگ علیؑ اصغر کی حالت دیکھ کر رونے لگے مگر ابنِ سعد کے حکم سے حُرملہ بن کاہل نے ایک سہ پہلو تیرا سا ناک کر مارا کہ امام حسینؑ کا بازو توڑتا ہوا علیؑ اصغر کے گلے میں ترار ہو گیا۔ اور صاحبِ حسینؑ نے اس وقت کہا تو یہ کہا اِنَّ اللہَ فَرَّانَ الْیَہْمِ رَاجِعُونَ لِرَضَا بِقَضَائِہِہٖ وَسَلِّیْمًا لَا مُرَمَّ۔ تلوار سے ایک ننھی سی قبر کھودی، بچے کو زیرِ خاک چھپایا، میدان کارزار میں آئے، آخری بار دشمن کو پھر راہِ ہدایت کی تلقین کی، جو بے اثر رہی، کچھ دیر ایک یادگار و بے مثال جنگ کی۔ ہر طرف سے تیر و تلوار، نیزے اور برہمچیوں کے دار ہو رہے تھے۔ دشمن ہی کے راویوں کے بیان کے مطابق امام حسینؑ کے تن اطہر پر دو ہزار کے قریب زخم تھے۔ عصر کی اذان کی آواز کان میں آئی، اپنے زخمی جسم کو گھوڑا سے گرا دیا۔ اور مجروح پیشانی بارگاہِ الہی میں خاک پر جھکا دی اور وہی حالت میں شمر اور اس کے گیارہ اور ساتھیوں نے مل کر آپ کا مرتن سے جدا کر دیا۔ وہ

سیراقدس جس کو ظلم و ستم کی ساری طاقتیں مل کر نہ جھکاسکیں تھیں اب نیزے پر بلند تھا۔

سرداد نہ داد، دست در دست یزید

حقاً کہ بنائے لالہ است حسین

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خاندانِ حسین کی عورتوں کا جہاد شروع ہوا۔ یزیدی فوجوں کی دشمنی کی آگ حسینؑ کو شہید کر کے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی۔ وہ غیموں میں گھسے، بیسیوں کے سروں سے چادریں جھینیں، یتیم بچوں کو طمانچے مارے، بیمار سید سجاد کو ڈرے مار کر ہوشیار کیا۔ اسباب لوٹا اور غیموں میں آگ لگا دی۔ اگلے دن اپنے کشتوں کو دفن کیا مگر مگر سید سجاد کو شہیدوں کو دفن کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ عورتوں اور بچوں کو رسی سے باندھا، بے کجاہہ اونٹوں پر سوار کیا، اونٹوں کی مہار بیمار سید سجاد کے ہاتھ میں دی گئی، جن کے گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں اور ان کو کربلا سے کوفہ، وہاں سے دمشق لے جایا گیا۔ کربلا سے شام تک کاسینکڑوں میں کا یہ فاصلہ اس شان سے اس قافلے نے طے کیا کہ ایک رستی میں بارہ بارہ بازو بندھے تھے، عابد بیمار پایادہ پستی ریت اور کانٹوں پر چل رہے تھے۔ ہر بی بی کے اونٹ کے برابر اس کے سب سے پیارے عزیز کا سر نیزے پر بلند ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ لیکن یہ تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ حسینؑ کے لکھانے کے یہ بے بن مصیبت زدہ پیادوں موٹی، بے سہارا خواتین، اور لڑکیاں اور بچے تک دشمن سے ڈرے نہیں، ان سے ہار نہیں مانی، بلکہ ہر مقام پر حسینؑ کی بہنیں حضرت زینبؑ اور حضرت ام کلثومؑ پُر اثر اور پُر درد خطبے دیتیں۔ (یہ خطبے تاریخ کر بلا میں محفوظ ہیں، یا کبھی سید سجاد خطبے دیتے اور لوگوں کو بتاتے کہ یہ سر حسینؑ کا ہے، یہ عورتیں خاندانِ رسالت کی ہیں حسینؑ کو یزید نے کس ظلم سے سارے خاندان سمیت شہید کر ڈالا ہے۔ اور حسینؑ کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ فاسق و فاجر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ نہیں تھے یعنی اسے رسول کا جانشین نہیں مانتے تھے۔ دربارِ کوفہ اور دربارِ یزید میں حضرت زینبؑ نے وہ معرکہ الّا تقریریں کیں کہ دشمنوں کا سر جھک گیا اور وہ بغاوت کے ڈر سے ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے۔ غرض پچھن سالہ بنتِ علیؑ سے لے کر چار سالہ سکینہؑ تک نہ دشمن سے ڈریں نہ اس کے سامنے جھکیں۔ بلکہ حسینؑ کے مقصد کو دنیا سے روٹنا س کرانے اور ان کی تعلیم کو پھیلانے کا کام کرتی رہیں

نام میں یزید نے اہل بیت رسول کو ایک تیرہ دہائیوں کے قید خانے میں بند کر دیا۔ جو اب دنیائے اسلام پر اس کی حرکتوں کا راز فاش ہو رہا تھا۔ لوگ کلمہ کھلا اس کی حرکتوں پر غصہ کرتے اور ملامت کرتے کہ اس نے یہ کیا کیا۔ خود اس کے گھر میں اس کی محبوبہ اور بیوی ہندہ جو آل رسول کی اور امام حسین کی عقیدت مند اور خدائی تھی، سخت برہم تھی، ہر طرف نفرت اور غصہ بڑھ رہا تھا۔ آخر یزید کو مجبور ہو کر اہل حرم کو قید سے چھوڑنا پڑا اور یہ لڑکا تادم سال بھر بعد اس طرح مدینہ پہنچا کہ انہیں خالی گود تھیں، سہاگنیں بیوہ، بہنیں بے بھائیوں کی، بچے تھکے پیدھیلے کے بازوؤں پر رستی کے اور پشت پر کوڑوں کے نشان تھے۔ مدینے میں کہرام مچ گیا اور یزید و یزیدی طاقتوں کے خلاف ہر دل میں غم و غصہ پیدا ہو گیا۔

مگر یہ داستان کرب و بلا یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ مقتول و مفتوح حسینؑ کو وہ زبردست فتح حاصل ہوئی کہ آج ساڑھے تیرہ صدیوں بعد تک الہ کا نام زندہ، ان کا کارنامہ امر الہی کی شہادت دنیا کا عظیم المیہ اور بے مثال واقعہ مانا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے حق پرست حسینؑ کے سانچے سر جھکاتے اور اس کی بارگاہ میں نذر عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور یزید کا تو نام ہی گالی کے مرادف ہو گیا ہے۔ مولا محمد علی جوہر نے کیا خوب کہا ہے۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کربلا کے المیہ کا یہ مختصر اور سادہ خاکہ ہم نے، حتی الامکان تاریخ کی روشنی میں پیش کیا کہ جب آپؐ مراٹی انیس کا مطالعہ کریں تو اس کے پس منظر سے واقع ہوں۔ یہی سادہ اور سچا حقیقی داستان ہے جو صدیوں سے شاعروں، ادیبوں، خطیبوں کا موضوع رہی ہے اور خواص و عوام کے دل کے تاروں کو چھوتی رہی ہے۔

اردو زبان میں بھی اس کی طفولیت کے دور ہی سے کسی نہ کسی شکل میں مرثیہ کہا جاتا رہا ہے پہلے زبانی ڈبے اور نوے وغیرہ پڑھے جاتے تھے پھر وہ لکھے بھی جانے لگے۔ دکنی اردو میں شروع ہی سے چومر مرثیوں نے جگہ بنالی تھی۔ شمالی ہند میں بھی دو مصرعے، چومر مرثیہ اور نوے یا سوز و سلام کہے جاتے رہے۔ مگر یہ بیانیہ مرثیے کسی بلند ادبی مقام تک نہیں پہنچ سکے۔ لوگ عقیدت و احترام اور درد و غم کے تاثرات کے ساتھ ان کو سنتے اور حسینؑ کی عیال و عیال کے مصائب

پر آنسو بہا لیتے۔ بعض لوگوں نے ان کا درجہ مرنے کے لیے مجرا شاعر مرثیہ کو کی بھتی بھی کس دی۔

سب سے پہلے میر ضمیر اور میر خلیق نے مرثیہ کی صنف سخن کو شاعرانہ بلند می بخشی۔
مرثیہ کے لیے سدس کی صنف کو اپنا لیا اور اس کے کیوس کو وسیع کیا۔ صرف بینہ مضامین کی جگہ اس میں چہرہ، تمبید، رخصت، جنگ، جہاد، شہادت اور آخر میں بین کے مضامین باندھنے کی روایت قائم کی۔ مرثیہ میں شہیدان کر بلا کی سیرت اور شخصیت کو اجاگر کر کے ان کو ایک طرف ادب کا کردار بنایا تو دوسری طرف پڑھنے اور سننے والوں سے ان کا منتخل تعارف کرانے کی کسم ڈالی۔ بیانہ شاعری میں کسی مجاہد کا تعارف ہوتا۔ اس کی سیرت کی خصوصیات بیان کی جاتیں، اس کا عزیزوں سے رخصت ہونا، امام حسین سے اجازت طلب کرنا، میدان جنگ میں بہادری سے جہاد کرنا، دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہونا دکھایا جاتا۔ یہ دراصل اس نئی صنف مرثیہ کی ابتدا تھی جس کو آگے چل کر مرزا دیر اور میر انیس نے معراج کمال پر پہنچایا۔

واقعہ کر بلا کے ذکر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجالس کا تعارف اور واقعہ کر بلا کے اہم کرداروں کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

پیر اسلام کے نو خطہ آئین کی شہادت کی یادگار یوں تو سارے عالم اسلام میں کسی کسی شکل میں منائی جاتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس نے شاید اور سب جگہ سے زیادہ شعلہ اور موثر انداز اختیار کر لیا ہے۔ یوں تو ہندوستان جیسے وسیع ملک میں ہر صوبے اور علاقے میں اپنے اپنے انداز میں یادگار حسینی منائی جاتی رہی ہے لیکن شمالی ہند اور حیدر آباد دکن میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ اس میں بھی مجلسیں کرنے اور تفریے علم وغیرہ اٹھانے کی رسم زیادہ مقبول ہے جس میں شیعہ مسلمان تو پیش پیش رہتے ہی ہیں مگر سنی مسلمان بلکہ بعض جگہ ہندو حضرات بھی یادگار مناتے ہیں۔ یکم محرم سے بارہ محرم تک تقریباً سبھی مسلمان سوگ مناتے ہیں (میرا مطلب ان مسلمانوں سے ہے جو مذہبی عقیدہ بھی رکھتے ہیں) اس دوران خوشیاں نہیں منائی جاتیں، شادی بیاہ نہیں کیا جاتا۔ یادگار منانے کے مختلف ڈھنگ ہیں۔ علاوہ مجلسیں کرنے کے، پانی اور شربت کی سبیلیں جگہ جگہ رکھی جاتی ہیں۔ سات محرم کو مہندیاں نکالی جاتی ہیں۔ آٹھ محرم کو علم کا جلوس نکلتا ہے۔ دلدل (امام حسین کا گھوڑا) کی شہید نکالی جاتی ہے۔ اور دس محرم کو ماتم یا پٹے بازی کے ساتھ (جو ماتمی جنگی اہم کی یادگار سمجھا جاتا ہے) تفریے اٹھاے جاتے ہیں۔

اشنا عشری شیعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کو پہلا امام مانتا ہے اور ان کے گیارہ جانشینوں کو بھی امام مانتا ہے۔ واقعہ کر بلا کی یا ایک مخصوص انداز میں مانتا ہے۔ یکم محرم سے لے کر امام حسین کے چہلم تک امام باڑوں اور گھروں میں زبانی اور مردانی مجالس عزاء برپا ہوتی ہیں۔ علم، ضریح، تعزیلے وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ شمعیں روشن کی جاتی ہیں، اگر اور لوہان سلگایا جاتا ہے اور مقررہ وقتوں پر مجلس ہوتی ہے جس میں پہلے سوز خوانی کی جاتی ہے یعنی ایک یا دو بند مرثیہ یا رباعی کے گاکر پڑھے گئے پھر سلام کو لمن کے ساتھ پڑھا اور چھوڑا سا کوئی مرثیہ یا اس کے چند بند کی سوز خوانی کی گئی۔ اس کے بعد یا تحت اللفظ مرثیہ پڑھا جاتا ہے یا حدیث (آج کل ذاکروں اور واعظوں کا رواج بڑھ گیا ہے) پھر اتم کے ساتھ نوے پڑھ کر فاتحہ اور سلام پڑھا جاتا ہے۔ مجلس کے بعد لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حصہ "یعنی کوئی مٹھائی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں جس کو تبرک کہا جاتا ہے۔

یہی تحت اللفظ مرثیہ خوانی تھی جس کا رواج مدتوں سے چلا آتا تھا اور جس کی بدولت رفتہ رفتہ مرثیہ نے عروج پایا۔ یہی تحت اللفظ مرثیہ تھا جس نے میر آئیس اور مرزا دبیر جیسے شاعروں کو پیدا کیا۔ تحت اللفظ مرثیہ خوانی کے رواج نے میر آئیس اور مرزا دبیر کے زمانے میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ ان کو سننے کے لیے ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہوتا تھا۔ اور گھنٹوں محویت کے عالم میں ان کو سنتا تھا۔ ایک بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ مرثیہ خاص طور سے اس خاص انداز میں پڑھنے کے لیے لکھے جاتے تھے۔ اس میں شاعرانہ کمالات اور خوبیوں اور بین کے مضامین کے درد و اثر کے علاوہ پڑھنے والے کی شخصیت، انداز بیان، رکھ رکھاؤ، لباس، وقار سبھی چیزیں اثر انداز ہوتی تھیں۔ میر انیس اپنے دور کے مرثیہ خوانوں میں بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی خورد کردی و ضداری، خوش پوشی، خوش بیانی، مداح الہی بیت ہونے کا ناز اور ایک حد تک غرور، پڑھنے کا مخصوص و منفرد انداز (جس میں ہاتھوں کی مناسب حرکت اور چشم و ابرو کی جنبش اس میں بڑے معنی اور اثر پیدا کر دیتی تھیں) ان سب نے مل کر ان کے مرثیوں میں کچھ ایسی ڈرامائی کیفیت اور تاثر پیدا کر دیا تھا جو نہ ان سے پہلے کسی مرثیہ خواں کے ہاں تھا نہ ان کے بعد پیدا ہو سکا۔ جب تک لکھنؤ کی شان و شکوہ قائم رہی انھوں نے لکھنؤ سے قدم باہر نہیں نکالا کہ ان کے قدردان اور سمجھنے والے وہاں سے بڑھ کر کہیں اور ملنا، ان کے خیال میں محال تھا۔ لیکن لکھنؤ کی تباہی کے بعد جب انھیں مجبوراً دوسرے

شہروں میں جانا پڑا جس میں حیدر آباد، پٹنہ وغیرہ شامل ہیں اور انھوں نے وہاں مجلسیں پڑھیں تو ان کو اندازہ ہوا کہ ان کی مقبولیت ہر جگہ ہے اور ان سے پہلے ان کی شہرت پہنچ جاتی تھی اور ہر جگہ ان کی ناز برداری کی جاتی تھی۔ ان کے وقار کا لحاظ رکھا جاتا۔ وہ بڑے نازک مزاج آدمی تھے اور بڑے سے بڑے آدمی بلکہ بادشاہ وقت تک کو غاٹ میں نہ لاتے تھے۔ مگر انیس کی عظمت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ سب کو ان کی شرطیں ماننی پڑتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں دس دس پندرہ پندرہ ہزار لوگوں کا مجمع انیس کو سننے کے لیے جمع ہو جاتا تھا۔ تصور کیجیے۔ اس محویت، سکوت اور احترام کا جس کے ساتھ مرثیے سنے جلتے ہوں گے۔ خیال کیجیے انیس کی آواز انداز اور وقار کا کہ اس وقت جب نہ مانگ تھا نہ لاؤڈ اسپیکر، یہ ہزاروں آدمی انیس کے مرثیہ کا ایک ایک لفظ سنتے اور گفتوں سنتے تھے۔

ظاہر ہے آج کے معروف دور میں مجلسوں میں نہ اتنا طول ہو سکتا ہے نہ اتنا اہتمام اور خرچ کیا جاتا ہے اور نہ کوئی انیس جیسا مرثیہ گو اور مرثیہ خواں موجود ہے جو لوگوں کو مسحور کر لے۔ پھر بھی بہت سے لوگ مجلسیں کرتے ہیں۔ اور بہت سی مجلسوں میں، خاص کر زنانی مجالس میں، انیس اور دبیر کے مرثیے سوز سے بھی پڑے جاتے ہیں اور تحت اللفظ بھی اور محویت اور تحسین کے ساتھ سنے جاتے ہیں۔

میر انیس کے مرثیوں نے کئی نسلوں یعنی ان ہزاروں لاکھوں انسانوں پر کتنا اثر ڈالا ہو گا جو ڈیڑھ سو سال سے ان مرثیوں کو سنتے ہیں اور اس میں بیان کی ہوئی دل نشیں تہذیب اور دلکش کرداروں سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر خود ایک تحقیقی مقالہ لکھا جاسکتا ہے

مرثیوں میں جن کرداروں کا بار بار تذکرہ آتا ہے ہم ان کے نام اور بعض لقب بھی نیچے درج کر رہے ہیں۔ یوں تو القاب بے شمار ہیں جو زیادہ تر صفات سے متعلق ہوتے ہیں مگر ان میں سے اکثر مرثیہ پڑھتے وقت سمجھ میں آ جاتے ہیں کہ کون سا لقب کس کے لیے استعمال کیا گیا ہے مثلاً حضرت علی کے لیے شیر خدا، امام حسین کے لیے مظلوم کر بلا، شہنشاہ دارین، شاہ دین و دنیا، سید سجاد کے لیے بیار کر بلا اور علی اکبر کے لیے شبیر رسول یا ہم شکل پیغمبر اور حضرت عباس کے لیے سقائے سکینہ، شبیر کر بلا وغیرہ۔

کر بلا کے المیہ اور مرانی انیس کے اہم کرداروں کے نام ہم نیچے لکھ رہے ہیں :

امام حسین ————— کر بلا کے المیہ کے ہیرو

عباس بن علی ————— امام حسین کے سوتیلے جاں نثار بھائی

علی اکبر ————— امام حسین کے ننھلے صاحبزادے جن کی عمر اٹھارہ برس تھی

سید تاجا یا عابد یا زین العابدین ————— جو تھے امام، امام حسین کے بڑے صاحبزادے

علی اصغر ————— امام کا چھ ماہ کا بچہ

عون اور محمد ————— حضرت زینب کے نو عمر بہادر بیٹے

قاسم ————— امام حسن کے بیٹے۔ امام حسین کے بھتیجے اور داماد

حضرت زینب ————— امام حسین سے چھوٹی بہن جن کا قصہ واقعہ کر بلا میں امام حسین کے

بعد سب سے اہم ہے۔

حضرت ام کلثوم ————— امام حسین کی سب سے چھوٹی بہن جو اپنی بڑی بہن زینب کے ساتھ

واقعہ کر بلا میں اہم رول ادا کرتی رہیں۔

شہر بانو یا بانو ————— امام حسین کی بیوی۔ شاہ ایران یزدگرد کی پوتی

فاطمہ کبرا۔ فاطمہ صغرا۔ سکینہ ————— امام حسین کی صاحبزادیاں

فخرہ ————— جناب فاطمہ کی کینز جنہوں نے زینب اور حسین کو پالا بھی تھا اور سب

ان کی عزت اور ان سے محبت کرتے تھے۔

ہندہ ————— خاندان حسین میں پرورش پائی عورت جس کی شادی یزید بن معاویہ

سے ہوئی تھی۔

شیریں ————— شہر بانو کی کینز جس کو آزاد کر کے عرب کے کسی رئیس سے بیاہ کر دیا تھا۔

خر بن ریاحی ————— یزید کی فوج کا ایک افسر جو امام حسین کی طرف چلا آیا اور ان کی حمایت

میں جنگ کی اور شہادت پائی۔

مسلم بن عقیل ————— امام حسین کے چچا زاد بھائی اور سفیر جن کو کونے کے حاکم ابن زیاد نے

سفاکی سے قتل کر ڈالا تھا۔

حبیب ابن مظاہر ————— امام حسین کے بوڑھے ساتھی، دوست، رفیق جاں نثار، امام حسین

کی نصرت میں جنگ کی اور شہادت پائی۔

دشمن کی فوج کے بعض مشہور افراد

یزید بن معاویہ — غلیقہ وقت بننے کا دعوے دار جس کے حکم سے امام حسین کو شہید کیا گیا۔
عبید اللہ بن زیاد — کوفے کا ظالم حاکم جو ان فوجوں کا سردار تھا جو کربلا میں امام حسین سے
لڑنے آئی تھیں۔

عرو بن سعد — کربلا میں یزیدی فوجوں کا سردار و سپہ سالار
شمربن ذالموشن — امام حسین کا سفاک قاتل جس نے آپ کا سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔
حمرہ بن کاہل — اس کے سہ پہلو تیرے حسین کا بھتیجا علی امغر شہید ہوا۔
سنان ابن انس — اس کی برہمی علی اکبر کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی جس سے انھوں
نے شہادت پائی۔

ازرق شامی — شام کا مشہور بہادر پہلوان جس سے قاسم بن حسن سے جنگ کی اور قاسم
نے اس کو اور اس کے چار بیٹوں کو قتل کر دیا۔
خولی — یزیدی فوج کا ایک شقی القلب افسر جس کی تحویل میں امام حسین کا سر
دریا گیا تھا۔

خولی کی دو بیویاں — ان دونوں نے اپنے شوہر کے پاس سرِ حسین رکھ کر سنتِ احسن سنا
کیا۔ اسے لعنتِ ملامت کی۔ ایک نے جان دی دوسری جنگ کو نکل گئی۔
کربلا کے عظیم المیہ کے ان اہم کرداروں سے ذرا سا واقف ہونے کے بعد مرثیہ
کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

(۲) میر انیس

میر انیس علیہ السلام (مطابق اسلام) میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان شرافت

نجابت، بلند اخلاق اور دفعہ داری میں شہرت رکھتا تھا۔ اسی کے ساتھ علم و فن میں بھی اس گھرانے کا لوہا مانا جاتا تھا۔ ان کے پر داد امیر ضاحک اپنے شاعر تھے جو زیادہ تر اپنی مزاحیہ شاعری کی وجہ سے مشہور ہیں۔ میر انیس کے دادا میر حسن کو کون نہیں جانتا جو مشہور و باکمال شاعر تھے۔ مثنوی سحرالبیان ان کا شاہکار ہے۔ میر ضاحک دلی کی تباہی کے بعد فیض آباد میں جا کر آباد ہو گئے۔ جب نواب آصف الدولہ نے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو دارالسلطنت قرار دیا تو میر حسن نے بھی لکھنؤ آن بسایا۔ میر حسن کے بڑے بیٹے میر حسن خلیق، جو انیس کے والد تھے۔ بلند پایہ کے شاعر اور مرثیہ گو تھے۔ مرثیہ نے اعلیٰ پایہ کی شاعری کی حیثیت سے انھیں کے زمانے میں شہرت پائی۔ انھوں نے مرثیہ میں خوب خوب جہتیں پیدا کیں اور اس کے مضامین کو بڑی وسعت بخشی۔

یوں میر انیس کا آبائی وطن دلی تھا مگر پیدائش فیض آباد کی ہے جہاں پرورش پائی اور پھر پختہ عمر میں فیض آباد سے لکھنؤ آ گئے۔ ان کی زبان اور بیان پر دلی لکھنؤ دونوں شہروں کی تہذیبوں کا گہرا اثر اور چھاپ ہے۔ مولانا حالی کا یہ فرمانا :

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دلی جڑ تھی تو لکھنؤ اس کی بہار دونوں کا ہے دعوایہ کہ ہارا تھا انیس
محض شاعری نہیں سچی حقیقت بھی ہے۔

خود انیس کو اپنے درخیز پر ناز تھا۔ انھوں نے اپنے ایک مشہور مرثیہ

نکب خوان تکلم ہے فصاحت میری

میں (جو انھوں نے اپنے بیٹے کے لیے لکھا تھا مگر بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ یہ انیس ہی کا مرثیہ ہے) وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں :

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

اور اس مداحی اہل بیت "کو انھوں نے سوچ سمجھ کر اپنا یا تھا۔ یہاں میں اپنے اس عوے کی زرا سی کشریح کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے خواہیں کر بلا۔ کلام انیس کے آئینے میں "کے دیباچہ میں لکھا ہے :

”اچھے شاعر کے لیے اچھا انسان ہونا ضروری ہے یا نہیں اس بارے میں کوئی کلیہ نہیں بنایا جاسکتا کہ ادب کی تاریخ شاہد ہے کہ ایسے شاعر گذرے جو اپنے اخلاقی اصولوں پر پورے نہیں اُترتے مگر فن کی کسوٹی پر پورے اُترتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فن کار کے فن میں ایک حد تک اس کی سیرت، شخصیت، انداز فکر اور اخلاقی اقدار کا پر تو ضرور نظر آتا ہے۔ وہ کبھی غیر محسوس طور پر اور کبھی شعوری طور پر اپنے فن پاروں میں اپنی فکر، اور اپنی ذات کو سمو دیتا ہے۔۔۔ اور اس یقین کی روشنی میں جب ہم انیس کی سیرت کو پرکھتے ہیں تو وہ ہمیں بہت بلند نظر آتی ہے۔۔۔“

کوئی شک نہیں کہ انیس کو درجہ میں وہ کچھ ملا جو بہت کم خوش قسمتوں کو نصیب ہوتا تھا اعلیٰ اخلاقی، شعری صلاحیتیں، ذہن کی جودت وغیرہ۔ مگر صرف وراثت کسی کو بڑا یا بلند سیرت انسان یا بالکل شاعر نہیں بنا سکتی۔ اس میں تعلیم، تربیت، ذاتی جوہر، قدرتی صلاحیت اور محنت و کاوش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ خوش نختی سے یہ سب بھی انیس کو ملا۔ انھوں نے اپنے والد میر خلیق کی صحبت اور تربیت سے فیض پایا اور ان کے علاوہ دوسرے بلند پایہ عالموں سے کسبِ علم کیا۔ اپنی والدہ سے جو پڑمی لکھی اور اعلیٰ اخلاق و سیرت کی حامل، بڑی دیندار اور سمجھ دار بی بی تھیں، تربیت کی بے بہار دولت پائی۔ اور پھر اپنی بے مثال ذہانت کی بدولت، جس فن یا علم کو کوسیکھا، اس میں مہارت حاصل کی۔ جناب سید مسعود حسین رضوی ادیب میرا انیس کے بارے میں فرماتے ہیں ۱؎

”وہ عربی فارسی میں اچھی دست گاہ اور جو علم اس زمانے میں لانچ تھے

ان سے کافی واقفیت رکھتے تھے۔۔۔۔ اپنے زمانے کے دوسرے علوم رسمی سے

بھی واقف تھے۔۔۔۔ ان کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، زحل وغیرہ

کی اصطلاحیں بجزرت موجود ہیں۔۔۔۔۔“

آگے چل کر ان کی فارسی دانی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

انیس کو فارسی زبان میں بڑی مہارت تھی۔۔۔۔ ان کی فارسی نظم و نثر

۱؎ دیباچہ روح انیس۔

کے بعض نمونے اب تک موجود ہیں

اور پھر بقول مسعود بن رضوی کے ان میں یہ کمال تھا کہ میرانیس ایک من علم سے سو من علم کا کام لینا جانتے تھے۔ انیس کی کامیابی میں ان کے اس صفت کو بہت بڑا دخل ہے۔ انیس کے مرانی پڑھنے کے بعد یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انھیں فن حرب و ضرب سے بھی اچھی واقفیت تھی۔ رہی زبان اور اظہار خیالات تو ان پر تو ان کو جیسی قدرت تھی اس کی مثال اردو کی چھ سو سالہ تاریخ ادب میں ڈھونڈے نہیں ملے گی۔

لیکن میں کہنا یہ چاہتی تھی کہ علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں جو گہرا خلوص جذبہ اور جوش ملتا ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بلند سیرت انسان اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے حامل تھے۔ ان کے معاصرین نے اور بعد کے ناقدین نے بھی لکھا ہے کہ وہ بڑے خود دار، وضعدار، اخلاقی خوبیوں سے مزین انسان تھے۔ وہ بڑے لوگوں کے سامنے جھکتے نہ تھے اور غریبوں سے اکڑتے نہ تھے۔ کہتے ہیں :

خاکساری نے دکھائی رفعتوں پر رفعتیں

اس زمیں سے واہ کیا کیا آسمان پیدا ہوئے

ان کو ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش رہتی تھی اور اسی لیے ان کا کلام ہندرج بلند ہوتا گیا۔ ان کے ابتدائی دور کے موشے بھی اگرچہ اچھے مرثیوں میں شمار جاتے ہیں مگر آخری دور کا کلام اس بلندی کو چھو تا نظر آتا ہے جس تک کوئی اور نہ پہنچ سکا۔ ان کا فن برابر ارتقا کے منازل طے کرتا رہا۔ اور اس کا احساس خود ان کو بھی تھا۔

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو

ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

وہ ہر خاس فن کار کی طرح نازک مزاج اور زود دھن ضرورت تھے مگر یہ نازک فانی، بدنامی اور غرور اور بداخلاقی سے کوسوں دور تھی۔ وہ دوستوں کے شاگردوں کے مشفق استاد اور عزیزوں کے ہمدرد و مخلص تھے۔ قدر دانوں کے شکر گزار ہوتے اور بدذوق ناقد شناسوں سے عزیز کرتے تھے۔ خوشامد، چالوسی، فرض کے لیے جائز اور ناجائز ہر بات کر ڈالتا ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ وقار، خود داری اور وضعداری ان کی صفات کا بڑا جوہر تھی :

اب ایسے انسان کا تصور کیجیے اور اس زمانے کی عام شاعری خصوصاً غزل پر نظر
 ڈالیے جو اپنی ابتدائی خوبی اور سادگی و پُرکاری کو کر معاملہ بندی اور کٹنگنی چوٹی کی سستی شاعری
 تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ تو یہ بات صاف ہو جائے گی کہ میر انیس صیبا ذہین اور بے ش
 شعری مہمیتوں کا مالک، غزل کو چھوڑ کر مرثیہ کی طرف کیوں متوجہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ میر غلیق نے
 بیٹے کو یہ نصیحت کی تھی۔ لیکن کیا یہ صرف باپ کی نصیحت تھی؟ انیس کی دورانِ شیش مقل نے
 یہ پرکھ لیا تھا کہ غزل کی صنف ان کا میدانِ سخن نہیں بن سکتی کہ اس محدود میدان میں ان کے
 جو ہر ذہن کیلکس گئے۔ مرثیہ ہی ایک ایسی صنف سخن تھی جس میں انیس نے قصیدے کی شان
 و شکوہ، غزل کا سن و درد و اثر، مثنوی کے کمالات و خصوصیات اور مہمیس کے عجائبات
 اور ڈراما کے مکالمے سو کر اس نئے روپ میں ڈھالا اور ایک نئی صنفِ مرثیہ کو جنم دیا۔ ان کا
 فن پوری طرح کسی اور صنفِ سخن میں بکھر کر سامنے آ ہی نہیں سکتا تھا۔
 چنانچہ میر انیس نے مرثیہ گوئی کو اپنا باب یہ وہ میدان ہے جہاں تیر و غالب جیسے بزرگ
 سخن دراپنا بھرجان کر بیٹھے تھے۔ حتیٰ تو یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام جیسے مہمیس کی
 مداحی میر انیس پر ہی پہنچی ہے۔

(۳) کلامِ انیس کی چند اہم خصوصیات

میر انیس نے مرثیہ کی صنف کو معراجِ کمال پر پہنچایا۔ اس کا اعتراف ابتدا ہی سے سب تقاد
 اور صا جہاں ذوقِ کلمے دل سے کرتے آئے ہیں۔ اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ انھوں نے اردو
 شاعری کا درجہ بلند کیا اور زبان کا دامنِ معنوی اور لفظی جو اہر اس سے الما لیا ہے۔ میر انیس کی
 شاعرانہ عظمت کا مشعلی نے تعارف کرایا، حالی نے اعتراف کیا اور اُس دُور کے دوسرے متعدد
 لوگوں نے ان کے کلام کو سراہا۔ اور پھر آنے والے اس دور میں علاوہ اور لوگوں کے جنہوں نے
 انیس کے کسی نہ کسی پہلو پر لکھا ہے، جس شخص نے انیس پر سب سے زیادہ تحقیق کی اور ان کے
 کلام کی شعری اور فنی خوبیوں کو پرکھا اور دنیا کے سامنے پیش کیا وہ سید محمود حسین رضوی ادیب
 کی ذات ہے۔ آج کہ ہندوستان میں انیس کی صد سالہ یادگار منائی جا رہی ہے، بہت سے ناقد

بصر، دانش ور، شاعر، ادیب انیس پر لکھ رہے ہیں، تقریباً یہی کہتے ہیں اور ان کے فن اور شاعری کو سراہا جا رہا ہے۔ بحثیں ہو رہی ہیں کسی نے یہ مانا کہ وہ میر و غالب اور اقبال کے درجہ کا شاعر ہے۔ کسی نے کہا بعض لحاظ سے وہ اردو کا نسب سے بڑا شاعر ہے۔ مجھے یہاں انیس کا کسی اور شاعر سے مقابلہ یا موازنہ کرنا مقصود نہیں۔ ہر بڑے فنکار کا انداز جدا، میدان جدا ہوتا ہے۔ میں تو یہاں اپنی بساط بھر مرائی انیس کی چند اہم خصوصیات اور ان کے زبان اور بیان کے حسن پر کچھ اظہار خیال کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ مختلف ادیب اور نقاد انیس کے کلام کے مختلف پہلوؤں پر لکھ رہے ہیں۔ مثلاً "انیس کے منظر نامے" اور "انیس کی منظر کشی"۔ "انیس کی اخلاقی شاعری"۔ "انیس کا فلسفہ حیات" "ٹرامن اور مرائی انیس کا مقابلہ"۔ "انیس کے ہاں عورت کا تصور"۔ "انیس کے کلام میں ہندوستانی عناصر"۔ "انیس کی سیرت نگاری"۔ "انیس کے ہاں ڈرامائی عناصر" وغیرہ وغیرہ۔ لیکن انیس کے کلام کی وسعت اور گہرائی کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے ہر موضوع پر ایک ایک بسوط کتاب لکھی جاسکتی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اور پھر بھی بہت سے موضوع اچھوتے رہ جائیں گے جن پر ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور امید ہے کہ لکھا جائے گا۔

میر انیس کے مرائی کے انتخاب کے اس مختصر سے تبصرہ میں تفصیل سے لکھنے کی تو گنجائش نہیں ہے۔ ہاں اس کی بعض خصوصیات کی طرف صرف اشارے کیے جاسکتے ہیں۔ میں نے اس مقدمے میں انیس کے کلام کے بعض حصوں کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کی۔ یعنی انیس کے رزمیہ شاعری جس کے زمرے میں مجاہدوں کی جنگ، فنونِ حرب، تلوار اور گھوڑے کی تعریف وغیرہ وغیرہ آتے ہیں کہ اس موضوع پر مجھ سے کہیں بہتر وہ بے فکر لکھ سکتے ہیں جن کو ان فنون سے دلچسپی بھی ہو اور کچھ نہ کچھ واقفیت بھی۔ البتہ اتنا کہنے کی جرأت ضرور کروں گی کہ انیس کے کلام کا یہی وہ حصہ ہے جہاں آمد سے زیادہ آدرد نظر آتی ہیں۔ اس میں شعری صنایع، فنی کمالات، شاعرانہ ترتیب بازی، تشبیہوں اور استعاروں کا حد سے زیادہ استعمال، مراعاتِ لفظی کی کثرت، تخیل کی بے پناہ اڑان اور شاعرانہ مبالغے کی انتہا نظر آتی ہے گھوٹے اور تلوار کے ذکر میں زمین اور آسمان کے تلابے ملائے گئے ہیں۔ اور یہی وہ حصہ بھی ہے

جس میں اکثر اس دور کی غزل کا رنگ جھلک اٹھتا ہے۔ بعض جگہ تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر میرد کے گھوٹے یا تلواری کا ذکر نہیں کر رہا، اپنے محبوب کا سراپا، یا حسن کا تذکرہ کر رہا ہے۔ یہ محسوس ہے جو بعض مرثیوں میں نسبتاً مختصر اور بعض میں بہت طویل ہیں انیس کے فن شاعری کے کمالات کو تو ضرور ثابت کرتے ہیں مگر مرثیہ کی اہم خصوصیات یعنی درد و اثر، حقیقت نگاری، اس بے مثال سیرت کشی، جذبات کی مرقع کشی کے سادہ و پُرکار انداز بیان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے جو انیس کے کلام کی جان ہیں اور جن کی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ انیس کے مقابلے کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ دراصل یہی وہ حصے ہیں جنہوں نے انیس کو انیس بنایا۔ لیکن زمانے کا رنگ اور تقاضا بڑے سے بڑے فن کار کے فن پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے اکثر غیر شعوری اور بعض وقت شعوری طور پر بھی اپنے ماحول کے اثرات کو قبول کرتے ہی بنتا ہے۔ وہ چاہے بھی تو ان سے اپنا دامن بالکل نہیں بچا سکتا۔ یہ نہ ہوتا تو انیس کا جہاد اور جنگ کا بیان مختصر اور حقیقت سے زیادہ قریب ہوتا۔ دراصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ مرثی کے دوسرے حصے یعنی ان کے کلام کا بہت بڑا حصہ، ان اثرات سے محفوظ رہا اور اس میں انہوں نے تخیل، حقیقت، سادگی بیان اور حسن بیان کو اس خوبی سے سمجھا کہ ہر واقعہ آنکھوں دیکھا اور سچائی سے قریب محسوس ہوتا ہے۔

اس ضمن میں چند باتیں میر انیس کا طرز امتیاز ہیں۔ ایک تو ان کے کلام کا ناہنجس ہے یعنی زبان پر ان کی بے انتہا قدرت اور اس کا موقیع، برمل استعمال، بیان کے نئے نئے پر اثر اور دل پذیر اسلوب جنہوں نے ان کے مرثی میں بڑا اثر بڑا حسن پیدا کیا۔ دوسرے داخلی اور ذہنی کیفیات کی مرقع کشی جس میں جذبات اور احساسات بھی آجاتے ہیں اور اخلاقی قدروں کی بلا واسطہ تعلیم بھی۔ خاندانی رشتوں کا پاس اور آپس کے پر خلوص اور مجھ سے تعلقات بھی ملتے ہیں۔ ان میں ایثار و قربانی کے بے نظیر مظاہرے بھی ہیں اور مہر و تسلیم و رضا کے وہ نمونے بھی جو تاریخ انسانی کا قابل فخر سرمایہ کہے جاسکتے ہیں۔

انیس کے ہاں عورت کا جو تصور ہے اس میں بھی وہ منفرد ہیں۔ عورت کی سیرت اور اعلیٰ کردار کے نمونے اگرچہ انہوں نے خاندان رسالت کی محترم خواتین کے روپ میں دکھائے ہیں لیکن اس سے ان کا عورت کا عام تصور بھی اجاگر ہو جاتا ہے۔

سیرت نگاری ادب میں سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ جہاں اعتدال کا دامن ہاتھ سے

چھوٹا، پامال میں جا کرے۔ شاعری میں یہ کام اور زیادہ ٹھن ہو جاتا ہے۔ اردو میں میر انیس سے پہلے اس کا کوئی قابل ذکر نمونہ نہیں ملتا۔ بے شک انیس ہی کے دادا میر حسن نے مثنوی سحر البیان میں اس کے دو چار کامیاب تجربے کیے تھے۔ مگر کیا مقابلہ ہے ان دو چار کرداروں کا انیس کے سو سے زیادہ کرداروں کی سیرت کشی سے جو انہوں نے اپنے مراٹھ میں پیش کیے ہیں۔

انیس جس فرد کی سیرت دکھاتے ہیں اس کی شخصیت اور درجہ کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ اس کی جذباتی کشمکش، نفسیاتی کیفیت، اس کا بات چیت کا انداز، مکہ رکھاؤ، ٹھیک دیا ہی ہوتا ہے جیسا اس جیسے کردار کا ہونا چاہیے اور اس طرح ہر کردار کی انفرادیت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ وہ کردار امام حسین کا ہوا یا حضرت زینب کا، عباس کا ہوا یا علی اکبر کا، عون اور محمد کا ہوا یا شہر بانو اور زوجہ عباس کا یا صغرا، سکینہ کا ہوا ہر فرد اپنی بات چیت، احساسات اور ذہنی کیفیت سے بغیر نام کے بھی پہچانا جاسکتا ہے۔

یوں تو جیسا ابھی میں نے کہا انیس نے ہر کردار کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔ مگر بزرگ ہستیوں میں زینب اور حسینؑ جو انوں میں علی اکبر اور عباس اور نو عمروں میں عون اور محمد اور فاطمہ صغرا کی کردار نگاری میں تو قلم توڑ دیا ہے۔ خاص طور پر امام حسین اور حضرت زینب کی کردار نگاری میں جو باریکیاں، جزائرک جذبات، احساسات کی جو شدت اور گہرائی دکھائی کا اس کا جواب تو خود انیس کی شاعری میں بھی ملنا محال ہے کسی اور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

حضرت زینب کی سیرت میں روحانیت کے ساتھ ساتھ انسانی اور نسوانی جذبات کے مناسب امتزاج نے، جو بڑا نازک کام ہے، اس کردار کو بڑا دلکش اور محبوب بنا دیا ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مثال نمونے کے طور پر پیش کرتی ہوں۔ امام حسین کے منجھلے بیٹے علی اکبر کو، (یہ بات مرثیہ نگار ہمیشہ لکھتے آئے ہیں) ان کی پھوپھی نے پالا ہے۔ وہ پھوپھی کے بعد لاٹلے ہیں۔ یہاں تک کہ زینب اپنے بیٹوں کو بھی بھتیجے پر قربان کر چکی ہیں۔ علی اکبر خود بھی پھوپھی سے بہت محبت کرتے ہیں اور ان کی چاہست سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔ اس لیے جب میدان جنگ کی رخصت چاہتے تو پھوپھی کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرتے۔ حالانکہ امام حسین بیٹے سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں:

سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاہ

اور یہ بھی فرما چکے ہیں :

خیمے میں جا کے اس کو رضا مند کیجیے

مگر وہ اپنی ماں کے پاس جا کر ان سے اجازت مانگتے ہیں۔ اس کا زینب کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔ ان کی اس دقت کی حالت اور ذہنی کیفیت کی انیس نے متعدد درمیشوں میں مرقع کشی کی ہے۔ یہاں صرف ایک بند پیش کروں گی :

مگر میرے محمد کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب نام خدا جو ان ہوئے کیا ہم سے کام اب

ہیں مجوزن کے شوق میں رخصت دھیان میں

پہنچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

ایک اور جگہ مجھے شکوے کے دوران یہ بھی کہتی سنائی دیتی ہیں :

”مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم“

اس اور کی بلاغت قابلِ غور ہے۔

شبیدِ اعظم حسینؑ انیس کے ہیرو ہیں۔ بے حد محترم اور مقدس ہستی، جن کی معصومیت پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ دنیا کا سب خشک و تر خدا کے حکم سے ان کا تابع ہے مگر وہ اسلام کو تباہی سے بچانے کی خاطر اپنے ان اختیارات کو کام میں نہیں لاتے جو خدا نے انھیں بخشے ہیں اور حق کی شہادت دیتے ہوئے گلا کٹا دیتے ہیں لیکن اس مقدس و محترم ہستی کے کردار میں بھی روحانیت کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات اور احساسات اس خوبی کے ساتھ سموئے گئے ہیں کہ انیس کی سیرت کشی کے کمال کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔

حسینؑ کو اپنی چھوٹی بچی سکینہ سے بہت پیار ہے۔ روزِ عاشورا اس سے رخصت کے وقت امام کے دل میں درد و محبت کا دیریا موجزن ہے۔ بیٹی جو باپ کے سینے پر سر رکھ کر سونے کی مادی ہے آج ساری رات جاگتی اور روتی رہی ہے۔ باپ کو یاد کرتی رہی ہے۔ جب وہ شکوہ کرتی ہے تو اس کے جواب میں امام عالی مقام فرماتے ہیں :

آجھی نہیں عادت یہ، نہ رویا کرو بی بی
 پہلو میں کبھی ماں کے بھی سوا کرو بی بی
 آج کا دن قیامت کا دن ہے۔ کم سن بیٹی کو ان مصائب کے لیے تیار کرنا ہے مگر
 ان کو سمجھانے میں خود ان کے دل پر کیا گزر رہی ہے اس کا بھی ان شعروں سے اندازہ
 کیا جاسکتا ہے:-

کیا ہونے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں مجبور ہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جائیں
 تم پاؤ نہ ہم کو، نہ تمہیں ہم کہیں پائیں بی بی کہو پھر چھاتی پر کس طرح سلائیں
 جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
 برسوں جو رہیں ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی
 اور پھر باتوں باتوں میں یہ کہہ جاتے ہیں:

”راحت کے دن گزر گئے اب فصل اور ہے
 اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے“
 تو معصوم بچی کا بھولے پن سے یہ پوچھنا پڑھنے سننے والے کے دل کے پار ہو جاتا ہے:
 ”بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام“
 اس سوال سے باپ کے دل پر کیا بیت گئی اس کی زرا سی جھلک ان شعروں میں
 مل جائے گی:

آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام ”کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
 بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
 مرجائے جس کا باپ وہ بچتہ یتیم ہے“

فاطمہ صغرا امام حسین کی منجلی بیٹی ہیں۔ وہ عمر کی اس منزل میں ہیں جب بچپن اور جوانی
 ملے ملتے ہیں اور احساس ذات بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہاں یہ اس لیے امام حسین ان کو اپنے
 ساتھ سفر پر نہیں لے جا رہے ہیں۔ فاطمہ صغرا کی سیرت کشی انیس نے بڑے کمال کے ساتھ
 کی ہے۔ اس میں انسانی جذبات، شعوری اور لاشعوری طور پر اس عمر کی لڑکیوں میں اپنی
 اہمیت کا احساس اور عزیزوں کی بے پروائی کی شکایت کی نقشہ کشی بھی بڑی خوبی سے

کی گئی ہے۔ وہ کسی طرح یہ بات نہیں سمجھ پاتی کہ اسے بیماری کی وجہ سے وطن میں چھوڑا جا رہا ہے بلکہ یہ خیال دل میں بیٹھ گیا ہے کہ میری محبت نہ ماں کو ہے نہ باپ کو، نہ بہنوں بھائیوں کو میری پرواہ ہے نہ خاندان کے دوسرے لوگوں کو۔ وہ تو یہ سمجھتی ہے:

”کیا خلق میں لوگوں کوئی ہوتا نہیں بیمار“

حالانکہ وہ خود سب کی محبت میں چور ہے۔ امام حسین رخصت کے لیے بیٹی کے پاس آتے ہیں تو:

بیمار نے پانی گل زہر کی جو خوشبو آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے سچا مرے پاس آئے ہیں اماں
باپ لاکھ سمجھاتے ہیں کہ تم بیمار ہو، سفر بہت کٹھن ہے مگر لڑکی کی سمجھ میں یہ بات
نہیں آتی۔ وہ یقین دلا رہی ہے کہ میری بیماری کسی پر بار نہ ہوگی:-
”کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں اُٹ تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں“
اس کی بے قراری اور بے چارگی کا سب کو مدد اور قلق ہے مگر مجبور ہیں لیکن
وہ یہ سمجھتی ہے:

”بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا“
اور حسرت سے کہتی ہے:

”بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے، منہ نکلتی ہوں جس کا“

بے بسی اور شرمندگی میں آنکھ چراتا ”اور اس کا دوسرا مطلب اخذ کرنا کس خوبی سے دکھایا گیا ہے۔

میر انیس کے کلام کی ایک اور اہم خصوصیت (جس کی طرف ابھی بہت کم دھیان دیا گیا ہے) وہ ہے خاندانی زندگی کی مرقع کشی، اس کی دلکش جھلکیاں، رشتوں کا پاس اور

لحاظ۔ انھوں نے امام حسین کے خاندان کی زندگی کی بڑی حسین و دل نشین تصویریں ہمیشہ کی ہیں۔ جن میں رنگ کہیں قدر سے ہلکے ہیں، کہیں شوح ہیں لیکن دونوں ہی اس تعلق کو اُبھارتے ہیں جو انیس دکھا چاہتے ہیں۔ اس مرقع میں محبت، شرافت نفس، ایثار و قربانی کا جذباتِ اطاعت اور خدمت کی لگن، جاں نثاری اور وفاداری کے ساتھ ساتھ خلوص اور اپنائیت کا وہ گہرا احساس بھی ملتا ہے جو خاندانی محبت کی جان ہوتا ہے۔ جس میں گلے شکوے کا حق بھی ہوتا ہے اور آپس میں اختلاف رائے بھی ہو سکتا ہے۔ بدگمانی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور دور بھی ہو سکتی ہے۔ ایک دوسرے کا سکھ میں بھی ساتھ دیا جاتا ہے اور دکھ بھی بٹایا جاتا ہے۔ احساسِ محرومی بھی ہوتا ہے اور احساسِ فخر و ناز بھی۔ یہ جلوے تقریباً ان کے ہر مرثیہ میں نظر آ سکتے ہیں۔ کہیں ذرا سی جھلک ہے، کہیں تفصیل سے ہے۔ بعض تو پورے پورے مرثیے اسی جذبے اور احساس کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کے مرثیوں کو اس لحاظ سے پڑھا جائے تو میرے دعوے کا ثبوت آسانی سے مل جائے گا۔ یہاں میں نمونے کے طور پر حضرت عباس کی بیوی کا ذکر کروں گی۔ وہ امام حسین کے سوتیلے بھائی کی بیوی ہیں۔ مگر شوہر کی طرح سسرال کے ہر فرد پر جان داری ہے۔ خاص طور پر بڑی نند زینب اور جٹھانی شہرناو اور محترم بڑے بھائی امام حسین سے بہت عقیدت اور سیکڑ سے بہت پیار ہے۔ ان کی محبت کے مناظر بعض مرثیوں میں بڑے دل نشین اور روح پرور ہیں۔ ایک جگہ شوہر کا تذکرہ کرتے ہوئے نند اور جٹھانی سے :

کہنے لگی یہ زوجہ عباس خوش بیان ”غصے میں ان کو کچھ نہیں دہتا کسی کا دھیان
ہرات میں ہے شیر الہی کی آن بان یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان

آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسین کے صدمے میں جیتے ہیں“

عباس کو فوج کا علم تفویض ہوتا ہے۔ زوجہ عباس یہ خبر سن کر اپنے خیمہ سے آتی ہیں،
لیں سببِ مصطفیٰ کی بلائیں بچشمِ تر زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نودگر
”فیض آپ کا ہے اور تصدقِ امام کا
عزت بڑھی کینز کی، رتبہ غلام کا“

اس وقت زینب کلبہ اختیارانہ جذبہ دیکھیے :
 سر کو لٹاکے چماتی سے زینب نے یہ کہا "تو اپنی ہانگ کو کھ سے ٹھنڈی رہے سدا"
 عباس جہاد کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ بیوی کی بے قراری قدرتی بات ہے قبل
 ان کو سمجھاتے ہیں۔ اس میں محبت اور درددلی کی ایک دنیا پنہاں ہے :
 "خیر النساء کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہرہ زد و الجلال دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال"
 اور یہ کہہ کر بیوی کا حوصلہ بڑھاتے ہیں :
 "چرچا رہے کہ خلق میں کیا کام کر گئی چھوٹی بہو علی کی بڑا نام کر گئی"
 اس میں "چھوٹی" اور "بڑا" "مناسبت لفظی ہی کے لیے نہیں آیا۔" چھوٹی بہو" میں بڑی
 بلاغت پنہاں ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ تم علی کی بہو ہو۔ چھوٹی سہی مگر درجہ اور کسی سے کم نہیں۔
 مجھے قربان کر کے تمہارا نام اونچا ہوگا۔ تم زندہ جاوید ہو جاؤ گی۔

مرثیہ نگاروں کے ہاں، واقعہ کربلا کے کرداروں اور خاندان نبوت کی خواتین کو
 ہندوستانی رنگ میں پیش کرنے کی روایت بہت پرانی ہے۔ دکنی مرثیوں میں وہاں کے
 اثرات تھے۔ اودھ کے دور مرثیہ گوئی میں وہاں کی تہذیب اور رہن سہن کا اثر مرثیوں میں
 غالب نظر آتا ہے۔ مرزا دبیر کے ہاں تو یہ رنگ بہت زیادہ گاڑھا ہو گیا ہے۔

میر انیس نے بھی اس روایت کو اپنایا۔ خاندان رسالت کے مرد مجاہدوں میں
 ہندوستانی عناصر کم ہیں مگر حسینؑ کے گھرانے کی خواتین میں ہندوستانی تہذیب کا رنگ
 زیادہ گہرا اور نکھرا ہوا ملتا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ان کا قلم بھی شدت پسندی کی طرف مائل
 ہو گیا ہے مگر ایسا کم ہوا ہے اور عام طور پر انھوں نے اپنے کرداروں میں ہندوستانییت پیدا
 کر کے انھیں سننے، پڑھنے والوں کے دل سے زیادہ قریب کر دیا ہے۔ یاد رکھنے کی یہ بات
 بھی ہے کہ انیس شاعر ہیں مورخ نہیں۔ انھوں نے واقعہ کربلا کی تاریخ بیان نہیں کی، بلکہ
 بنیادی واقعات کو لے کر تخیل کی آنکھ سے ان مناظر کو شاعر نے دیکھا اور اپنے باکمال قلم سے

سے حضرت فاطمہ زہرا

اس کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی کہ وہ حقیقت کے رنگ میں ڈوبی محسوس ہونے لگی۔ اس سے تیرہ صدیوں کا بھد مٹ جاتا ہے۔ کربلا کے سوا سو ڈیڑھ سو کرداروں کی زندگی کی عموماً اور پندہ بیس کی خصوصاً جو مرتع کشی انیس نے کی ہے اس کا جواب نہ مرثیہ کی تاریخ میں مل سکتا ہے نہ خود اردو ادب کی تاریخ میں۔ ان کے کردار ہمارے دل کے تاروں کو چھوتے اور دماغ پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ ان میں مقامی رنگ انیس نے محض روایت کی خاطر یا زمانے کے اثرات کی وجہ سے پیدا نہیں کیا بلکہ یہ زمر شناس شاعر خوب سمجھتا تھا کہ بعض ایسی آفاقی ہستیاں ہوتی ہیں جو کسی علاقے سے مخصوص نہیں ہو سکتی ہیں۔ وہ سب کی ہوتی ہیں۔ اور امام حسین ان میں سے ایک ہیں۔ جن کا پیام عالمگیر، جن کی محبوبیت ہمہ گیر ہے۔ اور جن کا عظیم المیہ سب کے دلوں پر اثر کرتا ہے۔ اور لوگ جب ان کو اپنی تہذیبی زندگی میں رنگا ہوا پاتے ہیں تو اس کا اثر بہت زیادہ دیر پا ہوتا ہے۔

طوالت کے خیال سے یہاں اس کی مثالیں پیش نہیں کی جا سکتیں۔ صاحبان ذوق ان مشعوں کو پڑھ کر خود ہی پرکھ جائیں گے۔ البتہ یہاں ایک بند دیے بغیر نہیں رہا جاتا جہاں حضرت زینب کے کربا میں عماری سے اترنے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ دیکھیے عرب کی امام زادی، اونٹ پر سے اتر رہی ہیں مگر گرد و پیش کی جو فضا ہے وہ خالص ہندوستانی

ہے؟
خازنہ زینب جو قریں ڈیوڑھی کے پہنچا
کر سی سے اٹھے آپ شہر بزرگ و بطن
گرد آ کے کیا تاسم و عباس نے پروا
محل سے اترنے جو لگی دخت زہرا

اک ہاتھ علی اکبر ذی جامنہ تھا
اک ہاتھ جگر بندہ اللہ نے تھا

انیس کی ایک نمایاں خصوصیت، جیسا ہم نے پہلے بھی کہا ہے، جو انہیں اپنے پیشرو اور ہم عصر شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ عورت کی سیرت کا وہ بلند تصور ہے جو ان کے کلام میں جاری و ساری ہے۔ ان کے دل میں عورت کا بہت احترام ہے اور وہ اس کی شخصیت بہت بلند تصور کرتے ہیں۔ میں نے اپنی کتاب میں انیس کے کلام سے متعدد مثالیں اور

سے غواہیں کر لی۔ کلام انیس کے آئینے میں

دلیل دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ عورت کو محبت کی دیوبی، حیاتی کان، ایمان کی جان، شرافت کی تصویر، قربانی اور ایثار کی مورتی، مبرورہ داشت کی پیکر، دین وادہ حق پرست، حوصلہ مند، بہادر، ہنر، اور وقت پڑنے پر بڑے سے بڑے پہاڑ سے ٹکر لینے والی ہستی سمجھتے ہیں۔ اور یہ صفات صرف خاندان رسالت کی خواتین ہی کا طرہ امتیاز نہیں بلکہ واقعہ کریم میں جن عام عورتوں کا ذکر آتا ہے ان میں یہاں تک کہ دشمن کی عورتوں تک میں، کسی نہ کسی حد تک یہ صفات موجود ہیں۔ ان کے سب مرثیوں کو پڑھ جائیے، ایک عورت بھی ایسی نہیں ملے گی جس نے ظلم کیا ہو یا ظلم کا ساتھ دیا ہو۔ اس کے برعکس وہ ان واقعات کو اُجھار کر دکھاتے ہیں جب مرد و زندے بن گئے تھے تو عورتوں ہی نے انسانیت کو باقی رکھا اور اہل بیت رسول کی حمایت کی۔ بعض وقت حسینؑ کی حمایت اور محبت میں جاں تک قربان کر دی۔ وہ اپنے مومنوں سے خوف زدہ نہیں ہوئیں بلکہ ان سے ٹکر لی۔ اس سلسلے میں مثالیں دینے کی کج عادت نہیں۔ لیکن انیس کے کلام کو اگر زرا توجہ اور غور سے پڑھا جائے تو یہ مثالیں ان کے ہر مرثیہ میں بکھری ملیں گی۔

ایک اور لحاظ سے بھی انیس کا کلام بہت اہم ہے۔ یعنی اس میں تہذیبی اور اخلاقی قدروں کی تعلیم بڑی خوبی کے ساتھ دی گئی ہے۔ یہ کہیں کہیں بلا واسطہ ہے لیکن زیادہ تر بالواسطہ، مرثیہ کے کرداروں کے ذریعہ پیش کی گئی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں عام طور پر یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ مرثیہ صرف رونے رلانے کے لیے ہوتے ہیں۔ یوں تو ابتدائی زمانے کے مرثیوں تک میں بھی شہیدانِ کربلا کی زندگی کے واقعات بیان کیے جاتے تھے اور ان مثالی کرداروں اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی حامل ہستیوں سے دنیا کو متعارف کرایا جاتا تھا۔ بچائے خود اخلاقی تربیت کا ایک ذریعہ کہا جاسکتا تھا۔ پھر جب مرثیہ باقاعدہ ادب کی ایک صنف بن گیا تو اس کے ذریعہ اخلاقی تعلیم کی تبلیغ اور زیادہ ابھر کر سامنے آنے لگی ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے۔ مرادارانِ حسین کو مڑلانے کے لیے انیس جیسے قادر الکلام اور پلمہ پایہ شاعر کو ڈیڑھ سو دو سو بلکہ ڈھائی سو ہند تک مرثیہ کہنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ ان کے لیے تو صرف "ہائے حسین" یا "ہائے شہیدِ کربلا" یا "مظلوم امامِ گمہ مرثا بھی کافی ہو سکتا۔"

مرثیے کی صنف سخن کو اتنی وسعت دینے اور اس میں اتنا تنوع پیدا کرنے، رنگا رنگ مضامین نظم کرنے میں یہ علم بھی پوشیدہ تھی کہ ان بلند پایہ ہستیوں کی شخصیت اور کارناموں کے ذریعہ لوگوں کو بلند اخلاق اور اعلیٰ قدروں کی تعلیم دی جائے۔ اور میر انیس کے ہاں تو خاص طور پر اس کا اہتمام ملتا ہے۔ کبھی مرثیہ کے چہرے ہیں کبھی رباعیوں اور سلاموں میں، بعض جگہ بینیہ مضامین میں بلا واسطہ اخلاقی قدروں کا بڑے موثر اور دل نشین انداز میں تذکرہ ہوتا ہے۔ پھر کربلا کے المیہ کے سارے کرداروں کی پوری زندگیاں اور سیرت ان اخلاقی قدروں کی حامل ہیں۔ اور ان کے کارنامے لوگوں کے لیے درس ہدایت بن سکتے ہیں۔ اور کیا نہیں ہے ان میں۔ حق کا پالن کیسے کیا جاتا ہے؟ خدا پرستی اور دین کی سلامتی کے لیے کیسے خندہ پیشانی سے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بہایا جاسکتا ہے؟ وفا اور جاں نثاری کس کو کہتے ہیں؟ دیانت، شرافت، خدمت، محبت، ایثار، قربانی کے جذبہ کیا ہیں؟ صبر کے معنی کیا ہوتے ہیں اور راہِ رضا میں سر تسلیم کیسے خم کیا جاتا ہے؟ کربلا کے شہیدوں اور اہل بیت حسینؑ کے سب کردار، ان صفات کا جامع نمونہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ وہ فرشتے نہیں مگر فرشتہ سے بڑھ کر انسان ہیں۔ انیس کے کلام کا اگر گہری نظر اور بے تعصبی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقائق صاف نظر آجاتے ہیں۔

بلا واسطہ اخلاقی تعلیم کے دو چار نمونے ان کی رباعیوں اور سلاموں میں سے ملاحظہ کیجیے

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آجینوں کو

دنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں۔ آج کچھ ہے کل کچھ ہے۔ یہ حقیقت جانتے سب ہیں مگر اس کا پورا احساس کوئی کوئی ہی کر پاتا ہے۔ لہذا دیکھیے انیس نے کس طرح اس بدیہی حقیقت کو بیان کیا ہے :

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس عروج مہر بھی دیکھا تو دو پہر دیکھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلوں طمع و غروب سو کواوند تھا، شب کو آفتاب نہ تھا

انسان کی زندگی پانی کے بلبل سے بھی زیادہ ناپائیدار ہے :

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں ہوا کاجب کوئی جھوٹا چلا جاب و تھا
قناعت و استغنا :

کنج محنت میں مثال آیا ہوں گوشہ گیر رزق پہنچا ہا ہے گھر بیٹے خدا میرے لیے
خاکساری :

خاکساری نے دکھائیں رفتوں پر رفتیں اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے
دل کا شیشہ مد سے زیادہ نازک ہوتا ہے لہذا انسان کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس
خیال کو کس نزاکت اور خوبی سے پیش کیا ہے :-

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر کہ ٹوٹنے میں یہ بیٹھے صدا نہیں رکھتے
ہر انسان کو مرنا ہے اس لیے نیک اعمال کا ذخیرہ پہلے سے جمع کر لینا ضروری ہے !
گر لاکھ برس بیچے تو پھر مرنا ہے پیمانہ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں تو شہر آخرت مہیتا کر لے فاضل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

اور :

کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لمحہ تلک پھر آئے احباب ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے
ایسے سینکڑوں موتی ان کے کلام میں بھرے پڑے ہیں۔

امام حسین کو انیس نے بھائی یا بیٹے یا بھتیجے کی شہادت پر عالم بے قراری میں نالہ و
مین کرتے دکھایا ہے۔ اس پر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اتنی عظیم شخصیت کے منہ سے یہ باتیں
زیب نہیں دیتیں۔ یا بعض لوگ کہتے ہیں کہ نالہ و زاری کرنے والے کے مہر کا کیا سوال ہے؟
لیکن ایسے اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں، یا سمجھ نہیں پاتے کہ انیس یہ دکھانا چاہتے
ہیں کہ ساری روحانی بندری کے باوجود امام عالی مقام کے دل میں بھی وہ سارے انسانی جذبات
موجود تھے جو ہر انسان کو قدرت نے دویت کیے ہیں اور درد و غم سے متاثر ہونا انسانیت
کی شرط ہے، تو ہم نہیں نہیں۔ پھر ان مقامات پر تو لوگوں کی نظر بہت کم پڑتی ہے جب خود
امام حسین اپنے ساتھیوں یا بیوی یا بیٹی یا بہن اور کسی کسی خود اپنے آپ کو راضی برضا
رہنے اور مہر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے مقام انیس کے کلام میں سینکڑوں سے

کم نہیں۔ صرف ایک مہر کے دو تین بندھنوں کے طور پر پیش کرتی ہوں جب اپنے
کڑیل جوان بیٹے علی اکبر کی شہادت کے بعد باپ کا دل درد سے تڑپ رہا ہے۔ وہ
اسے صبر کی، راضی برضار ہنسنے کی تلقین کر رہے ہیں :

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو کہتا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
سر کھینچا ہے نالوں نے کہ گردوں کو با دو شہر کہتے ہیں "یاد اب علی اکبر کی بھلا دو

منتار کا جو حکم ہو کچھ جبر نہیں ہے

اس زخم کا مرہم کوئی جبر مہر نہیں ہے

جواہلِ محبت ہیں بلائی کے لیے ہے صابر جو ہیں، یہ دردِ دوا ان کے لیے ہے

مظلوم جو ہیں لطفِ خدا ان کے لیے ہے ہر رنج میں اک تازہ مزا ان کے لیے ہے

سو دکھ ہوں تو ہوں، محو میں الفت میں اسی کی

روتے ہیں تو روتے ہیں محبت میں اسی کی

روئے جو مصیبت میں تو کیا ہوتا ہے اے دل ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے اے دل

ہر درد کا الفت میں مزا ہوتا ہے اے دل صابرے رضا مند خدا ہوتا ہے اے دل

مطلب ترے یہ مرحلے طے کر کے ملیں گے

بیچتے ہیں تو فرزند سے ابھر کے ملیں گے

داخل ہوئی خیلِ شہدائیں مری اولاد جو نیک کمائی ہے وہ ہوتی نہیں برباد

سب اس پہ فدا ہیں علی اکبر ہوں کہ بجا دو بندہ وہ ہے، صاحب کی جو بھولے دیکھی یاد

طاعت تو ہے دشواں طاعت تو نہ جائے

یشا تو گیا صبر کی دولت تو نہ جائے

انیس کے کلام کی خصوصیات میں ان کی منظر کشی کا ذکر آتا ہے۔ حقیقت بھی ہے

کہ منظر کشی ان کا بڑا محبوب موضوع ہے۔ یہ محض مناظرِ فطرت تک محدود نہیں۔ وہ رزم

کی منظر کشی بھی کرتے ہیں اور رزم کی بھی کسی شہید کی وفات کے وقت کا منظر کھینچتے

ہیں تو دل کو تڑپا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک بند کی بیت کا یہ شعر ملاحظہ ہو :

دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تازہ جوان تھے
بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشان تھے

مجاہدوں کی جنگ پر جانے کے وقت کی منظر کشی تو انھوں نے ہر مہر میں کی ہے اور اس تفصیل، خوبی اور حقیقت سے کام لیا ہے کہ اس پر ایک ضخیم کتاب تصنیف ہو سکتی ہے خاندان رسالت کی بیویوں کے اوتھوں پر سوار ہونے کا منظر ہوا سواری سے اترنے کا، غرض کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کا وہ ہو بہو نقشہ نہ کھینچ دیتے ہوں۔

جہاں تک فطرت کی منظر نگاری کا تعلق ہے مہر میں کامیادان اس کے لیے بڑا ناما سازگار ہے عرب یا عراق کے صحرا اور خبر بہاڑیاں کہیں کہیں زراعت خلیفستان کوئی چھوٹی موٹی ندی اور بس۔ لیکن انیس کا کمال یہ ہے کہ اس محدود میدان میں انھوں نے منظر کشی کے وہ حسین و دلکش اور بے مثال نمونے پیش کیے جن کے مقابلے کے منظر اردو شاعری میں دوسرے نہ مل سکیں گے۔ انھوں نے اپنے متعدد مہر میں صبح عاشور، شب عاشور وغیرہ کی منظر کشی کی ہے اور ہر جگہ اپنے کمال کا لوہا منوا لیا ہے۔ ان کے سب سے بڑے شاہکار مہر میں "جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے" میں تو یہ منظر کشی اپنے پورے مروج پر نظر آتی ہے۔ کوئی تیس چالیس بند انھوں نے اسی پر لکھے ہیں۔ مام طور پر اسی کے اقتباسات انیس کی منظر کشی کے نمونے کے طور پر پیش کیے جاتے رہتے ہیں۔ میں یہاں ان کے ایک دوسرے مہر میں "ہمو لاشفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح" کے دو تین بند پیش کرتی ہوں اس دھوے کے ساتھ کہ انیس کے کلام میں اس قسم کے نمونہ جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ مگر بلا میں صبح عاشور کا طالع دیکھیے :

چلتا وہ باد صبح کے مجھوں کا دم بدم مرقان باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آجے تاب نہر وہ موجوں کا بیچ و خم سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبز ہوا ہوا
تھامو تھیں سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ نور صبح اور وہ صحرا وہ سبز ہزار تھے طاغروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلتا نسیم صبح کا وہ کہے بار بار کو کو وہ قبریوں کی وہ طاغوس کی پکار

دانتے دہ پکے باغ بہشتِ نعیم کے
 ہر سوراں تھے دشت میں جو کئے نعیم کے
 وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لا جورد
 مغل سی وہ گیہا وہ گل بسز و سرخ و زرد
 رکتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہولے سرد
 یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد
 دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
 سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کھار کا
 ایک اور مرثیہ کا یہ بند ملاحظہ ہو :

ٹھنڈی ہوا میں سبزہ صحرائی وہ لہک
 شرمائے جس سے اطلالِ نگارِ فلک
 وہ مجھوینا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
 ہر برگ گل پہ قطرہ شبنم وہ جھلک
 میرے نخل تھے گو ہر بختا نثار تھے
 پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے
 شاہدہ کی یہ باریجی، یہ حسنِ نظر، اندازِ بیان میں حقیقت و تخیل کا یہ امتزاج انیس
 ویں کا حصہ ہے۔

میر انیس کے کلام پر جتنی گہری نظر ڈالیے یہ حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے کہ جہاں
 ان کی شاعری میں وہ صلاحیت تھی جس کے لیے جزویست از پیغمبری کہا گیا ہے اور جس
 صلاحیت سے انھوں نے بھرپور کام لیا، وہاں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس فطری
 صلاحیت کو جلا ملی اس اکتسابی کاوش سے جو انھوں نے زبان سیکھنے کے سلسلے میں کی ہوگی
 اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اردو ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ اس کی لطافت، سلاست
 انھوں نے ماں کے دودھ کے ساتھ ہی پٹی تھی۔ اس میں انھوں نے لوریاں اور کہانیاں سنیں
 اس طرح بچپن ہی سے اس کی کہاوتیں، محاورے، روزمرہ نے کانوں میں رس گھول لیا لیکن
 کوئی نکار کتنا ہی بڑا کیوں دہوں جب تک وہ اپنی زبان کا انداز کھنگال نہ ڈالے اور پوری محنت
 سے اسے دیکھے زبان اسے نہیں آ سکتی۔ ابھی زبان بول لینا اور بات ہے اور زبان پر اتنی قدرت
 ہونا کہ خوبصورت باعنی، زبان میں اظہارِ خیالات بھی کیا جاسکے بالکل دوسری بات ہے۔ کسی شاعر
 (یا ادیب) کے کلام میں معنویت، حسن، دلکشی اور گہرائی صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب

اسے اپنی زبان پر پورا عبور حاصل ہو اور صرف اپنی ہی زبان پر نہیں ان معاون زبانوں سے بھی جن کے الفاظ بجز مادری زبان میں مستعمل ہیں، اسے واقفیت ہو۔ انیس کا کلام پڑھنے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھیں زبان اور بیان دونوں پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ بقول سید مسعود حسین رضوی ادیب :

جو نازک سے نازک خیال دل میں پیدا ہو اور لطیف سے لطیف کیفیت
طبیعت پر طاری ہو، اسے لفظوں میں بیان کر دیں۔ وہ جیسا خیال ظاہر کرنا
چاہتے ہیں اس کی مناسبت سے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو اپنی
آواز، اپنے ربط باہمی اور اپنے متعلقات معنوی سے اس خیال کی کامل
ترجمانی کرتے ہیں۔ اختصار اور طول پر بھی ان کو پورا اختیار ہے۔ ان
کے پاس لفظوں کا اتنا بڑا خزانہ موجود ہے جس سے زائد شاید ہی کسی اور
شاعر کو نصیب ہوا ہو۔ . . . (دیباچہ روح انیس)

یہ ہم پہلے کہیں لکھ چکے ہیں کہ مسعود صاحب ہی کا فرمانا ہے کہ انھیں اردو کے علاوہ
فارسی اور عربی زبان سے بھی بہت اچھی واقفیت تھی۔

انیس کے پاس محاوروں، کہاوتوں، تشبیہوں، استعاروں، کنایوں اور بے تکلف
بولے جانے والے الفاظ کا بے کراں خزانہ تھا۔ ان کا کلام پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ
لاکھوں جواہر اسے اس کلام کے جوہری کے سامنے بکھرے پڑے ہیں۔ جس وقت جس کی ضرورت
ہوتی ہے وہ اسے اسٹاک کر میج جگہ پر بٹھا دیتا ہے۔ ایسا کہ جیسے انگوٹھی پر میرا جڑ دیا گیا ہو۔

خیال اور لفظ کا حسین امتزاج بھی انیس کے کمال شاعری کا ایک بڑا اہم جزو ہے۔
وہ نازک سے نازک اور مشکل سے مشکل مقام کی تصویر کشی اس خوبی اور چابک دستی سے کرتے
ہیں کہ پڑھنے والے کے سامنے منظر کھنچ جاتا ہے۔ جنگ کی نقشہ کشی کرتے ہیں تو اس کا
پورا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔ تاثر اور درد کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو دلوں کو تڑپا دیتے
ہیں اور آنکھیں برسنے لگتی ہیں۔ جذبات کشی کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ شاعر کے
کرداروں کے نہیں خود ہمارے اپنے جذبات بیان کیے جا رہے ہیں۔ مگر بلوز نگیناں کی
جھلکیاں دکھاتے ہیں، آپس کے تعلقات پیش کرتے ہیں، غرض جہاں جہاں بزم آرائیاں ہیں

وہاں ذہن اور دل سمجھ جاتے ہیں۔ ایک واقعہ کو لے کر انھوں نے اپنے مرثیوں میں سینکڑوں ہندوؤں میں بیان کیا ہے مگر اس کمال سے کہ واقعہ کا بنیادی عنصر اور اس کی روح جوں کی توں رہی۔ جزویات میں البتہ فرق ہوتا ہے۔ مثلاً امام حسین کے منجھلے بیٹے علی اکبر کی ماں باپ اور بھوپتی سے رخصت اور شہادت کے بعد کے بیان کو انھوں نے متعدد مرثیوں میں دکھایا ہے اور ہر مرثیہ ایک الگ انداز اور سخن رکھتا ہے۔ ماں کے جذبات اور احساسات اس رشتے اور اس کی فطرت کے مطابق ہیں تو باپ کے احساسات اور بیٹے سے عشق کی حد تک محبت، ان کے درجہ، مقام اور رشتے سے عین مطابقت رکھتے ہیں اور چاہنے والی بھوپتی کی محبت، بچے اور شکوے، پالنے کا حق جتانے اور اظہارِ الفت کا انداز بالکل دوسرا، بے حد پڑاثر اور منفرد ہے اور لطف یہ کہ کہیں ان کی بلند سیرت اور مقام سے ان کو گرنے نہیں دیتا۔ خود علی اکبر کے جذبات اور احساسات جب بیان کئے جاتے ہیں تو ایک نوجوان بہادر، مجاہدِ جاں باز کا جذبہ شوقِ جان شہری و شہادتِ جاہاگر ہرگز سامنے آتا ہے۔

واقعہ نگاری نظم میں ہو یا نثر میں، افسانہ میں ہو یا ناول میں، بہت مشکل مقام ہے۔ انیس کے مرثیے یوں تو سب کے سب کسی واقعہ کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ لیکن جب یہ سوچا جائے کہ کربلا کے عظیم المیہ کو جو چند گھنٹے کے اندر وقوع پذیر ہوا تھا، انیس نے کس کس طرح دکھایا ہے، اس میں کیسی کیسی باریکیاں، موٹگائیاں کی ہیں اور اس کے باوجود واقعہ نگاری کی کسوٹی پر ان کا کلام پورا اُترتا ہے، تو ہمیں انیس کے کمال کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ وہ واقعہ کو کبھی اختصار سے پیش کرتے ہیں اور کبھی بڑی تفصیل سے مگر ہر جگہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے حقیقت اور تخیل کو بڑے متوازن انداز میں سمویا ہے ان کے ہاں احساس کی شدت بھی ہے اور جذبات پر گہری نظر بھی۔ وہ انسانی فطرت اور انسانی جذبات کا پورا اور اک بھی رکھتا ہے۔ ایسا کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس کے سوا کچھ اور کہا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ کسی فنکار کے کردار اور میر و ہمیں اپنے دل سے اتنے قریب معلوم ہونے لگیں کہ من و تو کا فرق مٹ جائے تو سمجھ لیجیے کہ وہ بہت کامیاب، بہت بڑا فنکار ہے۔

یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ میر انیس نے بھی بینہ مضامین دوسرے مرثیہ نگاروں کی طرح بہت کچھ میں۔ لیکن دوسرے موضوعات کے مقابلے میں انھوں نے یہاں اکثر اختصار سے کام لیا ہے۔ کسی

مرثیہ میں دس بارہ بند ہوتے ہیں کسی میں پندرہ یا بیس یا زیادہ سے زیادہ نہیں ہتھتیس۔ ان میں بھی بہت سخت بیان (جیسا عام طور پر دوسرے مرثیہ گوئیوں کے ہاں ملتا ہے) نہیں ہوتا۔ البتہ مرنے والے کی صفات، بے نی کرنے والے سے اس کا رشتہ، اس کے ارمانوں، آرزوؤں کا تذکرہ اور محبت کی شدت کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ پہلی جلد کے ان اٹھارہ مرثیوں کے مجموعی بند چھتیس سو باسٹھ ہیں۔ ان میں سے پیندہ بند صرف چار سو پچاس ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا میرا نہیں کا کلام بھی خامیوں اور کمزوریوں سے پاک نہیں۔ کون ایسا فنکار ہے جس کے ہاں کچھ نہ کچھ کمزوریاں یا خامیاں نہ ہوں۔ لیکن یہ معمولی معمولی کمزوریاں اس حسن و کمال کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جس سے میرا نہیں کا کلام بالامال ہے اس کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں وہ کمالات، وہ متاعیاں، حسن بیان، حسن ادا، حسن نظر ملتا ہے جس کا مقابلہ اردو کا کوئی شاعر نہیں کر سکتا ہے۔

انیس نے جو یہ کہا ہے :

نظم ہے یا گو ہر شہوار کی لڑیاں انیس جو ہری بھی اس طرح موتی پر دسکتا نہیں
یہ ایک بدیہی حقیقت ہے اور یہ شعر تو ہزار بار دہرایا جائے۔ مگر اس کی صداقت اور دل کشی میں کبھی فرق نہیں آسکتا،

کسی نے تری طرح سے اے انیس

عروس سخن کو سنوارا نہیں

مجھے یقین ہے کہ انیس کے مرثیہ کا یہ انتخاب جو صاحبان ذوق کے سامنے پیش کر رہی

ہوں قبولیت کا وہ مقام حاصل کرے گا جس کا وہ حقیقت میں مستحق ہے اس کو غور سے مطالعہ کر لی
انیس کی اہلی عظمت اور اردو شاعری میں اس کے صحیح مقام کو سمجھا جاسکتا ہے۔

صالحہ مجاہدین

۲۸ جون ۱۹۷۷ء

حیدرآباد

مرثیہ (۱)

یا رب چمن نظم کو گلزارِ ارام کر ۱ اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر!
تو فیض کا مبداء ہے توجہ کوئی دم کر گمنام کو اعجازِ بیانیوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سے نہ جائے
اتیلیم سخن میرے قلم زد سے نہ جائے

اس باغ میں چٹے ہیں ترے فیض کے جاری ۲ بلبِل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر غنسل برومند ہے یا حضرت باری پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبعِ بیکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بُو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی ۳ ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ مرشس پہ خالی
ایک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو مالی عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں درِ ہیبتِ عطا ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنیں رشتہ ہے نئی

بھردے دُرمقصود سے اس دُرجِ دہاں کو ۴ دریائے معانی سے بڑھاطبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ نے سن بیاں کو
حمیں کا سہوت سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوشِ بے کاںِ ملاحظت وہ نمک ہو

تعریف میں چٹے کو سمندر سے ملا دوں ۵ قطرے کو جو دوں آبِ لوگوں ہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں خادوں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں
گلدستہ یعنی کوئے ڈھنگ سے باز دوں
اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باز دوں

مگر بزم کی جانب ہو توجہ دم تحریر ۶ کچنہ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر
دیکھئے نہ کبھی محبت انجس فلک پیر ہو جائے بوا بزم سلیمان کی بھی توفیر

یوں تحفہ حسینان معانی اتر آئے

ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساتی کے کرم سے ہودہ دور اور چلیں جام ۷ جس میں عوض نشہ ہو کیفیت انجام
ہر مست فراموش کرے گردش ایام صوفی کی زباں میں نہ رہے فیض سے ناکام

ہاں بادہ کشو پوچھ لو مینا نہ نشیں سے

کو شر کی یہ موج آگئی بے غلہ بریں سے

آؤں طرف رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم ۸ خیر کی خبر لائے مری طبع اولوا العزم
قطع سیرا خدا کا ارادہ ہو جو بالجہنم دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکہ رزم

جل جائیں عدد آگ بڑھکتی نظر آئے

تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہوں صفا صفت لشکر جبار ۹ الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطہ ہوں جو ذوالیس توالف خنجر خونخوار مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے آگ بار

غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا

مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکن ماہی ۱۰ عالم کو دکھاوے برش سیف اہلی
جرات کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی لاریب ترے نام پہ ہے سکسٹا ہی

ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا

تو مالک و مختار ہے اس طبیب و علم کا

تائید کا ہنگام ہے یا حیدر صفر ۱۱ امداد ترا کام ہے یا حیدر صفر
تو صاحب اکرام ہے یا حیدر صفر تیرا بھی کرم عام ہے یا حیدر صفر

تنہا ترے اقبال سے شمشیر کف ہوں

سب ایک طرف جمع ہوں میں ایک طرف ہوں

ناقد ری عالم کی شکایت نہیں مولا ۱۲ کچھ دفتر باطل کی حقیقت نہیں مولا
 باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہیں ہے

اس جہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

نیک و بد عالم کا تامل نہیں کرتے ۱۳ عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
 خادوں کے لیے رخ طرف گل نہیں کرتے تعریف خوش الحانی بلبل نہیں کرتے

خاموش ہیں، گو شیشہ دل چور ہوئے ہیں

اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خدشہ کو ۱۴ دُر کو تو گھسٹاتے ہیں، بڑھاتے ہیں مدد کو
 اندھیرے ہے چاند بتاتے ہیں کلفٹ کو کھودیتے ہیں شیشے کے لیے درِ نجف کو

ضائع ہیں دُر و لعل بدخشاں و عدن کے

مٹی میں ملائے ہیں جواہر کو سخن کے

ہے وصل و گھر سے یہ دہن کاں جواہر ۱۵ ہنگام سخن کھلتی ہے، دکان جواہر
 میں بند مرصع تو، ورق خواں جواہر دیکھے لے، ہاں ہے کوئی خواہاں جواہر

بینائے رقومات ہنر چاہیے اس کو

سودا ہے جواہر کا، نظر چاہیے اس کو

کیا ہو گئے وہ جو ہریان سخن اک بار ۱۶ ہر وقت جو اس جنس کے بہتے تھے طلب گار
 اب ہے کوئی طالبِ شناسا نہ خریدار ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار

کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے

جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

خواہاں نہیں یا قوتِ سخن کا کوئی، گو آج ۱۷ ہے آپ کی سرکار تو، یا صاحبِ معراج
 اے بائیکاٹ لہجہ جہاں، خلق کے سرتاج ہو جائے گامِ بھر میں غنی بندہ محتاج

امید اسی گھر کی، وسیلہ اسی گھر کا

دولت بھی میری، یہی تو شر ہے سفر کا

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہر شاہاں ۱۸ حسان و فرزدی ہیں یہاں ماجزو حیراں
شرمت و زلمے سے گئے مائل و سجاں قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں

کیا مدح کف خاک سے ہو نور خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

لا یعلم ولا علم کی کیا سحر بیانی ۱۹ حضرت پہ ہویدا ہے، مری ہیج مدانی
نہ ذہن میں جودت، نہ طبیعت میں روانی گویا ہوں، فقط ہے یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طلاق سے تو کیا ہے

وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مداح خدا ہے

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے ۲۰ خود سر بہ گریاں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
اک قطرہ ناچیز کو دریا کیا میں نے تقصیر محسوس کیجیے بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی قسلی نہ روا تھی

مولا یہ کلیجے کے پھپھو لوں کی دوا تھی

جرم ہوں، کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے ۲۱ بھولے سے بھی آپ اپنی شنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدح اُمر کی نہیں میں نے تقلیدِ کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ اسامِ ازلی کی
ساری یہ قسلی ہے حمایت سے ملی کی

ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر ۲۲ دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانی مشہیر
منظور ہے اک باب میں دو فصل کی تحریر مولا کی مدد کا متمنی ہے یہ دل گیر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو

اک بزم ہو شادی کی تو اک محبتِ غم ہو

شعباں کی ہے تاریخ سو کم روز ولادت ۲۳ اور ہے دہم ماہِ عزایوم شہادت
دونوں میں بہر حال ہے تحصیلِ مساوت وہ بھی عسلِ خیر ہے یہ بھی ہے عبادت

مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے

کوثر ہے صلا اس کا بہشت اس کا صلا ہے

مقبول ہوئی عرض، گنہ عفو ہوئے سب ۲۴ امید برآئی، مرا حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضال محمد کرم رب ہوتے ہیں علم فوج مضامین کے نشان اب
پشتی پہ ہیں سب رکن رکن دین متین کے
ڈنکے سے بلا دیتا ہوں طبقوں کو زمین کے

نازاں ہوں عنایت پر شہنشاہِ زمیں کی ۲۵ بخش ہے رضا جائزہ فوج سخن کی
چہرے کی بجالی سے قبا چخت ہے تن کی لو برطرہ فی پڑ گئی مضمون کہن کی
اک فرد پرانی نہیں دفتریں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے

ہاں اے فلک پر نئے سرے جواں ہو ۲۶ اے ماہ شب چار دم نور شاں ہو
اے ظلمتِ خم دیدہ عالم سے نہاں ہو اے روشنی صبح شب عید عیاں ہو
شادی ہے دلاوت کی ید اللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

۱ شمس و قمر اور قمر ہوتا ہے پیدا ۲۷ نخل چمن دین کا ثمر ہوتا ہے پیدا
مخدوم عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا جو عرش کی نوب ہے وہ گھر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
نو نور خدا ہوں گے عیاں نوب سے جس کے

۱ اے کعبہ ایمان تری حرمت کے دن آئے ۲۸ اے رکن یمانی تری شکر کے دن آئے
۱ اے بیت مقدس تری عزت کے دن آئے اے چشمہ زمزم تری چاہت کے دن آئے
اے سنگِ صرم جلوہ منائی ہوئی تجھ میں
اے کوہِ صفا اور صفا ہوئی تجھ میں

۱ اے یثرب و بطن تری والی کی ہے آمد ۲۹ اے ربہ اعلیٰ شہ عالی کی ہے آمد
عالم کی تفسیر پہ بجمالی کی ہے آمد کہتے ہیں چمن، ماہِ اجمالی کی ہے آمد
یہ خانہ کعبہ کے مباہات کے دن ہیں
یہ قوم ہے صفا کی ملاقات کے دن ہیں

اے ارضِ مدینہ، تجھے فوق ابیہ فلک پر ۳۰ رونق جو سما پر ہے، وہ اب ہوگی سک پر
 خورشید لا، تیرا ستارہ ہے، چمک پر صدقے گل تر ہے تری پھولوں کی مہک پر
 پر جس پہ فرشتوں کے پھیں فرش دی ہے
 جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرش دی ہے

یا ختمِ رسل گو ہر مقصود مبارک ۳۱ یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک
 یا شاہِ نجف شادی مولود مبارک یا خیر النساء، اخترِ مسعود مبارک
 رونق ہو سدا نور دو بالا رہے گھریں
 اس ماہ دو ہفت کا اُجالا رہے گھریں

اے اُمینیو ہے یہ دم شکر گزاری ۳۲ ہر بار کرو سجدہ شکر تیر باری
 اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمہاری فردیں غسلِ زشت کی اب پاک ہیں ساری
 لکھ گئے بندوں میں دل ابنِ ولی کے
 ناجی ہوئے صدقے سے حسین ابنِ علی کے

اے ماہِ معظم ترے اقبال کے صدقے ۳۳ شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے
 اتنی برکت، فاطمہ کے لال کے صدقے جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
 قسرباں سحر عید اگر ہو تو بجا ہے
 نوروز بھی اس شب کی بزرگی پر فدا ہے

قربانِ شبِ جمعہ، شعبانِ خوش انجام ۳۴ پیدا ہوا جس شب کو عسکرا گل اندام
 قائم ہوا دیں اور بڑھی رونقِ اسلام ہم پڑ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
 خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
 کیا قدر تھی اس شب کی شبِ قدر کو پوچھو

وہ نورِ قمر اور در افشانیِ انجم ۳۵ تھے جس کے سبب روشنی دیدہ مردم
 وہ چمپے رمنواں کے وہ حوروں کا تبسم آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
 میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
 جبریلؑ تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

روشن تھامیے کاہر اک کوچہ و بازار ۳۶ جو راہ تھی خوشبو، جو محلہ تھا وہ گلزار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب ناف تاتار معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار

گردوں کو بھی اک رشک تعازینت پر زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی خسروں بریں کی

کیا شب تھی وہ سعاد و ہمایوں معظم ۳۷ رُخِ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریل و سرائیل کو بہت نہ تھی اک دم بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

تھیں فاطمہؑ بے چین اور دردِ شکم سے ۳۸ مُنہ فقی تھا اور آنسو تھے رواں دیدہ نم سے
والبتہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے مضطرب تھے علیؑ بنتِ پیر کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شعلہ شکن کو
پہرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے سن کو

کرتے تھے دعا بادِ شہِ یثرب و بلحا ۳۹ راحم ہے تری ذاتِ مقدس مرے مولا
زہرا ہے کینز اور مرا بچہ ترا بندا آسان کر اے بار خدا شکن زہراؑ
نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزین ہے
مادر بھی تشفی کے لیے پاس نہیں ہے

ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلعِ انوار ۴۰ دکھلانے لگے نورِ تجلی درو دیوار
اسمانے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار فرزندِ مبارک تمہیں یا حیدؑ دکھلا کر
اسپند کرو فاطمہ کے ماہِ جبیں پر

فرزند نہیں چاند یہ اترا ہے زمیں پر
دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا ۴۱ نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
ما تھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا

تصویرِ رسولِ عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردشِ کنبی دیکھ رہے ہیں

مژدہ یہ سنا احمد مختار نے جس دم ۴۲ پس فکر کے سجدے کو گرے قبلہ عالم
آئے طرف خانہ زہرا خوش و خرم نسر یا مبارک پسر اے ثانی مریم

چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
شکر اے یہ نسر زید محمد کے جگر کا

کی عرض یہ اسمانے کہ اے خامہ داور ۴۳ نہلا لوں تولے آؤں اے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمد مختار نے ہنس کر لے آ کر نواسا ہے مرا طاہر و اطہر

اس چاند کو تاج سرفلاک کیا ہے

یہ وہ ہے، خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

میں اس سے ہوں اور مجھ سے جڑ تو نہیں لہر ۴۴ یہ نور الہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
اسرار جو معنی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر یہ آیت ایماں ہے یہ ہے حجت باہر

بڑھ کر مدد سید لولاک کرے گا

کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

جس دم یہ خبر خبر صادق نے سُنائی ۴۵ اُسا اے اک پارچہ نرم پہ لائی
بو اس گل تازہ کی محمدؐ نے جو پائی ہنسنے لگے، سُرخ رُخ پُر نور پہ آئی

منہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربیؐ نے

پٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

جاں آگئی یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا ۴۶ قسراں کی طرح رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا

دل ہل گیا کی جب کہ نظر سینہ دوسر پر

چوما جو گلا، چپل گئی تلوارِ جگر پر

جوش آیا تھاروئے کا مگر تمام کے رقت ۴۷ اس کان میں فرمائی اذان اس میں اقامت
میدرے یہ فرمایا کہ لے شاہِ ولایت کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت

پُر نور ہے گھر، تم کو ملا ہے قسراں

دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں کر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہؑ کی ماں ۴۸ دوشمس و قمر کا ہے یہ اک نیزِ تاباں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلہؑ ایماں حق اس پر رکے سایہ پیغمبرؐ ذی شاں

اعلیٰ ہے وہ سب کے جو مقامِ شہ دیں ہے

بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شریں ہے

عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے ۴۹ سرسبزی دنیا ہے اسی ابر کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سرفیض قدم سے عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ اعم سے

کچھ اس میں نہ زہر کا ہے (۱) باعثِ نہ علی کا

سب ہے یہ بزرگی کہ نوا سا ہے نبی کا

فرمانے لگے ہنس کے شہرِ شرب و بلحا ۵۰ بھائی کہو فسر زند کا کچھ نام بھی رکھا
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سید والا سبقت کروں حضرت پر یہ مقدور ہے میرا

فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِّ علایا پر

میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ خوش انجام ۵۱ کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علّام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام یا ختمِ رسلؐ ہم نے "حیئن" اس کا رکھا نام

یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے

مشتق ہے تو احسان سے تصغیرِ حسن ہے

ح سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامیِ امت ۵۲ سمجھیں گے اسی سین کو سب سینِ سعادت
حق کی بزرگی میں ہے یسین کی آیت ہے نون سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوت

ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے

یہ حسن میں دس حصے زیادہ ہے حسن سے

دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا ۵۳ تب اُس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
تو قریں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا اب اور نہ ہوگا کوئی اس حسن کا لڑکا

ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر

کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختمِ اسی پر

فیاض نے کوئین کی دولت اسے دی ہے ۵۴ دی ہے جو علی کو وہ شہامت لے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا، عزت اسے دی ہے ان سب کے سوا اپنی محبت لے دی ہے
اعلیٰ ہے، عظم ہے، مکرم ہے، ولی ہے

ہادی ہے، وفادار ہے، زاہد ہے، سخی ہے
جب کرچکا ذکر کرم مالک تقدیر ۵۵ جبریلؑ نے پاس آن کے دیکھا بخ شہیر
کی صلی علیہ وسلم کے محمدؐ سے یہ تقریر یا شاہ، یہ مہر و توبہ صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت ہے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

ہے اس پر ازل سے نظر رحمت معبود ۵۶ یہ پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذات خدا صاحب فیض و کرم وجود تھا خلق و دو عالم سے یہی مطلب و مقصود

مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روئے ہیں اور روئیں گے انجام پاس کے
یہ ہے سبب تہنیت و تعزیت اس دم ۵۷ ہے شادی و غم گلشن ایجاد میں تو ام
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلہ عالم بے جبرم و خطا زنج کریں گے اسے انظم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلق میاں رک پہ چاگی

ہوگا یہ غم میں سستم اے شہر ذی جاہ ۵۸ چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں یہ ماہ
تاریخ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت آہ نیزے پہ چڑھائیں گے سر پاک کو گمراہ
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہولنگے
گھوڑوں کے قدم سینہ صد پاش پہ ہولنگے

چلائے محمدؐ کریں بسمل ہوا بھائی ۵۹ اے وائے اخی کیا یہ خبر مجھ کو سنانی
دل ہل گیا بر بھی سی کلیجہ میں در آئی یہ واقعہ سن کر نہ جیسے گی مری جانی
منگن نہیں دنیا میں دوا زخم جگر کی
کیوں کر کہوں زہرائے خبر مرگ پر سر کی

جس وقت سنی فاطمہؑ نے یہ خبر سہم ۶۰ شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
چلاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانی مریم بیٹی پر چھری چل گئی یا سید عالم

خجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہے ہے مرے شیر کی گردن

ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی ۶۱ ہے ہے یہ ہے کالقب تشنہ وہانی
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمن جانی ہے ہے مرا محبوب، مرا یوسف ثانی
پیراہن صد چاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزہ پہ اور خاک پہن ہووے گا اس کا

صبر اپنا دکھائے کو یہ آئے ہیں جہاں میں ۶۲ یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جھگ کے بسائے کو یہ آئے ہیں جہاں میں اماں کے رلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں

ہم چاند کی صورت پہ زشیدا ہوئے ہوتے
اے کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے ۶۳ شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
واسن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدہ تر سے بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
مظلوم حسینؑ آج سے اس کو میں کہوں گی

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شبہ عالم ۶۴ بچھے گی زچہ خانے کے اندر صف ماتم
اب دن ہے چٹنی کا مجھے عاشور محرم تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلک غم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سروھوؤں گی بابا
چلتے ہیں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

حیدر ہے کہاں آکے دلاسا نہیں دیتے ۶۵ زہرا کا برا حال ہے سمجھا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے ہے ہے مجھے نسر زند کا پراسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری ۶۶ اے میرے شہید اے مرے یکس ترے داری
ہاں بعد مرے فوج کریں گے تجھے ناری بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

مر جائے گا تو تشنہ دہن ہائے حسینا ۶۷ ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن ہائے حسینا
اک جان پر یہ رنج و من ہائے حسینا کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تن صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

فسر یا محمدؐ نے کہ اے فاطمہؑ زہرا ۶۸ کیا مرضی مجھ سے بندے کا ہے چارہ
خالق نے دیا ہے اسے وہ توبہ اعلیٰ جسبہ ریل سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیہ ربی ہے

یہ لال ترابخشش امت کا سبب ہے
اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمر ۶۹ بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلیر
جب قید سے ہووے گا رہا عابدِ مضطر تربت میں اسے دفن کرے گا وہی اگر
ارواحِ رسولانِ زمن روئیں گی اس کو
سرپیٹ کے زینب سی بہن روئیں گی اس کو

جب چرخ پہ ہوئے گامیاں ماہِ محرم ۷۰ ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے ملکِ عرش سے داں رونے کو باہم ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پُر نور سدا اس کا عزافانہ رہے گا
خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

کیا اوج ہے کیا تہ ہے اس بزمِ عزاکا ۷۱ غلِ عرش سے ہے فرشِ تلکِ مصلیٰ علیٰ کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں یاں کی فضا کا پانی میں بھی ہے یاں کی مزا آپ بقا کا
در بارِ مصلیٰ ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیضِ حسینؑ ابنِ علیٰ کا

لویاں سے بس اب مجلس ماتم کابیاں ہے ۷۲ وہ فصل خوشی ختم ہوئی غم کابیاں ہے
مظلومی سلطانِ دو عالم کابیاں ہے ہنگامہ عاشورِ محترم کابیاں ہے

ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا

لو بزم میں کھلتا ہے مرقعِ شہد اکا

اے خضرِ بیابانِ سخن راہِ سری کر ۷۳ اے نیرِ تابانِ خسروِ جلوہ گری کر
اے دردِ عطا اللذتِ زخمِ جگری کر اے خوفِ الہی مجھے عصیاں لے بری کر

بندوں میں لکھا جاؤں امامِ اذلی کے

آزاد ہوں مدتے میں حسینِ ابنِ علیؑ کے

قدسیٰ کو نہیں بار، یہ دربار ہے کس کا ۷۴ فردوس کو ہے رشکِ یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے، یہ بازار ہے کس کا خود بچتا ہے یوسفؑ یہ خریدار ہے کس کا

ملتی ہے کہاں مُفتِ متاعِ حسنِ ایسی

دیکھی نہیں انجمن نے کبھی انجمنِ ایسی

مجلس کا زہے نورِ خوشا محفلِ عالی ۷۵ حیدرؑ کے مجتوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اس کے جو ہے کونین کا والی اثنا عشری، پنجتنی، شیعہؑ خالی

ششدر نہ ہو کیوں چرخِ محبِ جلوہ گری ہے

یہ بزمِ عسرا آج ستاروں سے بھری ہے

ان میں جو سن ہیں وہ پیر کے ہیں مہماں ۷۶ اور جو متوسط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں، علی اکبرؑ کے ہیں مہماں شیعوں کے پیر سب علی اصغرؑ کے ہیں مہماں

ہر خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہیں

پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

ارشادِ نبویؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے ۷۷ فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ نعمِ خوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے میں اُن کا ہوں طالبِ یہ طلب گار ہیں میرے

یہ آج اگر روکے ہوں یاد کریں گے

ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

غم میں مے پھول کے یہ سب کرتے ہیں فریاد ۷۸ اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
 بستی مرے شیعوں کی رہے غلطی میں آباد یہ حشر کے دن آتش دوزخ میں ہوں آزاد
 مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
 اُن کے لیے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

مردم کے لیے واجب معنی ہے یہ زاری ۷۹ رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
 ہے وقت معین پہ ادا طاعت پاری یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
 ردِ لو کہ یہ وقت اور یہ محبت نہ ملے گی
 جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

مہلت جو اجل دے تو نیست لے جانو ۸۰ آمادہ ہو رونے پہ سعادت لے جانو
 آنسو مکمل آئیں تو عبادت اسے جانو ایذا ہو جو مغل میں تو راحت اسے جانو
 فاقے کیے ہیں دھوپ میں لب نشہ رہے ہیں
 آقا نے تمہارے لیے کیا ظلم سہے ہیں

تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے ۸۱ پانی ہے خشک مردہ کس باد صبا ہے
 کچھ گرمی عاشورہ کا بھی حال سُنا ہے سر پہینے کا وقت ہے ہنگام بکا ہے
 گذری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہ دیں پر
 بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

لوں چلتی تھی ایسی کہ جھلے جاتے تھے اشبار ۸۲ تنہا عنصرِ خاک پہ لگانِ کرۂ نار
 پانی پہ دود و دام گرے پڑتے تھے ہر بار سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
 خاک اڑ کے جمی جانی تھی زلفوں پہ قبا پر
 اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

قطرے جو پینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار ۸۳ ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ ستار
 شاہدِ اہم فاقے سے ہے زردی رخسار بے آبی سے اودے تھے لبِ لعلِ گھر بار
 دنیا میں ترستے رہے وہ آپ رواں کو
 جن ہونٹوں نے جو ماتھا محمدؐ کی زباں کو

دنیا بھی جب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں ۸۴ وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں وہ شہد ہے یہ شہد علالت نہیں جس میں

بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری

دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قسبر کا آغوش ۸۵ گل پیر ہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سر گرم سخن ہے کبھی انساں کبھی غابوش گچہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش

اک طور پر دیکھانہ جواں کو نہ مہسن کو

شب کو تو پچھ لکھٹ میں ہیں تابوت میں دن کو

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور ۸۶ دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ما تم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور

کس باغ پہ آسیب خزاں آ نہیں جاتا

گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام ۸۷ گچہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام و احسرت و درد اک وہ آغاز یہ انجام

راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک

مظلوم نے فاتح کیے ہتھم سے دہم تک

ریتی یہ عسز بڑوں کا مرقع تو ہے ابتر ۸۸ شہ کا ہے یہ نقشہ کہ میں تصویرے ششدر
فرزندِ مسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر قاسم ہیں نہ عباس نہ اکبر ہیں نہ اصغر

سب نذر کو دربارِ پیمبر میں گئے ہیں

رضخت کو اکیلے شہر دیں گھر میں گئے ہیں

منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت ۸۹ پھر لے گئی ہے گھر میں سکینہ کی محبت
سجاد سے کچھ کہتے ہیں اسرارِ امام بانوے دو عالم سے بھی ہے آخری نعمت

مطلوبے کے یہ زرب بدنِ رخت کہن ہو

تا بعدِ شہادت وہی لمبوس کفن ہو

خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت ۹۰ ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانہ تھا قیامت

واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں

افسانہ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر ۹۱ امت کے لیے والدہ صاحبہ نے ہے جبر
وہ کہتی تھی کیوں کروں میں روؤں صفت ابر تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر

لٹے ہوئے آماں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں

ہے ہے تر خنجر تھیں کن آنکھوں سے دیکھوں

اس عمر میں تھوڑے غم جان کاہ اٹھائے ۹۲ اشک آنکھوں سے آماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھے تھے کہ پد رگوں میں نہائے ٹکڑے دل شبر کے لگن میں نظر آئے

حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی

انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا ۹۳ دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا

صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا

اک دن میں بھرے گھر کو اجر تے نہیں دیکھا

ہے ہے تھیں لے کے میں کہاں چپ رہوں بھائی ۹۴ لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کسائی
کس دشت پر آشوب میں قسمت مجھے لائی یارب کہیں مرجائے یہ اللہ کی جائی

زہرا کا پسردقت جدائی مجھے روئے

سب کو تو میں روئی ہوں یہ بھائی مجھے روئے

زمین کی وہ زاری وہ سکیہ کا بلکنا ۹۵ وہ نفی سی چھاتی میں کلیجہ کا دھوکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بندے کا چکنا حضرت کا ہا بیٹی کی طرف یاس سے تنکنا

حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذوریں بی بی

پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ ۹۶ فرماتے تھے شاہ آؤ نہ جان پیر آؤ
ہم کرٹھتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہ باؤ خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کو سنگھاؤ

کوثر پہ ہے تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو
بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمہاری ۹۷ کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک

کس جاہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں ۹۸ ممکن نہیں اب وہ ہیں یا ہم انھیں پائیں
کچھ ہم سے نہیں کچھ ہیں حال اپنا بتائیں اک دم کے مسافر ہیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور کھلے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

غش میں جو مٹی بانوئے مضطر نے یہ تقریر ۹۹ ثابت ہوا مرے کو چلے حضرت شبیرؑ
سرنگے اٹھی چھوڑ کے گہوارہ بے شیر چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شبہ دل گیر
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہوا آقا
یہ خامہ رخصت کے لیے آتی ہے آقا

یہ سن کے بڑے چند قدم شاہ خوش اقبال ۱۰۰ قدموں پر گری دوڑ کے وہ کولے مجھے بال
تھا قبلہ عالم کا بھی اس وقت عجب حال روتے تھے غضب آنکھوں پہ کئے ہوئے رومال
فرماتے تھے جاں کا شاہ جدائی کا الم ہے

اٹھو تمہیں روح علی اکبر کی قسم ہے
وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں اے مر مر تلج ۱۰۱ والی انھیں جوں کی بدولت ہم مر راج
سر پر جو نہ ہو گا پیر صاحب معراج چادر کے بتن میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے طوق قدم مرتبہ گھٹ جاے گا میرا
قربان مٹی تخت الٹ جاے گا میرا

پاں آئی میں جب خانہ کسریٰ ہوا برباد ۱۰۲ وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد

لونڈی تھی، بہو ہو گئی زہرا و علی کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبی کی

چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو ۱۰۳ اب ہجر ہے تقدیر میں یاسید خوش خو
شب بھر رہے تکیہ سیر اقدس کا جو بازو ہے ہے اُسے اب رتی سے باندھیں گے جفا جو

سر پر نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے ۱۰۴ ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
دارِ محن اس دار کو داؤر نے کہا ہے ہر چشم سے خونِ جگر اس غم میں بہا ہے

فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہرا و علی کا

سوسو برس اس گھر میں عینیت رہے جو ۱۰۵ اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا اُن کو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں لے بانوئے خوش فح ہے شاق فلک کو کہ رہیں ایک جگہ دو

کس کس پر زمانے نے جفا کی نہیں صاحب
انہوں سے کبھی اُس نے وفا کی نہیں صاحب

لازم ہے خدا سے دُلبیبِ خیر بشر کو ۱۰۶ تھامے گا تباہی میں وہی راند کے گھر کو
آتا ہے تمہیں بھی وہیں، جاتے ہیں جدھر کو وارث کی جدائی میں شکتے نہیں سر کو

کھولے گا وہی رتی بندھے ہاتھ تمہارے
سب اُڑسا بیٹا ہے جواں ساتھ تمہارے

نصیب کو تو دیکھو کہ یہی کس دکھ میں گرفتار ۱۰۷ ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بے کس و ناچار
تھا میں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے بددلدار دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غمِ خوار

بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
ان کا تو کوئی، پوچھنے والا بھی نہیں ہے

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پرسیں ۱۰۸ بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں غش ہوئی زینبؑ یہ اٹھا درو جگر میں
ٹھہرا نہ گیا دواں مشہر والا کل آئے

تنہا گئے روتے ہوئے تنہا کل آئے
کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ بے پر ۱۰۹ کچ کی طرف دوشِ یمنیں گردنِ انور
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر

حرمتِ ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے
یارب یہ ہے سادات کا گھرتیرے حوالے ۱۱۰ رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے

عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں
میرے نہیں بندے ہیں ترے لئے مرے خالق ۱۱۱ بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
باندھے ہیں مگر ظلم و تعدی پہ منافق نے دوست ہے دنیا نہ زمانہ ہے موافق

حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازل کی
دو بیٹیاں، دو بہنیں ہیں اس گھر میں علیؑ کی
میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں ۱۱۲ یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
ناموس نشیں قید ہوں اور شام میں جائیں مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں

بیڑی میں قدم طوق میں عابد کا گھلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمت کا بھلا ہو
یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک ۱۱۳ اور ڈال لی پر لہن پر نور پہ کچھ خاک
میت ہونے شبیر کفن بن گئی پو خاک بس فاتحہ خیر پڑھا بادلِ غم ناک

مڑا کر نہ کسی دوست نہ غمِ خوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

گردان کے دامن علی اکبر کو پکارتے ۱۱۳ تھا مو مرے گھوڑے کی رکاب لے کر پائے
نعتِ دلِ شہر کہ ہر اس وقت مدھائے بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں مسلم کے جگر بند کہاں ہیں

دونوں مری ہمیشہ کے فرزند کہاں ہیں
تنبائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا ۱۱۵ کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمین پر
غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

شہید نے بھل بل میں عجب ناز دکھایا ۱۱۶ ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
زیور نے عجب حسنِ خدا داد دکھایا فتراک نے اوج پر پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک عرشِ بریں پر
غل تھا کہ پھر اُترا ہے براق آج زمین پر

اعداد کی زبانوں پر یہ حیرت کی تھی تقریر ۱۱۷ حضرت یہ ربّ پڑھتے تھے تو لے ہوئے شمشیر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اسے فرقہ بے پیر میں یوسف کنگانِ رسالت کی ہوں تصویر
واللہ تعالیٰ نہیں یہ کلمہ حق ہے
عالم کے مرتضیٰ میں حسین ایک ورق ہے

واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی ۱۱۸ محتاج ہوں پر محمد سا تو انگر نہیں کوئی
ہاں میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی یوں سب ہیں مگر سبطِ حمیر نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعویٰ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا ۱۱۹ سرداریِ فردوس کا افسر ہیں بخشا
اقبالِ علیٰ خلقِ پیغمبر ہمیں بخشا قدرت میں دیٰ زور ہمیں، زور ہمیں بخشا
ہم نور ہیں مگر طورِ تجلّا ہے ہمارا
تختِ بن داؤد مصلّا ہے ہمارا

تاتا وہ کہ ہیں جن کے قدم شمس کے ستراج ۱۲۰ تو سین مکان، خیمہ ریشم، صاحبِ عراج
ہاں ایسی کسبند جس کی شفا صفا کبھی نہ تاج باب ایسا، خیمہ خانوں کو جس نے کیا تاج

لڑنے کو اگر حیدر صفد نہ نکلتے

بُتِ گھر سے خدا کے کہیں ہا ہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے د آئے ۱۲۱ کس مرحلہ صفت کو سر کر کے د آئے
کس فوج کی صف زبرد بر کر کے د آئے قہی کون شی شب جس کو سر کر کے د آئے

تھا کون جو ایساں تہ مصمام نہ لایا

اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

ہم نام دیکھ کم تھے، ذکرِ غارتھے توڑے ۱۲۲ طاقت تھی کہ عزتی کو کوئی لاک توڑے
بدگوشوں نے سہمے بھی کیے ہاتھ بھی جوڑے بے توڑے وہ بُتِ حیدرِ صفد نے دھجھوڑے

کہے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے

نیکے اسد اللہ اذال دے کے حرم سے

اس جہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں ۱۲۳ جہرِ ارپس، حیدرِ کرار کے ہم ہیں
فسرزد محمد سے جہاں دار کے ہم ہیں وارثِ شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں

کچھ غیر کفن ساتھ نہیں لے گئے ہیں

تا بویہ سکینہ بھی ہیں دے گئے ہیں

یہ فسق پہ عمامہ سر دارِ زمن ہے ۱۲۴ یہ تیغِ علی ہے یہ کمر بندِ حسن ہے
یہ خوشین داؤد ہے جو حافظِ تن ہے یہ پیرِ بہنِ یوسف کُتھانِ من ہے

دکھلائیں سندِ دستِ رسولِ عربیؐ کی

یہ مہرِ سیلیاں ہے، یہ خاتم ہے نبیؐ کی

دیکھو تو یہ ہے کون سے جزار کی تلوار ۱۲۵ کس شیر کے قبضے میں ہے جزار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار بجلی کی تو بجلی ہے یہ، تلوار کی تلوار

قہر و غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے

کچھتے ہیں اے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

دم لے کہیں دک کر وہ روانی نہیں اس میں ۱۲۶ چلنے میں سبک تر ہے، گرانی نہیں اس میں
جسزہ حریف ظفر اور نشانی نہیں اس میں جل جاؤ گے سب آگ سے پانی نہیں اس میں
پھوڑے گی نہ زندہ اسے جو دشمن دیں ہے

نابین نہیں، غصے سے اہل ہیں بہ جبین ہے
سب قطرے ہیں مگر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں ۱۲۷ ہر نقطہ قرآن کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذیخو ہیں تو ہم ہیں افضل ہیں تو ہم، عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیم ملک عرش پر تھا و رد ہمارا
جبریل سا استاد ہے شاگرد ہمارا

گرفیض ظہور شبہ لولاک نہ ہوتا ۱۲۸ بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے میں، بحرِ خاک نہ ہوتا ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شور اذان کا، سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پر جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

عمن سے بدی، ہے ہی احسان کا عوض واہ ۱۲۹ دشمن کے ہوا خواہ ہوئے، دوست کے بد خواہ
گمراہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو، لیلۃ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا، تم قہرِ خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا ۱۳۰ یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوہ نہ کروں گا اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلاً نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا، کمرِ یزیدوں سے پھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدائے کہا قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے ۱۳۱ ناری تو ہیں دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسولِ دوسرا سے نہیں ڈرتے خاتونِ قیامت کی بکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ بدرِ دولتِ دنیا ہے ادھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندہ زریں

حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے ۱۳۲ آیا غضب اللہ کا ہشیار صفوں سے
بجلی سا گزرجاؤں گا ہر بار صفوں سے کب بختی رکتے ہیں دوچار صفوں سے

غربت کے چلن دیکھ چکے، حرب کو دیکھو

لو بندہ زر ہو، تو مری ضرب کو دیکھو

یاں گوشہ عزت، خم شمشیر نے چھوڑا ۱۳۳ واں سہم کے چلے کو ہر ایک تیر نے چھوڑا
کس قہرے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا سائل کو صف لشکر بے پیر نے چھوڑا

عنقائے ظفر فتح کا در کھول کے نکلا

شہباز اجل، صید کو، پر تول کے نکلا

حبلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہ تو نے ۱۳۴ دکھلائے ہوا میں دوسرا، شمع کی لو نے
ترپا دیا، بجلی کو فرس کی تگ دوڑنے تاکا سپر مہر کو شمشیر کی ضو نے

اعدا تو پھیلنے لگے ڈھالوں پہ سروں کو

جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

بالا سے جو آئی وہ بلا جانب پستی ۱۳۵ بس نیت ہوئی دم میں تم کاروں کی بستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دوستی معلوم ہوا لگتی سب کفر کی بستی

زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے

ٹوٹیں جو صفیں بت اسد اللہ نے توڑے

بجلی سی جو گر کر صف کفار سے نکلی ۱۳۶ آواز بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گج ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی در آئی جو پیکاں میں تو سوار سے نکلی

تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے

چلے بھی چپے جاتے تھے گوشوں میں کہاں کے

افلاک پہ چمکی کبھی، سر پر کبھی آئی ۱۳۷ کوندی کبھی جوشن پہ، سپر پر کبھی آئی
گج پڑ گئی سینہ پہ، جگر پر کبھی آئی ترپا کبھی پہلو پہ، کمر پر کبھی آئی

ٹلے کر کے پھری کون سا قہہ تحافرس کا

باقی تھا جو کچھ کاٹ، وہ حصہ تحافرس کا

بے پائندہ صحرائے چلتی ہوئی آئی ۱۳۸ ندی ادھر اک خوں کی اہلی ہوئی آئی
 دم بھر میں صحرانگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لبو لعل اگلتی ہوئی آئی
 میرا تھا بدن، رنگ زمرہ سے ہر تھا
 جو ہر نہ کہو پیٹ جو اہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دم جنگ پری دس اے کہنا ۱۳۹ معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
 اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جو ہر تھے کہ پہننے تھی دہن پھولوں کا گہنا
 سیب چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
 رہتی تھی وہ شبیر سے دو لہا کی بفل میں

سر شیکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہنچے ۱۴۰ قلم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
 بجلی کی ترپ شعلہ فشاں کو نہ پہنچے خنجر کی زباں تیغ زبانی کو نہ پہنچے
 دوزخ کی زباںوں سے بھی آج اس کی بُری تھی
 بر بھی تھی، کٹاری تھی، سر دہی تھی، چھری تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی ۱۴۱ دم خم بھی، گھاٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی
 اک گھاٹ پتی آگ بھی، پانی بھی، ہوا بھی امرت بھی، ہلا بھی، مسیحا بھی، تقنا بھی
 کیا صاحب جو ہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
 موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

ہر ڈھال کے پھولوں کو اڑاتا تھا پھل اُس کا ۱۴۲ تھا لشکر باغی میں ازل سے عمل اس کا
 ڈرجاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا تھا قلعہ چار آئینہ، گویا عمل اس کا
 اس در سے گئی کھول کے وہ در بھل آئی
 گچ صدر میں بیٹھی، کبھی باہر نکل آئی

نیزوں پہ گئی برہمیوں والوں کی طرف سے ۱۴۳ جا پہنچی کہاں داروں پہ بجا لوں کی طرف سے
 پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
 بس ہو گیا دفتر نظری، نام و نسب کا
 لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

پہنچی جو سپرنگ تو کلائی کو نہ چھوڑا ۱۴۴ ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو، شرارت کو، لڑائی کو نہ چھوڑا تیزی کو، رکھائی کو، صفائی کو نہ چھوڑا

اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے

قیغی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا ۱۴۵ چورنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا بیچ جائیں تو جانیں کہ لی جان دو بارا

جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے

اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامن اجل ہے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے ۱۴۶ نادرک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حبیب گری، عہد شکن بھول گئے تھے بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے

معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے

چلاتے تھے قبضے میں کہاں ہے کہ نہیں ہے

ڈرڈر کے قدر است سنانوں نے جھکائے ۱۴۷ دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں، جوانوں نے جھکائے سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے

غل تھا کہ پناہ، اب ہیں یا شاہ زماں دو

پھیلائے تھے دامن کو، پھر بے کے اماں دو

شب کہتے تھے ہے بارہ پہ دریا نہ رُکے گا ۱۴۸ اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رُکے گا
بے فسح و ظفر، دلبر زہرا نہ رُکے گا تا غرق نہ فرعون ہو، موسیٰ نہ رُکے گا

ہے بحسب غضب نام ہے قہر صمد اس کا

رُکنے کا نہیں شام تلک جس زرد وند اس کا

اس منکے گئے پہنچے اس فول کے نکلے ۱۴۹ جو فوج چڑھی منہ پہ اُسے رول کے نکلے
انبوہ سے، یوں تیغ دوسرے تول کے نکلے گویا درخیز کو، عسلی، کھول کے نکلے

دنیا جو بچی، روح محمد کا سبب تھا

شیر اگر رسم نہ کرتے تو غضب تھا

لڑتے تھے مگر غلط سے رحمت تھی زیادہ ۱۵۰ شفق تھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
 نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ

تلوار نہ مارا جسے منہ موڑتے دیکھا
 آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر ۱۵۱ کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو روکو ہمیں آکر
 دعوتِ یونہی کرتے ہیں مفسر کو بلا کر ہم چاہیں تو پانی بھی پیسیں نہر میں جا کر
 پر صبر کے دریا ہیں، ہیں پیاس نہیں ہے
 اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے

بھولی نہیں اکبر کی ہیں ہم تشنہ دہانی ۱۵۲ وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
 وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجازِ بیانی دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
 کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے

بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہ کے ہستی کو پکارے ۱۵۳ الفت ہیں لے آئی ہے پھر پیاس تمھارے
 لڑتے ہوئے آپہونچے ہیں دریا کے کنارے عباسُ غش آتا ہے ہیں پیاس کے مارے
 ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو

کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو ہلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے ۱۵۴ اٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
 فافل ہو، برادر، تمہیں کس طرح جگائے ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
 خوش ہوں گامیں آگے جو علم لے کے پڑھو گے

کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

کہہ کر یسین روئے لگا بھائی کو بھائی ۱۵۵ تلوار سے مہلت تم ایما دوں نے پانی
 جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی

بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر

سب ٹوٹ پڑے ایک حسین ابن علی پر

کی شہ نے جو سینے پر نظر پونچھ کے آنسو ۱۵۶ سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہلو
ہر صحت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو سالم نہ کلائی تھی، نہ شان تھا، نہ بازو

برگشتہ زمانہ تھا شہ تشنہ گلو سے

پہل بڑھپیوں کے سرخ تھے سید کے لبو سے

جھک جاتے تھے ہرنے پر جو غش میں شہ ابرار ۱۵۷ منہ پیر کے آقا کی طرف نکلتا تھا ہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیر دل انگار اب خاتمہ جنگ ہے اے سپ وفادار

اتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا

نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا

زخمی ہیں نہیں اب تری تکلیف گوارا ۱۵۸ گرتے ہیں سنبھلے کا، ہیں لب نہیں یارا
کیا بات تری، خوب دیا ساتھ ہمارا آپہونچا ہے منزل پر ید اللہ کا پیارا

تو جس میں پلا ہے، وہ گمراہ دم میں لٹے گا

بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا

گھیرے ہیں عدو خیمے تلک جا نہیں سکتے ۱۵۹ کھوئی ہے جو طاقت اے اب پا نہیں سکتے
شکل ہے سنبھلنا، تجھے دوڑا نہیں سکتے پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے

جیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تھک

میں درد رسید ہوں مجھے درد ہے سب کا

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری ۱۶۰ میں نے تو کسی دن تجھے قہمی نہیں ماری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو بربادی دوندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری

جیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف کرم پر

منہ رکھ دیا مڑ کر شہ والا کے قدم پر

گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اتریے ۱۶۱ دم ہے ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اتریے
تلوار لیے گرد ہیں اعدا نہ اتریے سب فوج چڑھی آتی ہے مولانا اتریے

اے وائے تم صدر نشیں خاک نشیں ہو

صبر ہے کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو

شرعے کہا تا چند، مسافر سے محبت ۱۶۲ وہ تو نے کیا، ہوتا ہے جو حق رفاقت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت نہ ہاتھ میں، نہ پاؤں میں، نہ قلب میں طاقت
بہتر ہے کہ اتروں نہیں تورا کے گردوں کا
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھلے گردوں کا

ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اترنا ۱۶۳ اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرطہ، صعب ہے دنیا سے گزرنا سجدے میں کئے سر کر سادات ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرف تن و سر کا
ذی حق ہیں اس کے ہیں کہ درویش ہے پدر کا

اترا یہ سخن کہہ کے وہ کوئین کا والی ۱۶۴ خاتم سے نگیں گر گیا، زین ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاد رتھے نہ مولا کے موالی خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شبہ مالی
کپڑے تن پر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کور ہوار کی گردن میں دھرے تھے

منہ پال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار ۱۶۵ جاڈ پوڑی پہ لے صاحب معراج کے دہوار
اب ذبح کریں گے ہیں اک لم میں ستم گار زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبر دار
دہنا دیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو، جدھر حکم خدا ہو

یہ کہہ کے جو سرکا اسد اللہ کا جایا ۱۶۶ اک تیر جہیں پر، بن اشعث نے لگایا
فسر یلے زہڑ کی دو عالم کو ہلایا پیکان سے پہلو عقب سر بھل آیا
ترپے نہ، نہ ہے صبر، امام دو جہاں کا
سوقار نے بوسہ لیا سجدے کے نشان کا

حضرت نے جہیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر ۱۶۷ جو سر پہ لگی تیغ ہی مالک بے پیر
ابر دنگ اتر کر، جو اٹھی ظلم کی شمشیر سر تمام کے بس بیٹھ گئے خاک پر شبیر
چلتے ملک دیکھ کے خوں سیوا نبیؐ کا
تھا حال یہی سجدہ کونہ میں صلیٰؐ کا

بیٹے جو سوئے قبلہ دو زانو شہرے پر ۱۶۸ جھکتے تھے کھنچش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خلص میں کہ لگتا سیرہن پر یا قوت بنے ڈوب کے غول میں لپ اطرہ

برہ آیا لہو تابہ زخمدان مبارک

ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک

نیزے کا، بن وہب نے پہلو پہ کیا وار ۱۶۹ کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ٹوک بن کاہل کا کلیجے کے ہوا پار باد میں در آیا تبرِ غولی غولِ خوار

تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا

دم رک گیا نیزہ جو لگا ابن انس کا

تھرا کے جھکے سجدہ حق میں شہر ابرار ۱۷۰ شورِ دہلی نفع ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا پسر سعد جفا کار اے غولی و شیت و بن ذی الجوشن جزار

آخر ہے بس اب کام امام ازیلی کا

سر کاٹ لو سب مل کے حسین ابن علی کا

لکھتا ہے یہ راوی کہ پیا ہو گیا محشر ۱۷۱ بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
اک سیدہ نکلی درخیمہ سے کھلے سر برقع تھانہ مقنع تھانہ موزے تھے، نہ چادر

چلنے لے میں خوف کے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے

لوفاطم آتی ہے بچانے کو پسر کے

ہلتا تھا فلک ہاتھوں سے جب بیٹھی تھی سر ۱۷۲ بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں میں گوہر
فرماتی تھیں، فتنہ جوارِ حادثی تھی محبہ فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر

سرتنگے یوں ہی جاؤں گی روم نہ پہ نئی کے

پردہ تو گیا ساتھ حسین ابن علی کے

اس بھڑ میں آکر وہ ضعیف یہ پکاری ۱۷۳ اے سبطِ نبی! ابن علی! عاشق باری
گھوڑا تو ہے کوتل کدھر اتنی ہے سواری بھیتا بہن آتی ہے زیارت کو تمھاری

مرداؤں گی حضرت کو جو پلنے کی نہیں میں

بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

اس وقت شبہ دہن نے سنی زاری خواہر ۱۴۳ جس وقت کہ تھاق مہارک خیر خیر
فسر یا اشارے سے کر اے شمر ستم گر زینب نکل آئی ہے شہر جا بھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ عن سے

دو باتیں تو کر لینے بھائی کو بہن ہے
منہ پھیر لیا شمر نے خیر کو ہٹا کے ۱۴۵ دی شہ نے یہ زینب کو صدا شک بہا کے
ترا پاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں

گھر آؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی میں
دوڑی یہ صدا شن کے یہ اللہ کی جائی ۱۴۶ چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی یاں ہو گئی سید کے تن دوسر میں جدائی
قاتل کو، نہ گردن کو، نہ شمشیر کو دیکھا

پہونچیں تو مناں پر سر شہر کو دیکھا
سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری ۱۴۷ دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی پہ واری
خیر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری تم مر گئے پوچھے گا خیر کون ہماری
آفت میں بھنسی آل رسول عسری کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہرا و علی کی

ہے ہے پسر صاحب معراج حسینا ۱۴۸ پردیس میں بیووں کا ناراج حسینا
گویا کہ مصلیٰ قتل ہوئے آج حسینا ہے ہے کہن دگور کے محتاج حسینا
پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشہ بھی زمیں پر سے اٹھا تا نہیں کوئی

قربان بہن اے مرے سرور مرے سید ۱۴۹ مذبح قضا کشتہ خیر مرے سید
اے فاؤ کش و بیکس دے پر مرے سید بیچے میں ہے قاتل کے ترا سر مرے سید
دیتے ہو صدا کچھ نہ بلاتے ہو، بہن کو
کس یاس سے بچتے چلے جاتے ہو بہن کو

بعتا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ ۱۸۰ احمد ہیں، نہ زہرا، نہ سن ہیں، نہ بدلتہ
 ڈھارس تھی بڑی آپ کی، اے سید ذی جاہ چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
 چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
 بہینا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی
 اے میرے شہید اے مرے ماں جلے برادر ۱۸۱ کس سے ترا لاش بہن اٹھوائے برادر
 کس طرح مرے دل کو قراؤ آئے برادر پانی بھی نہ قائل نے دیا ہائے برادر
 انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
 حیواں کو بھی، پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا
 خاموش انیس اب کہ ہے دل سینے میں بے چین ۱۸۲ لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کیے بین
 اب حق سے دھاما ننگ کہ اے خالق کو نین حاسد ہیں بہت، دل کو عطا کر مشابہ بین
 ناحق ہے مداوت انھیں اس بچہ ملاں سے
 بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیر زباں سے

مرثیہ (۲)

جس دن یزید شام میں مسند نشیں ہوا ۱ سب ملک، روسیہاہ کے، زیرِ بگمیں ہوا
شہیر سے زیادہ اسے، بغض و کیں ہوا ایذا سے اہل بیت کا درپے لعیں ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو سماں درست ہے
سختی زان پہ ہو تو، یاست یہ سست ہے

خط حاکم مدینہ کو لکھا ہر شد و مد ۲ مضمون یہ تھا کرتب ہے اطاعت تری سند
بیعت مری حسین سے لے تو، بخت و کد میں فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مدد
بیعت کریں تو جلد ادھر بھیج دیجیو
راضی نہ ہو تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

پہنچا اسے دینے میں جب نامہ یزید ۳ پڑھ کر وہ خط، بہت متروڈ ہوا ولید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید میں فاطمہ کے لال کو کیوں کر کروں شہید
دعوائے سلطنت بھی نہیں بے قصور ہے

ایسے کنارہ کش پرستم کیا ضرور ہے
آخر کسی کو بھیج کے شہ کو کیا طلب ۴ بھائی بیعتیہ شاہ کے، حاضر تھے سب کے سب
فرمایا اس سے جا، اگر میں آؤں گا وقتِ شب معلوم ہے مجھے، جو بلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعتِ فاسق حرام ہے

اس کی طلب، ہمیں یہ اجل کا پیام ہے
لہجہ اگئے یہ سن کے عسزیز و رفیق دیار ۵ قاسم نے رکھ لی سامنے شمشیرِ آبدار
اکبر نے بھی طلب کیا اسبابِ کارزار آئے کمال غیظ میں عباس نامدار
کہہ کر یہ بات صوبتِ شہیر، اٹھ کھڑے ہوئے
حاکم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے لڑے ہوئے

زینب کے دونوں بیٹوں کو اس دم رہی نہ تاب ۶ جا کر حرم سرا میں کہا با صد اضطراب
حاکم کے گھر میں جاتے ہیں شاہ فلک جناب اماں ہمارے نیچے لاد بیجے شتاب

بچھڑے گی، مگر تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

سن کر سخن یہ ہو گیا زینب کا رنگ زرد ۷ آنسو بھر آئے آنکھوں میں اٹھا جگر میں درد
بولی کلیجہ تمام کے اور بھر کے آہ سرد کیا والی مدینہ ہے آمادہ نبرد
ایسی علی کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جرم کیا گناہ ہوا، کیا خطا ہوئی

ہے ملک سے غرض نہ اسے محبت جاہ ہے ۸ قہقہے میں نہ خزانہ ہے اللہ نہ پناہ ہے
لوگوں سے رابطہ ہے نہ خیروں سے راہ ہے جائے نشست، قبر رسالت پناہ ہے
ناحق یہ ظلم، حق سے نہیں لوگ ڈرتے ہیں
جنگ اس سے جس غریب پٹلے گندتے ہیں

۱۰! ہمیں اس کے سر پہ نہ جیند نہ ہیں حسن ۹ صدقے غریب بھائی پہ ہو ملنے یہ بہن
زندہ ہیں جب تلک یہ، تو جیتے ہیں پیچھن مرضی ہو دشمنوں کی تو ہم چھوڑ دیں وطن
گمراہ لے گا چین نہ زہرا کی بھائی کو
جنگل میں جا رہے گی بہن لے کے بھائی کو

بھائی کو میرے پاس بلاؤ سنو میں حال ۱۰ کیا بات ہے جو خاطر اقدس پہ ہے طال
تہنا چلا نہ جائے تمہیں فاطمہ کا لال بھائی پہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید دعا ہو، جنگ کا ساماں کیے چلیں
حاکم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لیے چلیں

زینب یہ کہہ رہی تھیں کہ آئے امام دیں ۱۱ منہ دیکھ شہر کا رونے لگی زینب حزن
فرایا شہر نے روتی ہو کیوں، خوف کچھ نہیں حاکم کے گھر میں جائے گاجید کا جانشین
وہ اللہ ہے جگہ تمہیں جس کا خیال ہے
یاں مجھ پہ اتنا اٹھائے کوئی کیا مجال ہے

سمجھا چکے بہن کو جو حضرت بہ چشم تر ۱۲ باندھی شہ نجف کے کمر بند سے کمر
ڈالا بجائے پاک محمد کو دوش پر لے کر عصا نبی کا، چلے شاہ بحر و بر

یوں ساتھ تھے عزیز شہ کم سپاہ کے
نیسے ستلے چرخ پہ ہوں، گرد ماہ کے

اس دم کمال حضرت زینب تھیں بے قرار ۱۳ بیت الشرف سے جاتی تھیں ڈیوڑھی پہ بار بار
عباس سے بلا کے کہا اے وفا شعار بھائی کو چھوڑیو نہ اکیلا بہن نثار
حاکم سے ہم سخن جو شہ خوش خصال ہوں

تم اک طرف ہو، ایک طرف میرے لال ہوں

یہ بات کہہ کے رونے لگی وہ جگر کباب ۱۴ چالیس شخص لے کے چلا ابن بو تراب
جو دیکھتا تھا شانِ امام فلک جناب کہتا تھا کہ رات کو نکلا ہے آفتاب

رستے میں شب کو حسن نبی کا ظہور تھا

افلاک تک زمیں کے ستاروں کا نور تھا

حاکم کے مدد پہ پہنچے تو کہنے لگے امام ۱۵ حم سب رہو یہیں کہ نہیں داں تمہارا کام
پر جب کروں پکار کے حاکم سے میں کلام دراز آنے کو مدد کا ہے وہ مقام

گھبراتے آنا کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں

نہ تم ہو مجھ سے دور نہ میں تم سے دور ہوں

پاس ادب سے کہہ نہ سکے کچھ رفیق دیار ۱۶ بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباس نامدار
دل کو غلام کے نہیں آئے گا یاں قرار سایہ کی طرح ساتھ نہ چھوڑے گا جانثار

شاید نہ جہنم یاں تلک آواز دور کی

کفشیں لیے رہے گاہ خدام حضور کی

سمجھا کے بھائی کو گئے حاکم کے پاس شاہ ۱۷ اس نے کہا معاویہ نے لی عدم کی راہ
پڑھیے خط بزد کو اسے شاہ دیں پناہ پڑہ کر وہ خط امام نے کھینچی جگر سے آہ

فرمایا سر کٹے تو کٹے کچھ الم نہیں

دانتہ دیویں ہاتھ سے عزت، وہ ہم نہیں

ہم ہیں ستوں دین نشان رویس ۱۸ خالق نے اپنے راز کا ہم کو کیا امیں
 واقعہ ہم ہیں وارث سردارِ حلسیں روشن ہمارے نور امامت سے ہے زمیں
 گردش سے گوزمانے کی مظلوم آج ہیں
 فضل خدا سے عرشِ معلیٰ کے تاج ہیں
 بیجا ہماری شان میں خالق نے مَلّا ۱۹ کافی سند کے واسطے ہے فقط کُل کفّ
 فریادِ ہماری تن پہ ہے تشریف اٹھا ہم کو کیا خدا نے سوا فرازِ لا فتنی
 ہم سے زیادہ کس کا ہے رتبہ جہان میں
 قرآن ہے تین حصہ ہماری ہی شان میں
 یہ کہ کے اٹھ کھڑے ہوئے شاہِ ذوالاقترا ۲۰ قبر رسول پر اسی شب کو گئے امام
 لپٹے ضربِ پاک سے اور یہ کیے کلام رخصت کر حسین کو یا سیدِ انام
 قربت میں لے کے جلد لے لیجے سینے سے
 امداد نکالے دیتے ہیں مجھ کو مدینے سے
 حضرت کی قبر چھوٹی ہے مجھ سے نانا جان ۲۱ میں چھپ رہوں کلیں، انہیں ایسا کوئی مکان
 آرام سے گھروں میں ہیں سب زیرِ آسمان فریاد ہے حسین کو ملتی نہیں اماں
 ناموس کو حضور کے کس جا بٹھاؤں میں
 بچے ذرا ذرا سے کہاں لے کے جاؤں میں
 یہ جو کہا امام نے آنسو بہا بہا ۲۲ بس یک بہ یک مزارِ نبی کا پنے کا
 آئی ضربِ پاک محمد سے یہ صدا ماں باپ میرے تجھ پہ فدا اور میں فدا
 تیرے الم سے خنجر کیس دل پہ چلتے ہیں
 جاتا ہے تو، تو قبر سے ہم بھی نکلتے ہیں
 داں سے دوا ہو کے گئے ماں کی قبر پر ۲۳ دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؓ برہنہ سر
 کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر بھائی مرادینہ سے ہے عازمِ سفر
 ملتی نہیں پناہ مشہ دیں پناہ کو
 سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

اں تمہاری بیٹیاں ہوتی ہیں بے وطن ۲۴ کیوں کر بچائے بھائی کو آفت سے یہ ہیں
چھ بے اجاز ہوتا ہے بھولا بھلا چمن دو دن سے بے قرار ہے شاہنشاہِ زمیں
کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ شب کو سوتے ہیں
قربت پہ نانا جان کی جا جا کے روتے ہیں

زینب کو روتا دیکھ کے رو کے بہت امام ۲۵ رخصت کا ماں کی قبر کو، جھک کر کیا سلام
شب بھر تو گھر میں روتے رہے شاہِ داخلِ عالم وقتِ سحر وطن سے چلے سید ۲۶
رستے پہ شہر کے تو سواری کا شور تھا
اہل وطن کے نالہ و زاری کا شور تھا

مایوس تھے جو فاطمہ کے نورعین سے ۲۶ ملنے تھے آنکھیں پائے شہِ مشرقین سے
اس رات کوئی گھر میں نہ سویا تھا چین سے غلِ حمادینہ ہوتا ہے خالی حسین سے
رخصت حرم سے عورتیں آ آ کے ہوتی ہیں
کوٹھڑوں پہ پردہ والیاں منڈھانچے دھوتی ہیں

آتی تھی جب عمارِ زینب قریبِ بام ۲۷ ان عورتوں سے کہتی تھی یہ خواہرِ امام
اے بیبیوں برائے خدا ہے یہ میرا کام شہ کی سلامتی کی دعا کی جو صبح و شام
وہ دن خدا کرے کہ خوشی تم کو پاؤں میں
بھائی کو لے کے خیر سے پھر گھر میں آؤں میں

ملک کے ملک تو ساتھ تھا غفلت کا اثر دام ۲۸ سب کو وداع کر کے، روانہ ہوئے امام
ابن حرم کو ساتھ لیے با صد احترام اس رکنِ دین نے، کعبے میں جا کر کیا قیام
تھا قصدِ حج حبیبِ خدا کے حبیب کو
واں بھی ملا نہ چینِ حسینِ غریب کو

صحرائے کریم میں ہوا جب درودِ شاہ ۲۹ اس رہبرِ زمانہ کی واں آ کے رو کی راہ
منظور تھا کہ ہو دیں بنی فاطمہ تباہ چاروں طرف سے قتل کو آنے لگی سپاہ
دیا تھا گرد و موجِ زنی افواجِ شام کا
تھا جوں جناب، بچ میں خیمہ امام کا

کرتے تھے استفادہ امام فلک جناب ۲۰ موجود تھے وہ سب پر نہ دیتے تھے کچھ جواب
اس وقت بڑھ کے شمر لیں لے کیا خطاب بس بس سخن کو طول نہ اب دیجئے بے عتاب
تینیں کھینچی ہوئی ہیں سرانجام جنگ ہے
باتوں کا ہے یہ وقت کہ ہنگام جنگ ہے

فرمایا شہ نے قتل کا میرے ہے مگر خیال ۲۱ مہلت طلب ہے، آج کی شب فاطمہ کا لال
مردود نے کہا، نہیں مقبول یہ سوال اکبر بجز کے کہنے لگے، او زبوں خصال
مہلت ملے مجوس و نصاریٰ کے واسطے
اور حکم قتل، سید والا کے واسطے

کچھ سوچ کر یہ کہنے ۲۲ شمر رویا دی مہلت آج آپ کو یا شاہ دیں پناہ
خیے میں آئے روتے ہوئے دشت کیں نے شاہ دیکھا کہ حال حضرت زینب کا ہے تباہ
کل کل کے ہاتھ کہتی ہیں، ہے ہے میں لپٹی ہوں
پر دیں میں حسیں سے بھائی سے چھٹی ہوں

زینب کے پاس روتے گئے اور یہ کہا ۲۳ بھینا ابھی سے روتی ہو کیوں تم پہ میں خدا
مہلت ہے شب کی، آؤ گلے سے لگو ذرا ہوں گے نہ اور چار پہر تم سے ہم جدا
تم قیدیوں میں جاؤ گی ہم دن میں سنیں گے
مہان ہیں اور آج کی شب کل نہ ہو میں گے

بنت علیؓ یہ کہنے لگی سر پیٹ کر ۲۴ دیتے ہو اپنے مرنے کی بھائی مجھے خبر
ہے ہے جہاں سے پہلے نہ میں کر گئی سفر اعدا مجھے پھرائیں گے بلوے میں نکلے سر
بہتر ہے موت آئے، اگر اس حیات سے
گورو کفن کو پاؤں گی، بھائی کے ہات سے

روئے امام سن کے بہن کا سلام یا اس ۲۵ فرمایا سچ ہے دار فناء ہے مقام یا اس
پھر اور امیدوں کو آیا پیام یا اس گذرا وہ روز چھا گئی خیے پر شام یا اس
سیدانوں کو قطع امید حیات تھی
وہ دشت ہو لٹاک تھا اور کالی رات تھی

کرتا تھا سائیں سائیں وہ مھرائے لہو دوق ۲۶ تھے بیبیوں کے صوبت مہتاب رنگِ فنی
دم گھٹتے تھے اندھیرے سے بچوں کو تھا قلق آواز سے دزدوں کی ہوتے تھے سینے شق

نہیں انہیں سلائی تھیں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

سینوں سے لپٹے جاتے تھے وہ کانپ کانپ کے

پیا سے مسافروں کو جو شبِ خوں کا خوف تھا ۲۷ خیمے کے گرد بچھرتے تھے عباس با وفا

اتندِ شیر دیتے تھے ہر بار یہ صدا بیدار، ہوشیار، جوانانِ مرتضیٰ

نزدیک صبح جنگ ہے، کچھ رات اب نہیں

آقا بھی جاگتے ہیں، یہ غفلت کی شب نہیں

نزدیک خیمہ رہیو کہ آقا نہیں ہیں دور ۲۸ ناموسِ مصطفیٰ کی خبر داری ہے ضرور

حوروں کی ہے طلب، کہ نہ خدمت میں ہو قصور حاضر رہو کہ حق کی عبادت میں ہیں حضور

اس رات بستروں پہ نہ جا جا کے سوئو

کل دن سے پاؤں دشت میں پھیلا کے سوئو

بالا وہ آسماں پہ ہوا صبح کا ظہور ۲۹ پھیلی سپیدی، ہو گئی ظلمت جہاں دور

کافور کی طرح سے اڑا، رٹے مر کا نور یادِ خدا میں زمزمہ کرنے لگے طیسور

آسمان صبح کے جو عیاں ہوتے جاتے تھے

حضرت نماز پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے

پھر اسلام جب تو اٹھائے دعا کو بات ۳۰ خالق سے کی یہ عرض کہ اے ربِ پاکفات

سب راتیں ہو چکیں، نہیں باقی ہے کوئی رات ہے روزِ قتل قطع ہوئی مدتِ حیات

طاعت کا وقت، ہاتھ سے کھویا نہیں کبھی

شاہد ہے تو کہ شام سے سو یا نہیں کبھی

شرمندہ ہوں کہ کس لیے آیا تھا کیا کیا ۳۱ جو حقِ بندگی تھا، نہ وہ بھی ادا کیا

تو نے کرمِ حسینؑ نے لا انتہا کیا یاں تک کہ سارے خلق کا حاجت دہا کیا

صدمہ ہے آج فاطمہؑ کے نورِ مین پر

آسان کر دے قتل کی مشکل حسین پر

ہتیار سچ کے صحن میں آئے امام پاک ۴۲ دیکھا کہ اہل بیت گمراہاں کیے ہیں چاک
فرمایا الوداع کہ اب ہوں گے ہم ہلاک ناموس مصطفیٰ نے اڑائی سروں پہ خاک

بانوئے شاہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑیں

زینب قدم پہ شاہ کے گھبرا کے گر پڑیں

ہو کر وداع، گھوڑے پر حضرت ہوئے سوار ۴۳ حلقہ کیے تھے گردِ عنبریز و رفیق دیار
مانند گل، شگفتہ تھا ہر ایک گلے زار سبھی فاطمہ کے باغ پہ، وہ آخری بہار

مرنے کے شوق میں قدم آگے جو بڑھتے تھے

ہنس ہنس کے باتیں کرنے میں کیا چہل چڑھتے تھے

مولائے ساتھ، صبح سے کھولی نہ تھی کمر ۴۴ آتے تھے تیرا دھرے تو بن جاتے تھے پیر
زخموں سے چود ہو ہو کر تے تھے خاک پر رکھتے تھے شر کے پائے مبارک پہ اپنا سر

کیا خوش نصیب وہ تھے کہ جب دم نکلتے تھے

منہ اپنا ان کے چہروں پر شبیر ملتے تھے

قاسم نے رن میں لاشہ پر لاشہ گرا دیا ۴۵ عباس نے بھی خون کا دریا بہا دیا
اکبر نے دم میں ناموروں کو بھگا دیا اندازِ ضربِ شیر الہی دکھا دیا

تہا جب ان کے بعد شہِ محرو بر ہوئے

تیروں کے سامنے علی الصغر سپر ہوئے

اس وقت یاتین امام پہ کیا بے کسی دیا س ۴۶ لاشیں تھیں گر و ملو نہ تھا کوئی آس پاس
فاقہ تھا تین روز کا سولہ پہر کی پیاس دشمن کئی ہزار، اکیلا وہ حق شناس

اعدا اُدھر تو نیزوں پہ نیزے لگاتے تھے

خمیے سے اہل بیت اُدھر نکلے آتے تھے

میدان میں آ کے کہنے لگا شہر بے ادب ۴۷ طاقت علی کی کیا ہوئی لڑتے نہیں ہر اب
جو آپ کو بچاتے تھے اسے گئے وہ سب ہاتھوں کے کانپنے کا ہے شاید ہی سبب

اب کی جو فوج گھوڑوں کی باگیں اٹھائے گی

حضرت سے ذوالفقار بھی کہیں نہ جائے گی

یہ سن کے آگیا شہم ذی جاہ کو جلال ۴۸ مانند شیر ہو گئیں آنکھیں خضبے لال
 بل کھاکے اٹھے پیش منصفیٹ کے سار بال فرمایا سامنے سے سرک، او زبوں خصال
 تو جانتا ہے ابن عثلی کو، ہر اس ہے
 مجھ کو فقط رسول کی امت کا پاس ہے

مشہور ہے کنندہ غیبی، مرا پدر ۴۹ لشکر اٹھالوں کوہ کا، ٹوٹی ہے گو کمر
 کچھ سوچتا نہیں کہ موا ہے جواں پسر لرزہ ہو شیر کو، جو کروں غیظ سے نظر
 وارث ہوں ذوالفقار جناب امیر کا

رگ میں میری زور ہے زہرا کے شیر کا
 لئے حکم جنگ کس لیے لڑنے میں دیر ہے ۵۰ دیکھوں تو فوج شام کی کیسی دلیر ہے
 گو ہاتھ کا نپتے ہیں مراد تو شیر ہے شبیر بھوک پیاس میں بیٹے سے سیر ہے
 بھائی کا غم سہا علی اکبر کو روچکا
 کس کس جوان کو، انھیں ہاتھوں سے کھوچکا

یہ کہ کے کہیں تیغ تو تھمے گئے فلک ۵۱ فریاد کا سما سے ہوا شور تا سماک
 دیکھی گئی نہ تیغ نہ اشد کی چمک آنکھوں کو بند کر کے لگے کانپنے ملک
 تابندگی برق بجکا ہوں سے غم گئی
 شکل اجل، لعینوں کی آنکھوں میں پھر گئی

پشتے زنجیروں کے چپ وراس و پیش و پس ۵۲ بجلی سا کوندتا تھا ہر ایک غول میں فرس
 جلتے تھے برق تیغ سے امد امثال خس ہر صف میں تھا یہ شور کہ بس لے حسین بس
 تم نے پیاجے شیر جناب بتوں کا
 امت پر رحم کیجیے صدقہ رسول کا

اس وقت ہاتھ روک کے گویا ہونے یہ شاہ ۵۳ تم نے کیا نہ رحم کہ اکبر تھا بے گناہ
 مارا جواں پسر کو یہ کیا منصفی تھی واہ میں ہو گیا تباہ کہ تم ہو گئے تباہ
 پوچھو تو اس سے فلک میں ہیں کاکر ملے
 ہاں پھر تھے یہ ہاتھ جو میرا پسر ملے

یہ کہہ کے چاہتے تھے کہ پھر ہوں حملہ ور ۵۴ دیکھانہی کے ہاتھ کو گھوڑے کی باگ پر
فرا تے ہیں حسین بس امت پر جسم کر اے لال میرے پاس ہے تیرا جواں پسر

جب تک کہ سر کٹا کے زجنت میں آؤ گے

عباس سے ملو گے نہ اکبر کو پاؤ گے

یہ سنتے ہی میان میں لی شہر نے ذوالفقار ۵۵ رو کر کہا کہ آپ کی امت کے میں نثار

اب ہے فقط حسین کو، اماں کا انتظار آئی صدا بتول گی اے میرے گلزار

میں بیٹیتی تھی بر بھی جب اکبر نے کھائی تھی

اماں تو دیر سے تمہیں لینے کو آئی تھی

اس بن کی خاک میں کبھی سر پہ اڑاتی ہوں ۵۶ اصغر کی لاش کو کبھی چھاتی لگاتی ہوں

زینب کو تھامنے کبھی خیمہ میں جاتی ہوں سر بیٹیتی ہوئی کبھی میسداں میں آتی ہوں

راحت میں فاطمہ کے نہ کیوں کر خلل پڑے

جس کی کمائی لٹتی ہو کیا اس کو کل پڑے

یہ ذکر تھا کہ ٹوٹ پڑی شہر پہ فوج شام ۵۷ باہم چلے یہ تیر کہ تن چمن گیا تمام

چھوٹی رکاب پاؤں سے اور ہاتھ سے لگام تلوار فرق پر جو لگی جھک گئے امام

ہر ملی بی در پہ خیمہ کے فٹ کھا کے گرتی تھی

گھوڑے کے گرد فاطمہ سر ننگے پھرتی تھی

آخر گرا زمین پہ زہرا کا ازبیں ۵۸ عرش الہ کا نپ گیا ہل گئی زمیں

آگے بڑھا چڑھائے ہوئے شہر آستیں زانو تو رکھا چھاتی پہ، گردن پہ تیغ کیوں

جلے سر نماز میں پسر فاطمہ ہوا

سجدہ نہ ہو چکا تھا کہ بس غامہ ہوا

بس اے آئیں ختم کلام اب ضرور ہے ۵۹ لطف سخن اٹھاتا ہے جو ذی شعور ہے

دعویٰ کلام کا نہ بیاں کا غور ہے حاسد جلیں تو اس میں مرا کیا قصور ہے

مارا، داغ بحث و سر کار زار نیست

لیکن دلِ دونیم، کم از ذوالفقار نیست

مرثیہ (۳)

فرز نہ میسر کا مدینے سے سفر ہے ۱ سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
در پیش ہے وہ غم، کہ جہاں زیرِ دربر ہے گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بہ سر ہے
گل رُو صفت غنچہ کربتہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہر سفر، سر و قبا پوش ۲ عمامے سروں پر ہیں عجائیں بسرو پوش
یاراں وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش حیراں کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
منہ ملتا ہے رو کر کوئی سرو کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

عباس کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ ۳ اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ اللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ واللہ دلوں پر ہے عجب سعد مرزا نکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ انس، یہ خلیق حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ، جو عون و محمد کے ہیں، ہم سن ۴ کہتے ہیں کہ کتب میں نہ جی پہلے کا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں، یہ نہیں ممکن گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرت شبیر کے سایے میں چلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

بجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر ۵ ہاں بھائی تو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر اموں رہیں جگہ میں تو اپنا ہے وہی مگر
وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

رضعت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم ۶ ہر قلب حسد ہے تو ہر اک چشم ہے پر غم
ایسا ہنسٹیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم غل ہے کہ چلا دل بر مخدومہ عالم

خدا م کھڑے پیٹتے ہیں قبر نبی کے
رو نہ پہ ادا سی ہے رسول عربی کے

ہے جب سے کھلا حال سفر بند ہے بازار ۷ یہ جس غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاندار
خاک اڑتی ہے ویرانی شرب کے ہیں آثار ہر کوپے میں ہے شور، کہ ہے ہے شبہ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا

جاتا ہے دینے سے شہنشاہ ہمارا

تمہیر سفر میں ہیں ادھر سبط پیمبر ۸ گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلو اتے ہیں جہاں دلدار تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبر
شبہ کو جنھیں لے جاتا ہے، وہ بٹے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلتے ہیں گھوڑے

حاضر در دولت پہ ہیں سب یاد و انصار ۹ کوئی تو کمر باندھا ہے اور کوئی ہتھیار
ہو درج بھی کسے جاتے ہیں مہل بھی ہیں تیار چلتے ہیں درباں، کوئی آنے نہ خبردار
ہر محل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ بڑے ہیں
پردے کی فتائیں لیے فراش کھڑے ہیں

عورات محلہ چلی آتی ہیں بصر غم ۱۰ کہتی ہیں یہ دن رحلت زہرا سے نہیں کم
پڑ سے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم فرش اٹھتا ہے کیا بختی ہے گویا صفا نام
غل ہوتا ہے ہر سمت، جدا ہوتی ہے زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

لے لے کر بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر ۱۱ اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیر
سمجھتی نہیں بھائی گواہ شاہ کی، جمشیر مسلم کا خطا لے تو کریں کوچ کی تمہیر
اللہ ابھی قبر پیمبر کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے لک رہتے تھے جس گھر کے نگہبیاں ۱۲ کیوں اپنے بزرگوں کا مکان کرتے ہیں ویراں
کوئے کی بھی خلقت تو نہیں صاحب ایماں بی بی یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں

ایک ایک شقی دشمنِ اولادِ علیؑ ہے

شمسِ بستمِ داں سرِ حیدر پر چلی ہے

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہوئے گا خالی ۱۳ بربادیِ شرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جائیں پھر آئیں کہ نہ آئیں مشہرِ عالی حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی

زہرا ہیں نہ حیدر نہ پیمبر نہ حسن ہیں

اب اُن کی جگہ آپ ہیں یا شاہِ زمن ہیں

گرمی کا یہ دن اور بہاڑوں کا سفر آہ ۱۴ ان چھوٹے سنے بچوں کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذی جہاہ

قطرہ بھی دم تشنہ دہانی نہیں ملتا

کو سوں تلک اس راہ میں پانی نہیں ملتا

منہ دیکھ کے اصفرا چلا آتا ہے رونا ۱۵ آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
محو لایہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا

کیا ہوگا جو میدان میں ہو اگر م چلے گی

یہ بچوں سے کھٹلائیں گے ماں ہاتھ ملے گی

ان میموں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہم شیر ۱۶ بہنوں ہمیں شرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں غصہ بھر

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہ نہیں سکتی

بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

اماں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی ۱۷ قاتلے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی

نظارہ میں تو ما بین لحدِ سوتی میں اماں

میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں اماں

ہے روح پہ اماں کی قلق کرتی ہیں زاری ۱۸ سر پیٹتے ہیں نے انھیں دیکھا کئی باری
 روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری فرماتی تھیں بھائی سے خبر داریں واری
 غم خوار ہے تو اور خدا حافظ جاں ہے

نہ باپ ہے سر پر مرے بچے کے نہ ماں ہے
 یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی مصیبت ۱۹ کچھ جان کی تھی فکر نہ ان کو دم رحلت
 آہستہ یہ فرماتی تھیں با صد غم و حسرت شہید شدہ اکے جو سوئے وادی غربت
 اس دن مری تربیت بھی منہ موڑیو زینب
 اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینب

اماں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیوں کر ۲۰ گھر بھائی سے تھا بھائی نہ ہو گا تو کہاں گھر
 دوہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر رسی سے بندھے ہاتھ کہ بلوے میں گھلے سر
 جو ہووے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینب
 اس کو پج کے انجم سے آگاہ ہے زینب

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شب عادل ۲۱ تیار ہیں دروازے پر سب ہو دُوح و محل
 طے شام تلک ہوگی کہیں آج کی منزل رخصت کرو لوگوں کو بس اب ملنے سے حاصل
 چلتی ہے ہو اس سردا بھی وقت سحر ہے
 بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو ان کو جو کہ میں ملنے کو آئے ۲۲ کہہ دو کوئی گھہوارہ اصغر کو بھی لائے
 نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے جانے کی خبر میری نہ صفر کہیں پائے
 ڈر ہے کہیں گھبرا کے نہ دم اس کا بھل جائے
 باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

رخصت کو ابھی قبر پر پہنچے ۲۳ کیا جانے پھر ہو کہ نہ ہوئے مرا آنا
 اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا اس مرقہ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
 آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
 چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسن سے

سن کر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری ۲۳ میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغریٰ پیاری ایکس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں

اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں
ہاں ہوں میں، کیجئے نہیں سیدہ میں نہ بھلتا ۲۵ صاحب مرے دل کو ہے کوئی ہاتھوں ملتا
میں تو اسے لے چلتی، پہ کچھ بس نہیں چلتا رہ جاتیں جو نہیں بھی تو دل اس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری پہ کھڑی ہے

پر اب تو مجھے جان کی صغریٰ کی پڑی ہے
چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھیں تو کھولو ۲۶ کہتی تھی سکید کہ ذرا منہ سے تو بولو
ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلیگر تو بولو چھاتی سے لگو باپ کی دں کھول کے دلو

تم جس کی ہوشیدا وہ برادر نہ ملے گا
گھر بھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا
ہشیار ہو کیا صبح سے یہ ہوش ہے خواہر ۲۷ اصغر کو کرو پیار کیلجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اٹھ کے کھڑی رہتی ہیں مادر ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر

افسوس ناسی طور سے غفلت میں رہی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی
سن کر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے ۲۸ بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یلائے کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو چلائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیوں کرا سے لے جاؤں سفر میں
کہ کر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوش خو ۲۹ اور سورۃ الحمد پڑھا تمام کے بازو
بیمار نے پانی گل زہرا کی جو خوش بو آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے میاں میرے پاس آئے ہیں اماں

ماں نے کہا ہاں ہاں وہی آئے ہیں مری جاں ۳۰ جو کہنا ہو کہ لو کہ یہاں اور ہے سااں
دیکھو تو اور مرو تے ہیں بی بی شہنزی شاں صغرانے کہا ان کی محبت کے میں قرواں
وہ کون سا سااں ہے جو یوں روتے ہیں بابا

کھل کر کہو مجھ سے کہ جدا ہوتے ہیں بابا
یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر ۳۱ نہ فرس، نہ ہے مسند فرزند یمبر
دالان سے کیا ہو گیا گہوارہ افسر اجڑا ہوا لوگوں نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منہ سے تو بولو مراد مگھتا ہے اماں
کیا سب یمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شعبہ کامنہ بخنے لگی بانوئے مغموم ۳۲ صغرا کے لیے رونے لگیں زینب و کشتوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم پردہ رہا اب کیا تمہیں خود ہو گیا معلوم
تم جتنی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار ۳۳ میں پایہ رکاب، اور ہو تم صاحب آزار
پھر آتا ہے وہ گھر میں، سفر میں جو ہو بیمار تکلیف تمہیں دوں یہ مناسب نہیں زہار
غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لوں پلٹی ہے خاک روتی ہے گرمی کے ہیں آیام ۳۴ جنگل میں نہ راحت، نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح، تو جنگل میں کہیں شام دریا کہیں حائل، کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مڑتا ہو تو مرجائے

صغرانے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار ۳۵ پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار تبریک فقط آپ کا ہے شربت دیدار
گرمی میں بھی راحت سے گذر جائے گی بابا
آئے گا سینہ تپ اُتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں ۳۶ اُف تک نہ کروں، بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں قربان گئی، چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا راہ میں گر روئے گی صغرا

یا نیند کب آتی ہے جو داں کھنکھائی صغرا
وہ بات نہ ہوگی، جو بے چین ہوں مادر ۳۷ ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر لونڈی ہوں سکینہ کی، نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں سمجھتی کہ عساری میں بٹھا دو
بابا مجھے فتنہ کی سواری میں بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ ۳۸ میں کہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جوراہ
کھل جائے گا یہ راز بھی، گو تم نہیں آگاہ ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہوں صغرا

اے نوبہر آنکھوں پر لے کر تجھے چلتا ۳۹ تو مجھ سے بہشتی، مراد دل تجھ سے بہتا
تپ ہے تجھ، اور غم سے جگر بے مرا جلتا یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سلجھتا
جز بھر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانتہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

منہ کھنے لگی ماں کا وہ بیمار بصر غم ۴۰ چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ کھنکھائے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں، بی بی شہ عالم میرے تو کیلچے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زہنہار ۴۱ سب کی ہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے، نہ وہ پیار اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ نہا سب ہیں غم غوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
پچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے ماضی ہیں سلامت رہیں اکبر ۳۲ اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی قصد

پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے

نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے ۳۳ میں کون جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو فرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے زلفیں جو الجھتی تو، سلجھوانے کو آتے

کل تک تو مرے حال پریشاں پہ نظر تھی

تقدیر کے اس بیج کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہیں جناس دلادور ۳۴ میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آکر
سر سبز رہے خلق میں نو بادۂ شہر شادی میں بائیں مجھے یہ بھی نہیں باور

بے دو لہا بنے منہ کو چھاتے ہیں ابھی سے

میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور ۳۵ بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں ادبجانی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور ہمسرا ہی بیمار کسی کو نہیں منظور

دنیا سے سفر، رنج و مصیبت میں لکھا تھا

تہائی کا مزا میری قسمت میں لکھا تھا

سب یہ بیاں دفن نے لیں سن کے یہ تقریر ۳۶ چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شہیر
لو مبر کرو، کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر منہ دیکھ کے چہرہ گئی وہ بیکس و دلگیر

نزدیک تھا دل چہرے کے پہلو نکل آئے

اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ ۳۷ اکبر کو بلاؤ، علی اصغر کو بھی، لاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو

لینے انھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر ۴۸ کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی، چھاتی پہ منہ رکھ کے، وہ دلگیر محبوب برادر ترے قسربان یہ ہمیشہ

صدقے ترے سر پر سے آوارے مجھے کوئی

بل کھائی بیڑی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے ۴۹ تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کھلنے کے میں صدقے کیوں ہوتے ہوا شک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے

جلد آن کے بھینا کی خبر لےجیو بھائی

لے میرے کہیں بیاہ نہ کر لےجیو بھائی

لکھنا مجھے نسبت کا اگر ہو تمہیں سامان ۵۰ حقدار ہوں میں نیگ کی میرا بھی ہے دھیان
اور مرگئی پیچھے، تو رہے دل میں سب سامان لے آنا دولہن کو مری تربت پہ میں قربان

خوشنود مری روح کو کر دےجیو بھائی

حق نیگ کا تم قبر پہ دھر دےجیو بھائی

پیارے مرے بھامرے مرد، علی اکبر ۵۱ چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو، علی اکبر
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو، علی اکبر ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمہیں، ہر سو علی اکبر

دل سینے میں کیوں کرتا دہلا نہ رہے گا

جب چاند بچھے گا تو اجالا نہ رہے گا

کیا گذرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی ۵۲ کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
تشریف نہ دیا جائے کب لاؤ گے بھائی کی دیر تو بیٹا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی

کیا دم کا بھروسہ کہ چہرا رخ سحری ہیں

تم آج مہاسر ہو تو ہم کل سفری ہیں

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا ۵۳ صحت سے جو ہیں ان میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا ہم گود کی منزل کی طرف ہوں گے روانا

کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری

وہ راہ تمہاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے، غم اس کا نہیں زہار ۵۳ دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں ہو گئے آہار
 قبلہ کی طرف، کون کرے گار بخ بیمار یسین بھی پڑھنے کو نہ ہو گا کوئی غم خوار
 سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی
 میں ہچکیاں لے لے کے تمہیں یاد کروں گی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغراتے قربان ۵۵ گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
 بیکس مری بچی، ترا اللہ عجیبان صحت ہو تجھے میری دعا ہے۔ ہی ہر آن
 کیا بجائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
 کفنے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس نہ کرو گری وزارتی ۵۶ اصغر مرادوتا ہے صداسن کے تمھاری
 وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری
 چھلتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے حم
 اصغر مری آواز کو پہچان گئے حم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی ۵۷ تب ہے تمہیں چھاتی سے میں اپنا نہیں سکتی
 جودل میں ہے لب پر وہ سن لا نہیں سکتی رکھ لوں تمہیں اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
 بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے
 تم ہو سو تمہیں طاقت گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار ۵۸ صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
 لے لے کے بلائیں یہ لگی کھنے وہ بیمار جبک جبک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
 دنیا سے کوئی دلی میں گذر جائے گی صغرا
 تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مرجائے گی صغرا

جاس نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا ۵۹ چلنے کو ہے اب قافلہ تیار ہمارا
 لپٹا کے گلے طرہ صغرا کو دوبارا اگلے شہر دیں، گھر تم و بالا ہوا سارا
 جس چشم کو دیکھا سو وہ پُر غم نظر آئی
 اک مجلس ماتم تھی، کہ برہم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہر ابرار ۶۰ روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے حریت اظہار
فسر آشوں کو عباس پکارے یہ بہ نیکار پر دے کی قساقوں سے خبردار اخبار
باہر حرم آتے ہیں، رسول دوسرا کے
شفق کوئی جھک جائے نہ جمونے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹے پہ چڑھا ہودہ اتر جائے ۶۱ آتا ہوا دھر جودہ، اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناتے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مرہم سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباس علی سے علی اکبر نے کہا تب ۶۲ ہیں قافلہ سالار حرم حضرت زینب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محل میں چڑھیں سب حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہرا کی بسگ بنت علی ہے
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ علی ہے

ہمچی جو ہیں ناتے کے قسریں دختر حیدر ۶۳ خود ہاتھ پکڑنے کو بڑے سب بڑے پیر
فطرے تو سنبھالے ہوئے تھی گوشہ چادر تھے پردہ تحمل کو اٹھائے علی اکبر
فرزند گزشتہ چپ در اس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عباس کھڑے تھے

اک دن تو مہیا تھا، یہ سامان سواری ۶۴ اک روز تھا وہ، گرد تھے نیزے لیے ناری
محل تھا، نہ ہودج، نہ کجاہ، نہ عماری بے پردہ تھی وہ حیدر کھار کی پیاری
نئے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ اور ہاتھ بندھے تھے

زینت دو محل جو ہوئی دختہ زہرا ۶۵ ناقوں پہ چڑھے سب حرم سید والا
آنے لگے رہوار، کھلا گرد کا پردا عباس سے بولے یہ شہر شرب و بطحا
صدمہ ہے پکھڑنے کا مرے روج نبی پر
رخصت کو چلو قبر رسول صربی پر

ہے قبر ۱۱ کی مقدم مجھے جہا ۱۱ کیا جانے پھر ہو کہ دو شہر میں آنا
 اماں کی ہے عریضہ پہ ابھی انگ جہا ۱۱ اس مرتد اوند کو ہے آنکھوں سے لانا
 آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
 چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسن سے

پیدل شہ دیں دوزخ اکٹھا کو سدا کے ۱۲ تربت سے صدا آئی کہ آ امرے پیائے
 تعویذ سے شہر لپٹ کر یہ پکارے ملتا نہیں آرام لوا سے کو تمہارے
 خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے ۱۳
 آج آخری رخصت کو سلام آیا ہے ۱۴

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی ۱۵ راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
 دکھ کوئی سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی ہیں آپ جہاں، راہ وہ اصلا نہیں ملتی
 پابند مصیبت ہوں گرفتار بلا ہوں
 خود پاؤں سے اپنے طرف قبر چلا ہوں

میں اک تن تنہا ہوں ستم گار ہزاروں ۱۶ اک جان ہے اور دہ پئے آزاد ہزاروں
 اک بھول سے رکھتے ہیں غلٹ غار ہزاروں اک سر ہے فقط ادھر سیر ہزاروں
 دامن جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں
 خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمایا اب جائے کدھر آپ کا شہیر ۱۷ یاں قید کی ہے فکر اُدھر قتل کی تدبیر
 تیغیں ہیں کہیں میرے لیے اور کہیں زنجیر خوں ریزی کو کعبہ ملک آپہنچے ہیں بے پیر
 پنج جاؤں، جو پاس اپنے بلا لیجیے نا
 تربت میں لوا سے کو چھپا لیجیے نا

یہ کہ کے ملا قبر سے شہ نے جو بیخ پاک ۱۸ لپٹے لگا صدے سے مزار شہر لولاک
 جنبش جو ہوئی قبر کو تھر اگئے افلاک کاہی جو زمیں صحن مقدس میں اڑی خاک
 اس شور میں آئی یہ صدا دوزخ جد سے
 تم آگے جلو ہم بھی جھلکتے ہیں لمحہ سے

ہاتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح ۲۲ تو شہر سے جاتا ہے تپشتی ہے مری روح
بلے تیغ کیا، غنجرِ خم نے ترے مذبح کے کشتی امت پہ تباہی، کہ چلا نوح

افلاک امامت کا سچے بد نہ سکے

بلے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سکے

مارا گیا جس روز سے شبِ بزمِ مراپیارا ۲۳ اس روز سے ٹھوٹے ہے کلیجہ مرا سارا
اب قتل میں ہوتا ہوں ترے ساتھ دوبارا امت نے کیا پاس ادب خوب ہمارا

زہرا کی جو بستی کو احباڑیں تو عجب کیا

احدائے تربت سے اکھاڑیں تو عجب کیا

اس ذکر پہ رویا کیے شبِ ہر کو جھکائے ۲۴ واں سے جو اٹھے فاطمہ کی قبر پہ آئے
پانچین لحد گر کے بہت اشک بہائے آواز یہ آئی کہ میں صدقہ مرے جائے

ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں

پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

حزبت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری ۲۵ گھبرا کے مٹی آئے غف سے کئی باری
کچھ تھے کہ اے احمدِ محنت را کی پیاری خم پاس ہو تربت ہے بہت دور ہماری

گھر لٹتا ہے کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہرا

کیا ہم سے نہ رخصت کو حسین آئے گا زہرا

میں نے جو کہا قبر سے کیوں نکلے ہو باہر ۲۶ نہ سر پہ حمام ہے نہ ہے دوش پہ چادر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں لے بنتِ پیمبر مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر

ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں

تلواریں ہیں اب اور مرے بچوں کے گلے ہیں

پھرتا ہے مری آنکھوں میں شہیرِ ہلاکت ۲۷ وہ غمِ فرات اور کئی کو سس کا جھل
وہ بجلیاں تلواریں کی اور شام کا بادل دیا سے وہ پاسوں کے شامیئے کی ہلچل

شہیر کے سر پر سے یہ آفت نہ ٹلے گی

دوسری کو محرم کی چھری مجھ پہ چلے گی

سن کر یہ بیاں باپ کا مادر کی زبانی ۷۸ رو رو کے پکارا اسد اللہ کا جانی
 ہاں والدہ سچ ہے دہلے گا مجھے پانی پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی
 بچپن میں کیا تھا، مرا ماتم شہد دیں نے
 نانا کو خبر دی تھی مری روح امیں نے

پہلو میں جو تھی خاطر کے تربت شہپر ۷۹ اس قبر سے پلٹے بہ محبت شہد صفد
 چلائے کہ شبیر کی رخصت ہے برادر حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسر
 قبریں بھی جدا ہیں تہ افلاک ہماری
 دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

یہ کہ کے چلے قبر حسن سے شہد مظلوم ۸۰ رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
 یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
 خالی ہوا گھر آج رسولِ مسرہنی کا
 تابلوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

جب اٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومہ عالم ۸۱ سر پہ بیٹھے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
 برپا تھا جنازے پہ غم کے یونہیں ماتم تھا رحلتِ شہپر میں محبتوں کا یہی غم
 بس آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ
 اب پنجتنِ پاک سے خالی ہے مدینہ

چلائی تھیں راہ میں کہ چسلی شہ کی سواری ۸۲ لے گا خراب کون مصیبت میں ہماری
 آنکھوں سے یموں کی دراشک تھا جاری مضطر تھے اپانچ ضعفا کرتے تھے زاری
 کہتے تھے گدا، ہم کو غسنی کون کرے گا
 محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

تھا، ناکے تلک شہر کے اک شور قیامت ۸۳ سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حفرت
 رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے زہمت پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیادت
 آخر تو پھر کر کف افسوس ملیں گے
 دس بیس قدم اور بھی ہمسرا چلیں گے

قسین انھیں دے دے کے کہا شہر نے کہاؤ ۷۵
 اللہ کو سونا تمھیں آنسو دہاؤ پھرنے کے نہیں ہم سے بس باب اتھا اٹھاؤ
 اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
 یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا
 روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدا سے ۷۶ جو صاحب قسمت تھے وہ ہمراہ سدا سے
 کس شوق سے مردان حق آگاہ سدا سے بابہ طرف خاؤ اللہ سدا سے
 اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
 عاشق کو کشش نے گئی معشوق کے گھر میں
 روشن ہوئی کعبہ کی زمین نور خدا سے ۷۷ مکہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
 جگ جگ کے لئے سبیل سیمبر خرابا سے آباد ہوا شہر، غاروں کی صدا سے
 خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علی کے
 سب باب کی خولہ ہے نواسے میں نبی کے
 کعبے میں بھی اک دن ملا شاہ کو آرام ۷۸ کونے سے چلے آتے تھے منے سحر و شام
 اعلانے گذرنے نہ دیے، حج کے بھی ایام کھولا پسر فاطمہ نے باندہ کے احرام
 عازم طرف راہ الہی ہوئے حضرت
 تھی ہشتم ذی الحجہ کراہی ہوئے حضرت
 جاتے تھے دل افسردہ و غمگین شہر ابرار ۷۹ ہر گام پر ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
 قبریں نظر آتیں کسی صحرا میں جو دو چار فراتے تھے شہر فاطمہ روایا ادلی الابصار
 جز خاک نہ ہوئے گا نشان بھی بدلوں کا
 انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا
 احباب کہیں، گھر بے کہیں، آپ کہیں ہیں ۸۰ آگے تو زمیں پر تھے پر اب زیر زمیں ہیں
 خالی ہیں مکاں آپ در خاک کیں ہیں جو دور نہ رہتے تھے وہ اب پاس نہیں ہیں
 حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہنچے نہ وطن میں
 کیا منہ کو پیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

بائیں تھیں ہی یاں کی اور صد کی قصر ۹۰ منزل پہ بھی آرام سے سوتے تھے نہ شبیر
شب کو کہیں اترے تو سحر کو ہوئے رگبیر جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر

مقتل کا یہ تھا شوق شہ جن و بطس کو
جس طرح سے ڈھونڈے کوئی معشوق کے گھر کو

لٹا تھا کوئی مرد مسافر جو سر راہ ۹۱ یوں پوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہ نہ بجاہ
ایسا کوئی صحرابی ہے اے بندۂ اللہ اک نہر سوا جس میں ہو چشمہ نہ کوئی چاہ

کیا تھا ہے اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں، وہ صحرابی نہیں ملتا

وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبھا شہ لولاک ۹۲ ہے سخت پر اندوہ، وہ صحرائے افلاک
ہنستا ہوا داں جلتے تو ہو جاتا ہے غناک سنتا ہوں وہاں دن کو اڑا آتا ہے کوئی خاک

واں راتوں کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت نہ فنی کی

چلاتی ہے عورت کوئی ہے بے مرے فرزند ۹۳ اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے محبطے یہیں ہوں گے ترے دلہند پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند

پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے بے یہیں فخر تری گردن پہ پھرے گا

اک شیر ترانی میں یہ چلاتا ہے دن رات ۹۴ گٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے مہرباں
کیا حال کہوں نہر کا، اے شاہ خوش اوقات پانی تو نہیں شور، پہ مٹھو رہے یہ بات

طائر بھی دم تشنہ وہاں نہیں پیتے
وحشی کسی داں آن کے پانی نہیں پیتے

اس جاد اترتا ہے نہ دم لیتا ہے رہ گیر ۹۵ ہے شور کہ اس آب میں ہے لگ کی تاثیر
پراسوں کے لیے اس کی ہلک موج ہے شبیر اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر

بھگتی نہیں داں پیاس کسی تشنہ گلو کی
ہو آتی ہے اس نہر کے پانی میں لہو کی

اس شخص سے یہ کہہ کے چلے قباہ مالم ۹۶ اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اسے ہم
ماشوق پہ بلا بعد بلا آتی ہے ہر دم غم اور بڑھا، وصل کا مرصعہ جو ہر دم

آفت یہ نئی فوج شہنشاہ میں آئی

مسلم کی شہادت کی غبہ راہ میں آئی

غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ ۹۷ طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمہ جانتا
گوندے ہوئے سر کھول کے بیٹے حرم شاہ فرماتے تھے شہ سب کو ہے دریش ہی راہ

ہو گا وہی اللہ کو جو مد نظر ہے

آج ان کا ہوا کوچ، کل اپنا بھی سفر ہے

فاریک کے لیے زور دے مسلم کا تھایہ حال ۹۸ محل سے گری پڑتی تھی بھرائے ہوئے حال
روتے تھے بہن کے لیے عباس خوش اقبال وہ کہتی تھی ساتھ آئے تھے چھوٹے مرد وال

پوچھو تو کہ مردہ مرے پیارے گئے دونو

فرماتے تھے شبیر کہ مارے گئے دونو

محل تھے سب اس بی بی کے ہودج کے برابر ۹۹ تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیر کی خواہر
کعبہ راگنی تھی مسلم مظلوم کی دختر ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر

کیوں بیٹھتی ہو کون جدا ہو گیا اماں

غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا اماں

اس دن سے تو اک ابرسم فوج پہ چھایا ۱۰۰ کھانا کتنی دن قافلہ والوں نے دکھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جیسا جو چاند محترم کا فلک پر نظر آیا

سب نے مہ نواز کبر شبیر میں دیکھا

منہ شاہ نے آئینہ شمشیر میں دیکھا

حویث و رفقا چاند کی تسلیم کو آئے ۱۰۱ مجھے کو بچکے اور سخن لب پہ یہ لائے
یہ چاند مبارک ہو یہ اللہ کے جلئے کفار پہ توفیق، اسی چاند میں پائے

رقبہ مہ و خود شہید سے بالا رہے تیسرا

ناحشر زمانے میں اجلا رہے تیسرا

حضرت نے دعا پڑھ کر یہ کہ حق سے حماہات ۱۰۲ کر رم گنہگاروں پر اسے قاضی حاجات
سر دینے کا شائق ہوں عالم ہے قری ذات غنجر مری آنکھوں میں پھر کرتا چلن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں

یہ زیست کے دس دن قری ملک میں بسر ہوں
پہنچا دے مجھے جلدی بس لے خالق اخلاک ۱۰۳ اس خاک پر جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قرب کا سبب شہرہ لولاک نہ ملک کی خواہش ہے نہ در کا ہے اہلاک

بیتاب ہے دل صبر کا یارا نہیں مجھ کو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو
اتنے میں یہ فتنہ علی اکبر کو بکاری ۱۰۴ نو دیکھ چکی چاند یاد اللہ کی پیاری
عات ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمھاری آنکھوں کو کیے بند یہ نسر راتی ہیں واری

آئے تو رخ اکبر ذی قد کو دیکھوں
شکل پر نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں
شہر داخل خمیدہ ہوئے فرزند کے ہمراہ ۱۰۵ منہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنت یاد اللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اسے غافل کے ماہ فرمانے لگی رد کے بہن سے شہر ذی جاہ

سرتن سے مرا اس مہ پر غم میں کٹے گا
زینب یہ مہینہ تمھیں ماتم میں کٹے گا
یہ آل نبی کی ہے مصیبت کا مہینا ۱۰۶ یہ ظلم کا عشرہ ہے یہ آفت کا مہینا
پہنچا ہے فریبوں کی شہادت کا مہینا آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا
یہ بار امامت مری گردن سے اتر جائے
ہو خاتمہ بالغیر جو سرتن سے اتر جائے

گردوں پر مہ نوجو عیاں ہے یہ ہمشیر ۱۰۷ چڑھتی ہے مہ سے سر کے لیے چرخ پر ہمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گا سب شکر شیر نیزہ کوئی کھائے گا کینجہ پہ، کوئی تیر
برجی کسی جان باز کے پہلو میں لگے گی
شمعیر کسی شیر کے پہلو میں لگے گی

خیمے کو جلا دیں گے کھڑے گا روڈ زلیلا ۱۰۸ اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ برادر
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر بیوہ کئی سیدائیاں ہوویں گی مقدر

گھر لکھیں گے ستکار جو روئے گی سکینہ

اس ماہ میں بے باپ کی ہووے گی سکینہ

دولہا کوئی ناپوں کے تلے ہوئے گا پامال ۱۰۹ پیٹے گی کوئی ستازہ دھن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غراباں نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہاے مرا لال

معصوموں کے سونے کی جگہ پائیں گی خالی

بچوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

اس عشرہ اول میں نہ ہوں گے بہن ہم ۱۱۰ تاریخ سفر ہے دہم ماہ محترم
عشرہ یہ وہ عشرہ ہے کہ اسے زینب پُر غم جس لال کی عاشق ہو وہ ہو جائے گلابدم

دیکھو گی نہ پھر منہ علی اکبر سے پسر کا

اب شام میں ہوئے گا تمہیں چاند صفر کا

رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن ۱۱۱ ان روزوں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
لیوں گے مرا قصہ یہ ہر شہر کے ہاکن اکبر کو جواں روئیں گے معصوموں کو غم سن

بھولیں ہمیں ایسے نہیں غم خوار ہمارے

ہوئیں گے سپہ پوش عزادار ہمارے

غش ہو گئی سن کر یہ بیاں زینب پُر غم ۱۱۲ غیمے میں اسی رات سے برہا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم خیموں کو اکھڑا کے چلے قبلہ عالم

آخر وہی صحرا وہی جنگل نظر آیا

نئی دوسری تاریخ کہ قتل نظر آیا

اترے اسی میدانِ بلاخیز میں سرور ۱۱۳ استاد ہوئے، خیر ناموس پیہر
صحرا کی طرف دیکھ کر خوش ہو گئے اکبر دیا پہ ٹہلنے لگے جتاسی دلاور

شہر ہولے ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی

ہاں شیر ہو دیا کی ترائی تمہیں بھائی

خلعے کو بس اب روک نائیں جگر افکار ۱۱۳ خالق سے دما مانگ کہ اسے ایلا در غفار
 زندہ رہیں دنیا میں شبہ دیں کے عوا دار غیر از غم شبہ، ان کو نہ غم ہو کوئی زہار
 آنکھوں سے مزار شبہ و گیسر کو دیکھیں
 اس سال میں بس روضہ شبیر کو دیکھیں

مرثیہ (۴)

مہبط نبی سے منزل مقصد قریب ہے ۱ آرام گاہِ جان محمد قریب ہے
 مولد تو دور رہ گیا مشہد قریب ہے جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
 جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
 آئی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو
 ہے شہر آمد آمد شاہِ فلک سیر ۲ فوجوں کی ہر طرف سے چل آتی ہے بہیر
 دعوت کے واسطے ہیں سنائیں لیے شہیر حضرت کی پیشکش کو، کمانیں ہیں اور تیر
 پانی پر چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
 دریائے گھاٹ، برہمچویں روکے جاتے ہیں
 شتے گئے ہیں شام کے حاکم کے جا بجا ۳ ہر پر گئے سے ہے طلبِ شکر جفا
 آکر اترتی جاتی ہیں، فوجیں جدا جدا لیتا ہے جائزہ عمرِ سعد بے حیا
 غل ہے کریں گے قتل جو زہرا کے ماہ کو
 انعام میں ملے گا دو ماہہ سپاہ کو
 تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بے شمار ۴ ہے جا بجا درستی اسباب کا رزار
 ہوتے ہیں یس، تیروں کے دستے کئی ہزار خنجر بونے ہیں ذبح کو، پیاسوں کے آبدار
 نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
 پھل برہمچویں پر چڑھتے ہیں پر ہم نشان پر
 وہ سالک طریقِ ہدایت ہے، شاد شاد ۵ ہے آرزو کہ جلد ملے گو حصر مراد
 بہتے ہیں اشک، جوش ہے بحر اتحاد لب پر اسی کا ذکر چلے گا اسی کی یاد
 معشوق کے سوا، کوئی پیش نظر نہیں
 یہ شوق وصل ہے کہ کسی کی خبر نہیں

۶ وہ گرمیوں کے دن، وہ پہاڑوں کی راہ سخت پانی نہ منزلوں، نہ کہیں سائے درخت
ڈوبے ہوئے لپسینوں میں ہوا غازیوں کی درخت سونگلا گئے ہیں رنگ جواہر نیک بخت

راکب جمائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں

تونسے ہوئے سمندر، زبانیں نکالے ہیں

چلتی ہے لوں، حرارتِ خورشید ہے دو چند ۷ مرجھا گئے ہیں نخل ہوا میں ہے یہ گزند
جھیلوں میں ہیں دند، درختوں پہ ہیں بزند ہے دھوپ میں رسول کا نسر زندہ اچند

غربت میں بیکیسی ہے شہر دیں پناہ پر

سایہ ہے آفتاب کا زہرا کے ماہ پر

۸ وہ دن ہیں جن دنوں میں کرتا کوئی سفر صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں مگر
رہج مسافرت میں ہیں سلطان، بحر و بر لب برگ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر

آتی ہے خاک اڑ کے سین دیار سے

گیسوئے مشکبار اٹھے ہیں غبار سے

۹ اہل حرم ہیں محل و جودج میں بیکسار معصوم پانی مانگتے ہیں روکے بار بار
بانو پکارتی ہے کہ یا شاہ نامدار گرمی سے جاں بہ لب ہے مرا غفلتِ شیر خوار

کیونکر یہ دکھ اٹھے چہ پہننے کی جان سے

گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

۱۰ چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے مرے چچا محل میں گھٹ گئی، مجھے گودی میں لوفدا
بابا سے کہ دو اب کو میں خیمہ کہیں بپا ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پہ میں فدا

سایہ کسی جگہ ہے، نہ چشمہ نہ چاہ ہے

تم تو ہوا میں ہو مری حالت تباہ ہے

۱۱ جب طے ہوئی وہ منزل آفت قریب شام اس روز ثعلبیہ میں شہ کا ہوا مقام
اکبر نے آن کر کیا پرلے کا اہتمام ناوقوں سے اترے آل نبی بامداح تمام

ڈوبے ہوئے عرق میں سمجھوں کے لباس تھے

دل زندہ گئے تھے، چاند سے چہرے اداس تھے

اترے رفیق خاص، قریب غیام شاہ ۱۲ کچھ فاصلے گرد، فرکوش ہوئی سپاہ
ملاحرم سے حضرت خیر النساء کا ماہ کرسی پہ جلوہ گر ہوا، وہ حش بارگاہ

ہر نخل غیرت شجر طور ہو گیا

صحر خدا کے نور سے معمور ہو گیا

اس دن بہت اُداس تھا، نہرا کا یادگار ۱۳ زردی تھی رُخ پہ، گیسوؤں پر راہ کا غبار
صحرا پہ گہ نظر تھی، گہے سوئے کوہ سار کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار

کس کو نہ بے وطن کیا، کس پر جفا نہ کی

اے دہر تو نے آہ کسی سے دفا نہ کی

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہزادیں کہ ناگہاں ۱۴ ناتے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
عباس سے یہ کہنے لگے شاہ دو جہاں تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جاں

تشویش ہے رسول خدا کے حبیب کو

کچھ پوچھنا ہے اس سے حسین غریب کو

جلدی چلے یہ سنتے ہی حکم شہزادام ۱۵ پاس اس کے جا کے آپنے کی سبقت کلام
ناقر بٹما کے کوہ پڑا تب وہ نیک نام عباس نامور نے یہ اس سے کیا کلام

آیا ہے تو بدھرے، اُدھر ہم بھی جاتے ہیں

اے شخص جلد چل تجھے آقا بلاتے ہیں

دیکھا جو عرب و بدر بہ شوکت و جلال ۱۶ دست ادب کو جوڑے اس نے کیا سوال
ہے کون شخص آپ کا آقاے خوش خصال عباس نے کہا کہ رسول خدا کا لال

نورِ ننگاہ فارج بدر و حنین ہے

آقا کا میرے اسم مبارک حسین ہے

یرین کے لشک آٹھوں اُس شخص نے بجائے ۱۷ چھائی پہ اتھ مار کے بولا کہ اے اے اے
کیوں اس طرف کو سید و ملا وطن سے ائے آفت سے نور چشم علی کو خدا بچائے

سب اہل شر ہیں کو فیوں کو ان سے خیر ہے

پھر جائیں آپ جانبِ شرب تو خیر ہے

گھبرا گئے یہ سنتے ہی عباس با وفا ۱۸ فرمایا اے غریب تر سداونہ کی وجہ کیا
مسلم نے بھی، یہ حال تو خط میں نہیں لکھا اُس نے کہا کہ اور ہے کچھ واں کا ماجرا

سب شہر پھر گیا ہے شہر خاص و عام سے

کہنا ہے جو کہوں گا مفصل امام سے

پہنچا وہ جب قریب شہنشاہ سرفراز ۱۹ تسلیم کر کے پاؤں پہ رکھا سہ نیاز
ہاتھ اس کا لے کے ہاتھ میں اٹھے شہر حجاز بولا کنا سے جا کے وہ اُمت کا کار ساز

مگر نیک ہو سفر، تو وسیلہ ظفر کا ہے

آنا ہوا کدھر سے، ارادہ کدھر کا ہے

کی عرض اس نے اسے پرستید البشر ۲۰ کوفے کے شہر شوم سے آتا ہوں میں دھر
فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلم کی کچھ خبر رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر

شہر بولے وجہ کیا جو ترا حال غیر ہے

جلدی بنا کہ میرے مسافر کی خیر ہے

گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہ نامدار ۲۱ گر گر کے وہ قدم پہ یہ کہتا تھا بار بار
پھر چلیے اب وطن کی طرف، بہر کردگار کوفے میں سب ہیں، عہد شکن اور ستم شعار

آلِ رسولِ پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی

یہ ہیں وہی جنہوں نے علیؑ سے وفانہ کی

ہاتھوں کو جوڑتا ہوں میں شاہانہ جائے ۲۲ بہر علیؑ و احمدؑ و زہراؑ نہ جائے
اُس جا دعا ہے سید والا نہ جائے آقاؑ نہ جائے مرے مولاؑ نہ جائے

کیا دور ہے جو آ کے حدِ سدا راہ ہوں

ایسا نہ ہو کہ آلِ محمدؑ تباہ ہوں

بچوں پہ رحم بھیجے یا شاہِ انس و جاں ۲۳ پہنچے نہ ان گلوں کو کہیں صدمہ خزاں
بچھڑے نہ اس ضعیفی میں اکبر سائو جاں رکھے خدا جہاں میں، ید اللہ کا نشان

پھولا پھولا رسولِ خدا کا چمن رہے

روشن سدا چراغِ مزارِ حسن رہے

یہ فکر ہے، جو آپ کو لکھے میں سب سے خط ۲۴ مطلب یہ ہے کہ یاں تلک آویں کسی خط
مضمون بھی سب غلط ہیں، ہمارے بھی سب غلط یہ خط نہیں ہیں قتل کی تدبیر ہے فقط

حاکم کا مدعا ہے کہ ظلم و ستم کروں
گر جھوٹ ہو تو ہاتھوں کو اپنے قلم کروں

کوئی تمام مایہ جور و فساد ہیں ۲۵ مفسد ہیں، بدستور ہیں، بد اعتقاد ہیں
تربت میں فاطمہ کے رولنے پر شاد ہیں تیغیں ادا دھر ہیں، دل سوئے ابن زیاد ہیں
بے ہمتوں نے کون سا وعدہ وفا کیا

کیوں کر کہوں کہ مسلم بے کس سے کیا کیا

پھر بولا سر کو پیٹ کے با صد غم و محن ۲۶ آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن
نیزے پر سر ہے، جسم ہے بے گور و بے کفن اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں سن

تربت نہیں نصیب تن پاش پاش کو

گلیوں میں لوگ ٹھینچتے پھرتے ہیں لاش کو

باقی جو تھا حضور کا غم خوار و خیر خواہ ۲۷ مسلم نے لی تھی گھر میں اسی دوست کے پناہ
کوٹے لگے پر منہ سے نہ کی اس جبری نے آہ مسلم کے ساتھ وہ بھی ہوا قتل بے گناہ

صادق جو تھے وفا میں تو کامل تھے عشق میں

دونوں کے سر روانہ ہوئے ہیں دمشق میں

شہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا ۲۸ فرمایا باز گشت ہے سب کی سوئے خدا
جو مسلم غریب پہ ہونا تھا، ہو چکا باقی ہے کچھ جو ظلم، وہ اب ہم پہ ہوئے گا

خواہ ان مرگ سب رسالت مآب ہے

ان کا جہاں سے کوچ، مرا پا تراب ہے

یہ بات کہنے کرنے لگے شاہ نامدار ۲۹ واسلا کہا کئی باری بحال زار
فرماتے تھے کہ اے مرے یار غم گسار بھائی، حسین تیری غریبی پہ ہوتا نار

میں جاتا تھا اب مرے لینے کو آؤ گے

اب کی خبر نہ تھی کہ ہمیں جھوٹا جاؤ گے

دوڑے ہوئے جب آئے تم اس شہر کے قریب ۳۰ ارے گئے وہاں کوئی جس جادو تھا عیب
پر دس میں لحد بھی نہ تم کو ہوئی نصیب کیسا سفر تھا ہائے مرے قاصدِ غریب

تکتے تھے مجھ کو یاس سے منہ پھیر کے
کونے میں لے گئی تھی اہل تم کو گھیر کے

کوئی بدی کہیں گے، یہ مجھ کو نہ سخی خبر ۳۱ شرمندہ ہے حسین، تمہیں پہلے بھیج کر
دیش ہے ہمیں بھی اسی طرح کا سفر اب ہم بھی آن پہنچے ہیں وہاں تم گئے جدم
رہتے بڑے ہیں کشتہ اول کے واسطے

سبقت تو ہے ضرور، ہزاروں کے واسطے

اتنے میں روتے روتے جو کچھ آگیا خیال ۳۲ مسلم کے دونوں بیٹوں کا پوچھا عرب کے حال
اس نے کہا کہ کیا کہوں اے شاہِ خوش فصال حارث کے ہاتھ آگئے وہ دونوں لونہال

بے رحم نے یتیموں پر کیا کیا ستم کیے

بازو بندھے تھے دونوں کے جب ستر قلم کیے

آتا تھا شہر کو ذرے جس دم میں لوہ گر ۳۳ حاکم کے آگے جاتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سر
آنکھیں کھلیں تھیں چاند سے چہرے تھے فوں ہیں لہجہ پر بڑی تلکاتی تھیں زلفیں ادا حر ادا حر

ہاتھوں سے آشکار، نشانِ سجود تھے

بے رحم کے ملہانوں سے، عارضِ کبود تھے

فریاد کر کے کہنے لگے سرد و عسرب ۳۴ خاموش رہ کہ صبر کی طاقت نہیں ہے اب
بندوں کا اختیار ہے کیا، جو روائے رب دونوں یتیم بھی نہ بچے اس کے، ہے غضب

معلوم تھا کہسے کہ تب ہی یہ آئے گی

ہاں اُن کی جب سنے گی تو کیا خاک اڑائے گی

رو رو کے پوچھا کھن کی قبروں کا جب پتا ۳۵ وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پٹنے لگا
کی عرض کچھ نہ پوچھے اے ابنِ مرتضیٰ تجہیز کیسی، قبر کجا اور کھن کجا

یوں دفن کم ہوا ہے کوئی کائنات میں

خندق میں لاشِ باپ کی، بیٹے فرات میں

یہ سن کے اٹھ کھڑے ہوئے حضرت جوشم نم ۳۶ کہنے لگا وہ مرد عرب جو دم کر قدم
اب کس طرف کا قصد ہے اے سردر اُم شہ نے کہا کہ جائیں گے مقتل پہ اپنے ہم
منہ کو سنان و تنغ سے موڑا نہ جانے گا
مجھ سے خدا کی راہ کو چھوڑا نہ جانے گا

رخصت ہوا وہ مرد مسافر بعد فغاں ۳۷ نہوڑائے سر کو گھر میں گئے شاہ دو جہاں
انگھول اشک ریش مبارک پتھر رواں حضرت کو روئے دیکھ کے گہرائیں سیبیاں
صدے سے رنگ بانوئے بیکیں کافی ہوا
نفس زہیں پہ اٹھ کے گری، یہ قسطن ہوا

کشم کشم سر کو پیٹ کے آئی بہن کے پاس ۳۸ قاسم کی والدہ میں نہ مطلق یہے جو اس
بھتی تھی منہ کو شہ کے سکینہ جوشم یاس سب سے زیادہ زود بہ مسلم کو تھا ہراس
خیمے سے صحن تک جو گئی جا بجا گری
چہرے سے رنگ اڑ گیا سر سے بردا گری

روئے سے شہ کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا ۳۹ سینوں میں دل دھڑکتے تھے لڑائیں دست پا
کہتی تھی رو کے زو جہم عباس با وفا باہر سے یاں انھیں تو بلائے کوئی ذرا
پوچھوں تو حال کیوں شہ والا کا غیر ہے
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے

کبریٰ پکارتی تھی کہ صفر کی خیر ہو ۴۰ یارب مریض بیکیں و تنہا کی خیر ہو
مسلم کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خیر ہو غربت میں قاصد شہ والا کی خیر ہو
ہے ہے وطن سے آن کے وہ لٹ گئے نہ ہوں
جانی مرے پدر سے کہیں چھٹ گئے نہ ہوں

کہتی کبھی سکینہ سے روگردہ بے قرار ۴۱ ہے دل میں شہ کے رب زیادہ تمہارا پیارا
وہ جہاں تولا چھو بہن، تم پہ میں نثار حضرت مجھی کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
پڑتا ہے دل میں شک مری چھاتی دھڑکتی ہے
وہ رہ کے ہم کی آگ جگر میں بھڑکتی ہے

اتنے میں بڑو کے شاہ سے منقب نہ یہ کہا ۳۲ بھیتا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا بیٹوں سمیت قتل ہوا ابیہم مرا

مسلم سے کوفیوں نے بڑی بے وفائی کی
گھاڑی نہ لاش بھی مرے غلوم بھائی کی

پیٹو کہ راٹ ہو گئی عت اس کی بہن ۳۳ رٹ سالہ اس کو دو کہ نہ اس کو ملا کفن
مارا گیا مرے لیے ہے وہ صف شکن اب ہم نہ پھر کے جائیں گے ہم سے جٹا وطن
آپہنچی فصل فاطمہ کے خاک اڑانے کی

زینب یہ ابتدا ہے مرے اے جانے کی

سمجھو تم اس خبر کو مرے قتل کی خبر ۳۴ بانو بھی ساتھ زوجہ مسلم کے کھولے سر
پڑے کو گئے زوجہ عباس نامور بیکس متاودہ شریک عزا ہو تمام گھر

رٹ سالہ بیسیاں اُسے جس دم پنہائیں گی

اماں محل کے قبر سے پڑے کو آئیں گی

کہ دو سکینہ دختر مسلم کے پاس جائے ۳۵ چھائی کو جب وہ پیٹے تو یہ سر پہ خاک اڑائے
کبریٰ برابر اس کے زین پر چھاڑیں کھائے باپ اس کا مر گیا ہے گلے سے اسے لگائے

ہم بھی خدا کی راہ میں اب قتل ہوئیں گے

اک دن اسی طرح ہمیں سب مل کے دیں گے

یمن کے چھائیوں کو گلے پیٹتے حرم ۳۶ چٹائی رو کے زوجہ مسلم کہ ہے ستم
مارا گیا سفر میں غلام شہ اُمم فریاد ہے کہ راٹ ہوئی میں اسیر غم

صدے اجل کے تین دموں پر گزر گئے

وارث بھی مر گیا مرے بچے بھی مر گئے

غل یمن کے آئے خیر میں عباس نامو ۳۷ دیکھا بہن تڑپتی ہے سر نیلے خاک پر
یل غم سے محروم ہو گیا، رٹے جھکا کے سر بولے قریب آ کے خدا پر کرو نظر

سمجھیں گے اُن سے قاتل مسلم نظر میں ہیں

پیٹو دمسر، کہ سید والا سفر میں ہیں

دانت جس کے دم سے ہوا اُس کا بے خیال ۴۸ لازم نہیں تمہیں کہ بھرے گھر میں کھولو بال
ہم سب غلام ہیں گھر میں دیکھو تو اُن کا حال مانگو دعا جہاں میں رہے فاطمہ کا لال
لازم ہے تم کو نمبر کہ دنیا میں نام ہو
اس کا رہے شرف کہ نثارِ امام ہو

مسلم ہوئے ہر اولِ فوج شہرِ امام ۴۹ دنیا میں تاقیام قیامت، سچا نام
کیا نیک کو حق تھا کہ ہوا خلد میں مقام مخدوم جہاں انھیں دے دیں گی صبح و شام
ماں سے سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
بچے تمہارے فاطمہ زہرا کے پاس ہیں

شوہر تمہارا صاحبِ عزت تھلائے بہن ۵۰ حلقے ملتے بہشت میں پایا نہ مگر کفن
زخموں کے بدلے ہاتھ لگا خلد کا چین ہم سایہ رسول ملا گو چٹا وطن
راضی علی بیٹوں، شاد خدا کا حبیب ہو
مانگو دعا کہ ہم کو یہ دولت نصیب ہو

مسلم کاخوں جو راہِ خدا میں ہوا بشیل ۵۱ پہنچا کنارِ کوثر و تسنیم و سلیمان
تائیدِ ذوالجلال سے رہے ہوا، جلیل عاتق کمال تھا پسرِ حضرت عقیل
سمجھو نہ یہ سفر کی تباہی میں مر گیا
زندہ ہے وہ جو راہِ الہی میں مر گیا

سمجھاتے تھے بہن کو یہ عبت اس نامور ۵۲ روتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ مخدوم
مسلم کو یاد کر کے حرم پیٹتے تھے سر بیٹی پکارتی تھی کہ ہے ہے مرے پدھر
تم بن ہمدانی زیست کی صورت بگڑ گئی
بیٹوں کو ساتھ لے گئے بیٹی پچھڑ گئی

شوہر بکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات ۵۳ سوزا نہ کوئی غم میں مگر تمام رات
تڑپا کیے امام دو عالم تمام رات گھر میں رہا حسین کے ماتم تمام رات
بس اسے امیں اب نہیں گلنے کی تاب ہے
اس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

مرثیہ (۵)

جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا ۱ دشت بلا نمود خلدہ بریں ہوا
 سر جھک گیا تلک کا یہ آوج زمیں ہوا خورشید مجو حسن حسین حسین ہوا
 پایا فردغ نیز دس کے ظہور سے
 جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

زیرا کے اختروں سے زمیں آسمان ہوئی ۲ غازی جہاں ملے وہ زمیں کبکشاں ہوئی
 سب ارض پاک غیرت باغ جناں ہوئی ایسا کمیں ملا کہ رفیع المکان ہوئی
 دامن جو پاک صاف تھا دشت مصاف کا
 احرام بانہ عالجے نے اس کے طواف کا

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شان کربلا ۳ مختار کائنات ہے مہمان کربلا
 پھولوں سے آج بھر گیا دامن کربلا بس اب نواں بہشت ہے بتان کربلا
 خورشید دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
 روشن ہے جس سے عرش وہ درجہ ملے

یہ دشت ہونا ک کہاں، یہ چمن کہاں ۴ جنگل کہاں، بتول کے گل پیر جن کہاں
 کنبہ کہاں نبی کا، یہ دارِ محن کہاں قبریں کہاں شکستہ دلوں کی، وطن کہاں
 آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارض پاک کو
 سج ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب ۵ باغی جو چمن دیں تو یہ ہے موسم عجیب
 بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب آیا گل ریاض محسند، خوش انصیب
 فوس زمیں کا جس پہ شہ انس و جن پھرے
 دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

- خوشبو سے اُن گلوں کی بوا دشت باغ باغ ۶ غنچے کھلے، ہرے ہوئے لبس کس کے داغ
 پہنچا سر فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ دریا نے بھی جبابوں کے روشن کیے چراغ
 خورشید بن گئے، پلٹے ارض پاک کے
 ستاروں کو گرد کر دیا آذروں نے خاک کے
- جنگل میں بن گیا، شجرہ طور ہر درخت ۷ بالیدگی سے ہو گئے ٹہرے گلوں کے رخت
 آئی صدا فلک سے کہ جلگے میں کئے تخت اب اس زمیں پہ سونے کا تخت تاج و تخت
 رفعت کا اس کی فرش سے غل عرش تک گیا
 نوا آج خاک کا بھی، ستارا پر تک گیا
- کہتی تھی آسمان سے زمین فلک چشم ۸ کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو، کہ ہم
 مجھ پر ہیں وہ، جو مہر نبوت پہ تھے، قدم ذرے سے بھید بہاں، ترے شمس قمر ہیں کم
 اب تو یہ خاکسار بھی ایواں آسماں ہے
 زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرا پاس ہے
- پھیلی جو کھیت چمن شاہ محسوس دیر ۹ صحرا میں بلبلہا گیا سبزہ بھی سرسبز
 جلدی ہوائے جا کے یہ دریا کو دی خبر آیا تری کجھار میں محنت ایشک و تر
 جب تک وہ بحر فیض برائے دغوبڑے
 بڑھ کر قدم ٹوٹے تو تری آبرو بڑے
- ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امام دہر ۱۰ دریا دلی کا ہوگا تری شور، شہر شہر
 یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر سر کو قدم کیے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر
 آمدنی جو سبط رسالت مآب کی
 ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک جباب کی
- بولے فرس کو روک کے شاہ فلک وقار ۱۱ منسل پہ ہم پہنچ گئے احسان کردگار
 آگے زاب بڑھائے کوئی یاں سے راجوار یہ وہ زمیں ہے، جس کے لیے دل تھا بیتار
 قربان اس مکان سعادت نشان کے
 پایادہ مراد بڑی خاک چھان کے

اُتر و مسافر و کہ سفر ہو چکا تمام ۱۲ کوچ اب نہ ہو گا شتر ملک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے یہی مشہد امام اونٹوں سے بار آتار کے برپا کرو خیام

بستر لگاؤ شوق سے اس ارض پاک پر

چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا، یاں کی خاک پر

مثلِ زمینِ خلد، مصفا ہے یہ زمیں ۱۳ ساتوں فلک سے، اوج میں بالا ہے، یہ زمیں

رفائے زمیں پہ، عرشِ معلیٰ ہے یہ زمیں فردوس کا کھنچا ہوا نقشہ ہے یہ زمیں

اس کے مکین نہ ہوں گے پر آئندہ، نشر میں

بے سراہی زمیں سے ہم اٹھیں گے، حشر میں

مرغوبِ طبع ہے یہ زمینِ فلک جناب ۱۴ سوئے گا اس کی خاک پہ فرزندِ یو تراب

ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب جس طرح ذی شرف ہے ستاروں میں آفتاب

مرنا لکھا ہوا ہے یہیں، سرِ نوشت میں

جائے گا ہاتھوں ہاتھ، یہ طبقہ بہشت میں

سجدے کریں گے جس پر ملک وہ زمیں یہ ہے ۱۵ جس پر کھدا ہے نقشِ شفا، وہ بھیں یہ ہے

بطحا یہ ہے، مدینہ اربابِ دیں، یہ ہے کعبہ یہ ہے، نجف یہ ہے، خلدِ کریں یہ ہے

تمہی اس زمیں کی قدر رسولانِ پاک کو

آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

ذروں سے اس کے اشرفی ہر زرد ہے ۱۶ مٹی طلا ہے، نسخہ، اکیر گرد ہے

کرنے ستر کی آگ کو پانی، یہ سرد ہے کھل بصر ہے، داروئے اندوہ و درد ہے

زندے الم سے بچتے ہیں، مڑے فشار سے

آنکھوں میں نور آتا ہے اس کے غبار سے

خاک اس کے دل میں ہو جے اس خاک سے غبار ۱۷ مجرم بھی اس کے فیض سے اٹھے گا رستگار

پڑ جائے جس کے جسم پہ خاک اس کی ایک بار سائے سے اس کے آتشِ دوزخ کرے فرار

یوں دودھ ہوں گناہ، سب اس نیکِ بخت سے

پتے خراب میں گرتے ہیں جیسے درخت سے

کام آئے گی محد میں یہ ہنگام درد دیا س ۱۸ اس خاک سے بنے گا کفن، نور کا لباس
تسبیح اس کی قبر میں ہوئے گی جس کے پاس سو سو طرح کی پائے گا راحت و حق شناس

فرمائیں گے ملک ارم اس کا مقام ہے
سونے دو چین سے، یہ مطیعِ امام ہے

دیں گے جو اس کی خاک سے لکھا ہوا کفن ۱۹ میت پہ پھر نہ ہو گا کوئی نمد مر و محن
دُعا پنے گا اس کو چادرِ رحمت سے ذوالنن خوشبو سے ہو گا کنجِ لحد، خسلہ کا چمن
پھولوں میں خاک پاک کفن کو بسائے گی
خُڑوں سے کھبت گلِ فردوس آئے گی

تو شہ مسافروں کا یہی اودھنی ہے زاد ۲۰ یہ خاک آبِ سفر سے رتبے میں ہے زیاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مردِ خوش نہاد لے آئے گی ہوائے موافقِ دُورِ مراد

دیکھے گا یاس میں کرم کا ر ساز کو
تھامے گا دستِ موج سے، دریا جہاز کو

اُترایے کہ کے کشتیِ امت کا ناخدا ۲۱ جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباس جمو منے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشکِ بحر کے شہنشاہِ سر بلند ۲۲ کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کر یا شاہِ ابجد بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیرابِ میل میں گئے غایتِ جورب کی ہے
میں کیا کہوں حضورِ ترائی غضب کی ہے

گرمی میں ایسی سرد ہوا یا شہِ اتمام ۲۳ ہے لیٹنے کی جا یہ زمینِ فلک مقام
مشہورِ نازریہ ہے شاید اسی کا نام جی چاہتا ہے یاں سے سر کیے نہ ایک گام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اسی جگہ

روتے ہوئے وہاں سے بڑے آپ چند گام ۲۳ گویا زمیں کی سیر کو اتر اسبہ تمام
انجھ کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ قام شکلیں وہ نور کی۔ وہ تجمل وہ اتشام

زلفیں ہوائے اڑتی تھیں ہاتھوں میں تھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکٹے لگے پہاڑوں کو مسلم کے دونوں لال ۲۵ پھولوں سے کیلنے لگے، زینب کے نو نہال
سبز سے داں کے ابن جس خوش بھئے کمال کی غرض اس میں کا براک گل ہے بے مثال
لے خسرو زمیں۔ یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں، عطر عروس کی

سحر سے آئے پھر سونے دریا شہم اُم ۲۶ الیاس شاد ہو کے، پکائے بر صد شہم
انجھیں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم بولے جباب، آنکھوں پہ شام تر سے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حُسن حضور سے
لے لیں بلائیں پنجہ مرجاں نے دور سے

ٹھہرے کنار نہر جو انان ماد رُو ۲۷ دھویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
گھوٹے جو آئے، پیاس بجھانے کنار جو بھرائے اشک آنکھوں میں شبیر نیک خو
کھینچی اک آؤ سرور ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بجائی کو دیکھ کر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباس بن نامور ۲۸ خیمہ کہاں پیا کریں، یا شاد و محرو بر
ایذا ہے مملوں میں، بہت اہل بیت پر پتے ہیں تازگی میں، مگلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے ملک دم میں سبھوں کے گلے ہوئے

کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا ۲۹ زینب جہاں کہیں۔ وہیں خیمہ کرو پیا
چھٹے ہوئے، یہ سنتے ہی عباس با وفا جا کر قریب محل زینب پہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار، امام غیور کا
برہا کہاں ہو خیمہ اقدس حضور کا

یونی یغن کے دستِ پنج تون روزگار ۳۰ اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل، میں نثار
 خلی بویا ترائی، چمن بوکر، سبزہ زار ہر جاما فردوں کا تجھساں ہے کہ نگار
 مختار کائنات کے تم نور عسین ہو

اترو ویاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو
 مائل ہو تم تو نام خدا، اسے علی کے لال ۳۱ مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت ہے محفل
 دریافت کرو پہلے کسی سے یہاں کا حال داری کسی طرح کا نہ آف کو ہو ملال

گوشہ ملے ہمیں، نہ فضا ہو نہ سیر ہو
 اب تو یہی پڑی ہے کہ جانولہا کی خیر ہو
 آرام کو ترس گئے جبے چٹا ہے گھر ۳۲ کھن آفتوں میں پانچ مہینے ہوئے بسر
 یہ آندھیاں یہ گرمی کے آیام یہ سفر دن بھر چلے ہیں دھوپیں، جاگے ہیں راسخ
 گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اجاڑ تھا

ایک ایک کوس راہ جبل میں، پہاڑ تھا
 آج اس زمین پر ہمیں لایا ہے آسماں ۳۳ اب دیکھیے دکھائی ہے تقدیر کیا یہاں
 آقا کی خیریت کی دعا مانگو، بھائی جاں یارب مسافروں کو مبارک ہو، یہ مکاں
 دشمن بہت ہیں بادشاہ خوش خصال کے
 بھائی! بہن نثار، ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی کسی ہے بہت صفت ۳۴ ہے وہ امام واقع اسرارش جہت
 جو جو شمن ہیں ان سے بھی لازم ہے مصلحت صدقے گئی، جیب سے بھی کرو شورت
 ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو

بیتنا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو
 دستِ ادب کو جوڑ کے، اُس شیر نے کہا ۳۵ تشویش کچھ نہ کیجیے اے بنتِ مرتضا
 برچند مصلحت مری کیا اور عقل کیا لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں ہے جا

جو نہرِ فاطمہ میں ہے یہ وہ فرات ہے
 محرمی میں قرب نہر کا، آبِ حیات ہے

جس سرزمین پہ دلبر زہرا عمل کرے ۳۶ زہرہ کسی کا کیا ہے جو رد و بدل کرے
مانع وہ ہو، جو دیکھ نہی میں خلل کرے کافر ہے جو حسینؑ سے جنگ و جدل کرے

وخل اس میں روم کا ہے سلطان شام کا

دنیا کی سب زمیں پہ ہے قبضہ امام کا

حضرت کے حکم کا مترصد ہے، جاں نثار ۳۷ ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضور سبط ہمیسر وہ ذی وقار کی عرض خیمہ نہر پہ، کرتا ہے خاکسار

اتریں یہیں یہ مرضی آل رسول ہے

بولادہ بحر فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سن کے خادموں کو پکارا، وہ مرجبیں ۳۸ قرآن شمس آ کے جلد مصفا کریں زمیں
حاضر ہوں آب پاش، محل دیر کا نہیں یاں ہو گا خیمہ حرم باشاہ دیں

جلدان کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے

لے آؤ اشترود سے قناتیں اتار کے

بولے زہیر قین کہ حاضر ہیں سب غلام ۳۹ بڑھ کر حبیب بھی ہوئے معروف اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام

پرتو فلک تھا، نور رسالت مآب کا

سر پر لگا تھا، چتر زری آفتاب کا

تھا فکر میں غموش دو عالم کا تاجدار ۴۰ کھلوا رہے تھے خیموں کو عباس ذی وقار
ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار

مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے

بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

ایک جاہوئے یہ سن کے جوانان صف شکن ۴۱ نکلا ہر اک دلی کی زباں سے یہی سخن
آئے ہیں ملک غیر میں ہم چھوڑ کے وطن تو سب کی خیر کجیو، اے رب ذوالعین

اصل لئے دیں کے شرے، حفاظت میں ہم رہیں

ہاں کوئی تڑپے بھی تو ثابت قدم رہیں

کھینٹنے لگے پکار کے، عباس حق شناس ۴۲ ہاں ناصران قبلہ کو نین باحواس
 دل میں نہ خوف ہو نہ زباں پر کلام یا س جیتے ہو تو حسینؑ سے ہو قدر و اس کے پاس
 گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے
 دونوں طرفتے اماں تمہارا بخیر ہے

کیا ڈر قشونِ روم ہے یہ یا جنودِ شام ۴۳ ہم اپنے کام میں ہیں ہمیں کیا کسی سے کام
 جو مرد ہیں ہر اس کے کرتے نہیں کلام ہونے دو گر ہیں سرخ علم یا سپاہِ قام
 سرسبز ہیں وہی جو عیش کے نشان ہیں
 خود جھک کے وہ بیس لگے کہ ہم میہمان ہیں

یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی ۴۴ ڈنکے دشتِ نعلم سے کوسوں صد گئی
 محسوسوں کے دوڑنے سے زمین تھر تھرا گئی جنگی سپاہ، گھاٹ کے نزدیک آگئی
 اک ایک پر زور تہمتن شکوہ، تھا
 ابنِ رکاب سبز قدم، سرگروہ تھا

بولے ملازموں سے یہ عباس با وفا ۴۵ دریافت تو کر دو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
 آتے ہی سرکشی، یہ طریقہ ہے کون سا کہہ دو کہ اہل بیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
 لازم رسول زاد یوں کا احترام ہے
 اتریں الگ کہیں یہ ادب کا مقام ہے

کر سی نشیں ہے نعتِ دل سید البشر ۴۶ آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں مگر
 آتی ہے اڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گردِ دھڑ کیا ہے جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ شر
 بھولے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں
 شاید بوا کے گھوڑوں پہ ظالم سوار ہیں

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام ۴۷ حکمِ امیر ہے یہیں اترے سپاہِ شام
 چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام دریا سے ہٹ کے آپ، بپا کیجیے غلام
 لشکر کشی ہے، بادشاہ کائنات پر
 کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

کھنے سے کل جواں ادھر آئے ہیں دس ہزار ۳۸ رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
خالی ہیں منزلیں نہ بیاباں نہ کوہسار شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار

لاٹھوں ہیں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی بے گی جب پسر سعد آئے گا

فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب ۳۹ رگڑ دے میں ہیں کوس کے لشکر بڑا حساب
دستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا محب

یکے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں ادھر ۵۰ ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
سننے ہی یہ ترائی میں گو مجاہد شیر نر تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر

کم تھانہ ہمہ اسد گردگار سے
نکلاڈ کارتا ہوا ضیفم کھار سے

غصے میں رکھ کے دوش پشیمشیر برق دم ۵۱ نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے نہیں گے ہم
گرفوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم گرتا ہے کٹ کے سرو ہیں جس جانتے قدم

پھریں جوشیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سوتا نہیں کوئی

دنیا ہواک طرف تو نہ آئے خیال میں ۵۲ لاٹھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جدال میں
گیتی ہو بے نشان اگر آئیں جلال میں ہے سب طرح کا زور محمد کی آل میں

دریا ہے کیا، یشیر نہیں جس کو چھوڑ کے
جب پل بنا دیا درخیمبر کو توڑ کے

تم کون ہو حسین ہیں مختار خشک و تر ۵۳ اُن کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
دیکھو فساد ہوگا، بڑھو گے اگر ادھر شیروں کا یاں مل ہے تمہیں کیا نہیں خبر

سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

دیرا تو ابتدا سے جارا ہے تم ہو کون ۵۲ اس کا نعتی رسول کا پیارا ہے تم ہو کون
انشہ نے زمیں کو سنوارا ہے تم ہو کون سائل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے تم ہو کون

ہیبتا غصب حق سے بھرے آج تک نہیں

منزل مسافروں کی یہ ہے کچھ فلک نہیں

کیا ابن سعد شوم کی فوج اور کیا حشم ۵۵ سر لوٹتے پھر مل گئے، بڑھایا اگر قدم
اترے میں آکے فخر سیلاں کے ساتھ ہم کیا اُن کے موہے کہ جو ہوں پوٹیسوں کے کم

کچھ ڈر نہیں، چھ لاکھ اگر بد خصال ہیں

ہم بھی کنندہ درخسبر کے لال ہیں

کیا سر پہ موت آئی ہے بس ہمارے سبب ۵۶ فوجوں کا ذکر کر کے کسی اور کو ڈراؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا، اگر تو آؤ بیٹا حسیم کا ہوں، مجھے غیظ میں نہ لاؤ

تلوار اور کھینچی کہ اُدھر کیت پر گیا

پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا

ہم شیر ہیں، قسم اسد کردگار کی ۵۷ رکھتے ہیں ناخنوں میں برش ذوالفقار کی
سو کی نہ اصل یاں نہ حقیقت ہزار کی ٹوٹے یہ کیا مجال، کسی نابکار کی

گر جیں ابھی تو رعد ہیں، بریں تو ابر ہیں

اک میں نہیں، بہت ابھی ایسے ہڑ ہڑ ہیں

چھوڑیں نہ یہ زمیں جو گرے سر پہ آسماں ۵۸ بڑھ کر ہٹا نہیں کہیں اس فوج کا نشان
جب تک کہ دم میں دم ہے نہ جائے گی آن بان ہستی پہ ہم بپا کریں خیمہ خدا کی شاں

مر جائیں وہ جو ساتھ، کئی شیر خوار ہیں

فی الواقعی، ہم ایسے ہی تقصیر دار ہیں

جم پہلے آئے ہیں کہ تم آئے ہوتا بہ نہر ۵۹ کیوں غاصبو، یہ نہر نہیں فاطمہ کا مہر
چھوڑ آئے میں تمھارے بلانے پہ اپنا شہر کوئی مسافروں پہ، یہ کرتا ہے جبر و قہر

اُترے ابھی نہیں، کہ لڑائی ٹھہر گئی

وعدے وہ کیا ہوئے وہ محبت کہ مر گئی

شر اس قدر زمیں پہ، چھائے عرس نہ پاک ۶۰ مٹی ہوئے لکھے تھے عریضوں میں تپاک
ہے بو ترایوں کی جگہ یہ زمین پاک بنیں گی تریں بھی نہیں مگر ہوئے پاک

تم لوگ کس طرح یہ جگہ ہم کو بھائی ہے
مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے

سوچو تمہیں دلوں میں کہ حقدار کون ہے ۶۱ عالم میں بڑو بھسکے کا مختار کون ہے
ہادی ہے کون، سید ابرار کون ہے ہے بے قصور کون، گنہگار کون ہے

لازم ہے تم کو پاس کلام مجید کا
کلمہ نبی کا پڑھتے ہو تم یا یزید کا

یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمہیں ۶۲ صدقہ ہے کس دلی کا جو عزت ملی تمہیں
خوانِ کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمہیں ہادی ہوئے جو ہم تو ہدایت ملی تمہیں

بھلتا نہیں نہ سالِ حسد بھولتا نہیں
محسن کو اس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

ہم تو تمہیں سمجھتے ہیں سید کا خیر خواہ ۶۳ کیا خوب میہانوں کی دعوت ہے واہ واہ
الفت، نہ دلہ ہی، نہ تعارف، نہ رسم و راہ معصوم سے وہ کونسا ایسا ہوا گناہ

چشمے پہ جنگِ فاطمہ کے نور عین سے
ما منصفو! پھرتے ہو آنکھیں حید سے

ہر چند خاکسار ہیں فسر زندہ بو تراب ۶۴ پر پر کشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
کہنی تک آسٹیک کو جو الٹیں دم عتاب گردوں میں تھر تھرا کے چھے فسر آفتاب

آجائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہو آسمان زمیں پہ زمیں آسمان پر

ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی ۶۵ جو پر کشی کرے اُسے پاپا کریں ابھی
اس سرزمین کو خون کا دیا کریں ابھی ساحل تک آئے حوالے غنڈا کریں ابھی

بولے کوئی تو تن سے سراس کا جدا کریں
خیمہ پانہ ہو تو قیامت بپا کریں

خالم بگڑا بگڑ کے بڑے، ایک بار سب ۶۶ بلوہ جو ہو گیا، سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے، نیزہ دار سب باندھے تھے ایک غول فضالت شارب

لیکن مانہ سکتے تھے آٹھ اس دلیرے

ایک شور تھا کہ چھین لودریا کو شیرے

بجڑے ابو تمامہ و سعد غلب سریر ۶۷ توتی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کماں میں ابن مظاہر نے ایک تیر بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر

عابس کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا

غصے سے بل ہلاں کے ابرو پہ آگیا

بولے اٹھا کے نیزہ کو ضرغامہ دلیر ۶۸ بس اب مزا میں ان کی مناسب نہیں دیر
بولے شیب ادھر سے جوئے گا ایک شیر بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی ہانگوں کو بھیچر

آٹا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں

کثرت پہ اپنی بھولے ہیں، کیا بے شعور ہیں

الٹی جناب قاسم ذی شاں نے استیں ۶۹ قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑے اکبر حسین
بولے بچڑ کے پیچھے زینب کے مچھیں شیروں سے کیا ترانی کو لیں گے یہ اہل کیں

کیسے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں

تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں کال لیں

آگے تھے سب کے حضرت عباس ذی شرم ۷۰ بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم
تیغیں جو تولتے تھے ادھر بانی ستم کہتے تھے سر نہ ہوگا، بڑھایا اگر قدم

لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو

روکے تھا ایک شیر جبری، دس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر ۷۱ گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی ادھر
تیغیں جو کھینچ گئیں تو ہوا اور شور و شمر گجرائے اہل بیت شہنشاہ، بحسرو بر

آغوش میں پھوپھی کے سکینہ دہل گئی

غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؓ ناشاد و نامراد ۲۲ ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد دیکھے کوئی کہ مر ہیں شہنشاہ خوش نہاد

ہمشیر کو منشاد امام امم کرو
لوگو دھائیں اکبر مر روپہ دم کرو
محل سے منہ نکال کے فقہ نے یہ کہا ۲۳ بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضیٰ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیاء قبضہ پہ ہاتھ رکھے ہیں عباس با وفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؓ پکار میں پیٹ کے زانو یہ مد ظال ۲۴ ہے ہے غضب ہوا، اگر آیا انھیں ہلال
کہہ دے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال غربت پہ ابن فاطمہ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تمام لو

لڑنے کو تیغ میان سے کھینچو گے تم اگر ۲۵ محل سے گر پڑوں گی زمین پر میں نکلے سر
عباس تم تو ساقی کوثر کے ہو پسر یہ نہر کیا ہے جس کے لیے رہیں قد
مراؤں گی سفر میں جو پھڑوں کی بھائی سے
جنگل مجھے پسند ہے گزری ترائی سے

دریا کو روکتے ہیں اگر بانی ستم ۲۶ جلتی زمین پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
غربت زدوں پہ چاہیے اللہ کا کرم پھر آو، بس سیکندہ کی سر کی تمہیں قسم
ثابت ہوا کسی کو ہماری ولا نہیں
پانی بھی اب نہ دیں تو ہیں کچھ گلا نہیں

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہر امام ۲۷ عباس ادھر غضب میں بڑے سئے فوج شاہ
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہر انام بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو صام
یکساں ہے برود بحسہ ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

ہر چند اس میں کوئی تمہارا نہیں قصور ۷۸ تا حق فساد کرتے ہیں تم سے یہ ہے شعور
خیر امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور جانے دو جاہلوں سے یہ عکوار کیا ضرور

ادنیٰ سے بحث ننگ ہے، عالی مقام کا

بس خاشی جواب ہے ان کے کلام کا

لے سکتے ہیں ترانی کو تم سے یہ نابکار ۷۹ کس پر یہ خشم، اے شہ مرداں کے یادگار
جرات میں تم نہ ایک نہ یہ اہل کیں ہزار بخشا ہے ہر طرح کا تمہیں حق نے اختیار

بے آب تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں

گر منہ سے آف کرو تو ابھی جل کے خاک ہوں

ہے گرچہ اُن کی بے ادبی قابل سزا ۸۰ پر تم پسر رحیم کے ہو بخش دو خطا

جنگ ہو یا ترائی ہو، ہے ہر جگہ خدا مظلوم کو غریب کو غصے سے کام کیا

کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے

ہم کو نبی کی روح مطہر کا پاس ہے

صدقے ترے جلال کے لیے مجھے آفتاب ۸۱ یاد آگیا مجھے، اسد اللہ کا خطاب

تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب جعفر ہو دبدبے میں، شجاعت میں بو تراب

یہ کیا ہیں تم تو سہر سکندر کو توڑ دو

لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

لازم ہے ان پر رحم یہ امت ہے میں نشان ۸۲ کرتے تھے مصطفیٰ انھیں بیٹوں کی طرح پیار

ان کے لیے حسن نے کیا جبر اختیار دشمن پہ بھی رہا کرم شیر کردگار

ہو نو جوان مزاج میں غصہ ہے آپ کے

بیٹا وہ ہے، قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

بھتیہ پردے کے صبر پر اس دم کرو خیال ۸۳ ہم نے تو اپنی آنکھوں سے کیا سب ان کا حال

بلوہ تھا بعد رحلت محبوب ذوالجلال یاں تک کہ باندھ لے گئے رسی سے بد خصال

کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا

گردن جھکی ہوئی تھی گلارِ سیمان میں تھا

آؤ تمہیں قسم ہے جناب امیر کی ۸۴ بگڑو نہ کشی پر سپاہ شری کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہر قلعہ گیر کی سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی

کیا دشت کم ہے صابر و شاکی کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے

تھوڑے سے بستروں کی ہے درکار ہم کو جا ۸۵ جنگل ہوا تو کیا، جو ترائی ہوئی تو کیا
ہے عمر بے ثبات زمانہ ہے بے وفا آرام کا محل نہیں، یہ عاریت سرا

اب وہ کہاں ہیں شہر جنہوں نے بسائے ہیں
سب اس زمیں پہ خاک میں ملنے کو لائے ہیں

آٹھ نے دی جو اپنے سر پاک کی قسم ۸۶ بس تھر تھرا کے رہ گیا وہ صاحب کرم
پرستی ٹھکن جیوں پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم چپ ہو گئے قریب جب آئے شہر ام

گردن جھکا دی تانہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور ۸۷ کہہ دیجئے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
حکم خدا ہے حکم شہنشاہ و جسور اب کچھ کہوں زباں سے میں کیا تاب کیا جگر

میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

اترے گی آکے نہر پہ اب شام کی سپاہ ۸۸ پانی بھی ہم پہ بند کریں گے، یہ روسیہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشمر کوئی نہ چاہ سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ

اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے
پر عین مصلحت ہے جو حکم جناب ہے

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا ۸۹ کیوں کا پتہ ہو غیظ سے، بھائی، یہ کیا یہ کیا
لوا ب اسٹالو تیغ و سپر تم پہ میں فدا دریا کو تم تو لے چکے، اسے میرے مدد لقا

وہ شیر ہو کہ دھاگ ہے ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمہارے سوا ہے ترائی میں

اس قوم سے نہ رد و بدل چاہیے تمہیں ۹۰ خفتہ نہ برزگی نہ بدل چاہیے تمہیں
 قربِ خداے عز و جل چاہیے تمہیں جو ہم کہیں، اسی پہ عمل چاہیے تمہیں

بھائی جگہ مزاروں کی پہچانتا ہوں میں
 جو ہوگا اس نہیں پہ وہ سب جانتا ہوں میں

ہے منکشف امام پہ احوال بحر و بر ۹۱ حق نے کیا ہے واقعہ اسرارِ خشک و تر
 صدمہ ہے دل پہ کیا میں کہوں تم سے یہ خبر قبضہ تمہارا تا بہ قیامت ہے نہ سرمد
 دولت مٹے گی یاں اسدِ کردگار کی
 بھتیجی ہی جگہ ہے تمہارے مزار کی

ہوتا ہے کیا ہزار کہیں ساکنانِ شام ۹۲ بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
 کہتے ہیں اس زمیں پہ لک آکے صبح و شام یاں ہوگی قبر حضرت عباس نیک نام
 دیندار گرد قبر کے بستی بائیں گے
 شہزوں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

پچھنے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے کیا جگہ ۹۳ پیارے ہمارے بھائی کو، بھائی ہے کیا جگہ
 شہنشاہی ہو ایسے سونے کو پائی ہے کیا جگہ کیا سبزہ کیا نفیس، ترائی ہے کیا جگہ
 لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
 لازم ہے قربِ نہرِ بہشتی کے واسطے

آؤ اب اپنی قبر کی جا ہم تمہیں دکھائیں ۹۴ قتل میں غل بھی نہیں سایہ کہاں سے لائیں
 قسمت میں یلکھا ہے کہ جھل کی دھوپ کھائیں چالیس روز تک نہ کفن اور نہ غسل پائیں
 میدان ہو اور لاشِ حسینِ غریب ہو

بھائی قریب ہو نہ ترائی قریب ہو

عباس آب دیدہ ہوئے سن کے یہ کلام ۹۵ بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
 فرمایا واں پہنچ کے جو تھا قتل کا مقام دیکھو حسین ہو گا یہیں قتلِ تشنہ کام

بھائی مقامِ خیمہ آلِ عباس ہے وہ
 باہرے جو شیبے تربت کی جا ہے وہ

رونے لگے پکار کے عباس نامدار ۹۶ شہ نے کہا کہ ضبط کرو تم پہ میں شاہ
سُن پاسے گی جوزینب بیس یہ حال زار مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر نگار

مجھ کو بہت خیال ہے زہرا کی جانی کا

مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا

قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام ۹۷ ارشاد یہ تو کیجیے اے قبلہ انام
پہلے مرے گا آپ سے یہ با و فاطم رو کر کہا کہ ہاں یہی ہو دے گا لا کلام

مجبوری ہے کہ بھائی کو ہاتھوں کٹوائیں گے

روٹے تم نہ ہم کو ہمیں تم کو رو دیں گے

مردہ یہ سُن کے شاد ہوا وہ اسیر غم ۹۸ سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
رستی پہ آ کے گاڑ دیا شیر نے علم برپا ہوئے خیام شہ آسماں حشم

ذرے نجوم بن گئے سائے زمین پر

اُترے خدا کے عرش کے سائے زمین پر

کینچا فلک پہ خیمہ زنگار گوں نے سر ۹۹ روشن ہوئے، کلس کی تجلی سے شستہ دور
سائے شعاع تھے کہ طنائیں تھیں جلوہ گر پردا حرم کا تھا کہ قنائیں ادھر ادھر

جنگل کا اوج ہو گیا، خیمہ کی شان سے

پتہ زمین کا اٹھ کے ملا آسمان سے

تھا اس کے ارتقا میں کرسی کا سبجہ طور ۱۰۰ سُکھان عرش دیکھتے تھے فرش کو بغور
شمسے کا اوج تھا خیمے کا دور دور گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا، اور

سر جاملا جو شمسہ کیواں جناب کا

سونا اُتر گیا درقِ آفتاب کا

خیمہ میں جا چکے جو سرم با صد احترام ۱۰۱ ڈیوڑھی پہ آکھڑے ہوئے عباس نیک نام
کمر بُل دھر کھلیں، ادھر اُتر می سپاہ شام بھائی کو لے کے خیمہ میں داخل ہوئے امام

اُمّ تھا دل جو سبط نبی کی جدائی سے

زینب لپٹ کے رونے لگی چھوٹے بھائی سے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زین ۱۰۲ صدقہ آتار دیکھ، مرے بھائی پر اسے بہن
تھے دس ہزار مستعد جنگ، تیغ زن جیتا میں زخمی ہوتے جو عباس صفا شکن

آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

دیکھو ابھی تلک نہیں، ابرو سے بل گیا

لے کر بلا میں کہنے لگی وہ جگر نگار ۱۰۳ کیا جی میں آگئی تھی یہ بھیا بہن نثار
محل میں، میں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار صدقہ کروں، وہ نہر لڑیں جس پہ نابکار

پیارا ہے انھیں جنھیں پانی عزیز ہے

بھیا ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے

منہ رکھ کے منہ پہ بالی سکیڈنے یہ کہا ۱۰۴ عاشق کو میرے پھیر کے لایا، مرا خدا
روتی تھی میں سنی بھی نہ تم نے مری صدا بس اب کہیں نہ جائیو اچھے مرے چچا

اس بے کسی میں دلبر زہرا کا کون تھا

آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا

کہنے لگی یہ زوجہ عباس خوش بیان ۱۰۵ غصے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیر الہی کی آن بان یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان

آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں

یہ تو فقط حسیں کے صدقے میں جیتے ہیں

فرایا شہ نے بھائی سے اب کھولے کمر ۱۰۶ زینب نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
بیٹھے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبر نے دی خبر فوج اور آئی شام سے یا شاہ بھر و بر

مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے

شہ نے کہا کہ ہوئے تمھیں کیا ہر اس ہے

آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم ۱۰۷ آپہنچالے کے فوج گراں ابن سعد شوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانان شام دروم آفت کی ہے یہ بھیڑ قیامت کا ہے هجوم

کیسا شہار، حصہ نہ تھا، انتہا نہ تھی

دیکھا جو صبح کو، کہیں ستر کی جا نہ تھی

آد اسی طرح رچی لشکر کی روز و شب ۱۰۸ نرغے میں آگیا پس سید العرب
گرمی میں ساتویں سے ہوا شدتِ تعب پانی مسافروں پہ ہوا بند، ہے غضب

مرجھا گیا چمن شبہ گردوں جناب کا
شور آٹھویں سے ہونے لگا آب آب کا

غش تھے نہم کو پیاس سے اطفالِ شاہیں ۱۰۹ جز آب اشک، پانی کا قطرہ کہیں نہیں
تھا دودھ خشک، ہیتی تھی بانوئے حزیں دم توڑتا تھا جھولے میں اصغرِ ناتیش
خندق میں گردِ نیچے کے آتش بھڑکتی تھی
باقر ترپ رہا تھا سکینہ بلکتی تھی

رونے میں وہ پہاڑ سادن جب ہوا تمام ۱۱۰ آئی سیہ بلا کی طرح، شام تیرہ فام
شب تھی مسافروں کے لیے، موت کا پیام غل تھا کہ ایک رات کے مہمان ہیں امام
مل بوجنا ب فاطمہ کے نور عین سے
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسین سے

لکھوں سیاہی شبِ عاشور کا جو حال ۱۱۱ دفر سیاہ ہوں، شبِ دُجور کے مثال
چھایا ہوا تھا ابر غم و حسرت و ملال کھولے تھے اہل بیتِ محمد سرود کے کمال
پیاسوں سے پوچھو رات وہ کیونکر بسر ہوئی
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

مگردوں پہ جب بیاضِ سحر کا درق کھلا ۱۱۲ یعنی کتابِ ذکر خدا کا سبق کھلا
بزمِ جہاں میں دفرِ نظم و نسق کھلا مطلعِ دمِ ظلمت نہاں ہوئی درِ بارِ شفق کھلا
پہنچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا
موج ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

ہونے لگے چراغِ نجومِ آسمان پہ گل ۱۱۳ قرنا پھکی سپاہِ عدو میں بجا دہل
برپا حسینوں میں ہوا یاں ازاں کا غل پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ جبر و کل
قدسی ہوئے نثار، جماعت کی شان پر
نعرے نازیلوں کے گئے آسمان پر

سجدوں میں یاں جھکے تھے ابھی مابدو کج سر ۱۱۴ فوجِ مستم میں ہو گئیں صفِ بندیاں اُدھر
دو چار تیر آکے گرے جب قریب در حضرت پہ آکے روک لی جاس نے سپر

کی مرض سرکشی پہ یہ سب فوجِ شام ہے

فرمایا آپ نے یہ اجس کا پیام ہے

پھر بیٹھے جانماز پہ شاہِ فلک وقار ۱۱۵ شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار
بہر پر رکھا عمامہ محبوب کردگار پہنی قبائے خسرو عالم بہ افتخار

پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے

باندھی مکر شفاعتِ امت کے واسطے

رخصت کو اہل بیتِ نبی میں گئے امام ۱۱۶ قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
وہ شور الفراق کا وہ یاس کے کلام بچے بھی سر پٹکتے تھے ملے لے کے شہ کا نام

روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب جیئ سے

لیکن کلیجہ پھٹتے تھے زینب کے بین سے

روتے تھے ماں کے پہلو میں زینب کے نو نہال ۱۱۷ پر غم میں بھائی کے اُسے مطلق نہ تھا خیال
گرنے میں تھا مٹتے تھے جواں کو وہ خوشحال کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیر النساء کا لال

قربان جاؤں منہ نہ پھرانا لڑائی سے

ہشیار رہیو بہر خد امیرے بھائی سے

قاسم سے کوئی بھتی تھی اے میرے نوجوان ۱۱۸ چھپ جائے گی اب آنکھوں کے ہے عین کی شان
ایک سو تھا مادرِ مصلیٰ اکبر کا یہ بیاں اشاروں میں برس میں پکھڑتے ہوئیری جان

رخصت کو ماں سے آئے ہوز لیں سنوار کے

چڑھنا جہاد پر مجھے صدقے اتار کے

دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال ۱۱۹ بس الوداع کہہ کے چلا، فاطمہ کا لال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہِ خوشحال دیکھا کہ فوجِ سب ہے مسلح اپنے جدال

جبکہ کر سلام غازیوں نے باادب کیا

گھوڑا سوارِ دوشِ نبی نے طلب کیا

ایا جب شکوہ سے مشدد یز تیز گام ۱۲۰ ملاؤں تک دیکھتے تھے جلوہ خرام
دامن بکا کار کو کے گھر میں بڑے امام عباس نے رکاب کو تھا ماہ احترام
چھوٹی قدم سے میں یہ ہوا غم زمین کو
جسٹل جھاڑنے لگے شہر سے زمین کو

حاصل ہوا جو فیض قدس ہو سی جناب ۱۲۱ اللہ ری ضیا، مہ نو بن گئی رکاب
روشن تھے بدر سے، ثم اسپ ضیا شتاب ثابت تھا صدر زیں سے کہ ہے برج آفتاب
انساں تو کیا ہیں دیدہ انجم بھی ندیں
تار شعاع موئے ایال سمند ہیں

کس اوج سے خدیو زمین وزماں چلا ۱۲۲ رہواریا زمین پر چلا آسمان چلا
لے کر نشان ملی ولی کا نشان چلا دامن بھرے ہوئے علم زرفشاں چلا
اختر نشان بخشش سبط رسول تھے
ذرے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے

سادات کے وہ چہروں کی ضوہ علم کی شان ۱۲۳ نکتا تھا اس زمین کے ستاروں کو آسمان
وہ برجیاں بنبھالے ہوئے ہاشمی جوان رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
داران کے معرکہ میں ہزاروں پہل گئے
قبضہ چھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

پہنچے جو اس شکوہ سے وہ غازیان دیں ۱۲۴ گاڑا سپاہ کفر کے آگے نشان دیں
اللہ رے جلوہ قسیر آسمان دیں روشن تھا جس کے نور سے سب خاندان دیں
افسردختہ تھا چہرہ اقدس جناب کا
شوکت تھی عرش کی توجہ لال آفتاب کا

پلوں میں جوڑنے لگے داں تیرا ہل شر ۱۲۵ سینے حسینیوں نے ادھر کر دیے سپر
لشکر سے چند گام بڑے شاہ بکسر ویر حجت تمام کی پر نہ سکے وہ بدگھر
مطلق نہ کی تیز خط و صواب میں
تیرا کئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں

جہاں نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شیریں ۱۲۶ مولا کہاں کلام نصیحت، کہاں یہ تیسر
خاموش ہیں ادب سے جو امان بے نظیر موقع بس اب ہے جنگ کالے آسمان سریر

کیا قدرتِ خدا ہے کہ رو باہ شیر ہوں

جب ان سے چین لے کوئی دیا تو زیر ہوں

بوئے حبیبِ رحم کی بھی انتہا ہے اب ۱۲۷ دیکھے رضا جہاد کی یا شاہِ تشنہ لب
گدھے ہیں سات روز کہ ہے رنج پر تعب بچوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب

کٹ جائیں پیاسے طلق، ادا سرے دین ہو

اب سبیل پر کہیں پہنچیں تو چین ہو

فرمایا واں کثیر ہے لشکر، یہاں قلیل ۱۲۸ اچھا لڑو کہ خالق کو نین ہے کفیل
نزدیک اب ہے کوثر و نسیم و سبیل دے گا مجاہدوں کو خدا ربہ جلیل

ہاں اشتیاقِ خنجر قاتل ہمیں بھی ہے

درپیشِ صربک یہی منزل ہمیں بھی ہے

یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اقتاد ۱۲۹ رخصت اُنھیں لی کہ ملا گو مسر مراد
تیغیں پھر پھر کے جو نکلے پئے جہاد میدان سے اٹھ گئے قدم لشکرِ عباد

کس آبرو سے فدائے راہِ خدا ہوئے

سر دے کے سب امام کے حق سے ادا ہوئے

نصفِ انہار تک تھا یہی شورِ کار زار ۱۳۰ مرنے کو یہ جلا، وہ تڑپ کر ہوا نثار
رخصت لے گیا، تو اسے روئے زار زار جلتے تھے آپ لاشِ اٹھانے کو بار بار

ایک ایک نے سعادتِ عقیلی حصول کی

دمِ بھلے سب کے، گو دہیں سبطِ رسول کی

لٹنے لگی علی کی بغامت دمِ زوال ۱۳۱ کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
زینب کے نور میں بھی جب کر چکے جدال حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسنی کا لال

سترِ دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں

دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

اس وقت تھا عجیب شہ دیں پر ہجوم یاس ۱۳۲ ڈھلنا وہ دو پہر کا وہ آندھی وہ لالہ پیاس
لاٹھے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہ حق شناس

اٹھتا تھا در در دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے

فرما کے یا علی دلی بیٹھ جاتے تھے

بل من مبارز کی جواعد میں تھی پیکار ۱۳۳ بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہ نامدار دوڑ دوڑ چلی جہاں سے سکینہ جگر نگار

ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو

قطرہ نہیں ہے پانی کا منہ میں چوانے کو

گردن جھکائے چپ تھے، شہنشاہ بحر و بر ۱۳۴ لب برگ گل سے خلعت تھم درخ آسٹوں سے تر
صدے سے ہاتھ ملتے تھے عباس نامور پانی تھا خم سے اکبر ذی جہاں کا جگر

تلخ ان کو زیست تھی، انھیں سراپا بدوش تھا

دونوں دلاوروں کو شجاعت کا جوش تھا

بڑھ کے چپاے کہتے تھے اکبر یہ دم بہ دم ۱۳۵ رخصت کو عرض کرتے ہیں اب شاہ دیں ہم
فرماتے تھے اشارے میں عباس ذی حشم کہیو نہ کچھ تمہیں سر شپیر کی قسم

پہلے فدا وہ ہو گا جو خدمت گزار ہے

مرے یہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے

یہ کہہ کے رکھ دیا قدم شاہ دیں پسر ۱۳۶ حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
صدے سے قلب بل گیا تھرا گیا جگر طاقت نے تن سے کوچ کیا، جھک گئی ٹھمر

کیا سنبھلے جس پنہلم کا یوں آسماں گرے

دل تمام کے زمین پہ امام زماں گرے

بھائی کے سر کو چھاتی سے پٹا کے یہ بھسا ۱۳۷ بتلاؤ کیا ارادہ ہے، اے میرے مر لقا
دست لبوب کو جوڑ کے بولا وہ با وفا پیاسی سکینہ مرنی ہے، یا شاہ کرنلا

گڈے ہیں تین دن یونہی اس خوش صفات پر

گرا زن ہو تو پانی کو جھاؤں فرات پر

یو لے پہلے کے اشک امام فلک جناب ۱۳۸ یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزند یو تراب اچھا یہ ہے علاج تو کیجئے تلاش آب

مشتاق آپ زیر سے جنگ و جدل کے ہیں

پانی کہاں کا سب یہ بہانے اجل کے ہیں

کیا اختیار خیر، دغا دیجیے ہمیں ۱۳۹ جینے کی کوئی مشکل بتا دیجیے ہمیں

ملے گا اب کہاں، یہ بتا دیجیے ہمیں روئیں پیٹ کے، اتنی رضا دیجیے ہمیں

بھائی کی زیست قوت بازو کے ہاتھ ہے

پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے

یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شیر نوہ گر ۱۴۰ روئے جوان پسر کے لے جس طرح پدر

رخصت کی اہل بیت کو بھی ہو گئی خبر گھر کے آئی بانی سکینہ قریب در

چلائی عمو جان ادھر آ کے جا چئے

دیدار آخری مجھے دکھلا کے جا چئے

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عباس حق شناس ۱۴۱ اے خدا بھتیجی کی سنتے ہی درد کے پاس

بولی یہ مشک فے کے سکینہ بہ درد دیاس قربان عمو جان بھھا دو ہماری پیاس

پھنکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے

سقا ئی کیجیے کہ یہ کار ثواب ہے

عباس نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام ۱۴۲ بی بی تمھارے باپ کا ادنیٰ ہوں میں غلام

دی تم نے آبرو مجھے اے دختر امام اب ہو گیا جہان میں بھشتی ہمارا نام

کوثر میں سمجھوں دوش پر گر مشک آب ہو

تم بھی دعا کرو کہ چھا کامیاب ہو

کہہ کر یہ بات ہاگ اشٹائی سمند کی ۱۴۳ صورت بدل گئی فرس سر بلند کی

چھل لی ہرن کی، تیز پری تھی پرند کی سرعت ملائیں لیتی تھی ہر چوڑ بند کی

بجلی چمک کے چپ گئی، پارا اتر پ گیا

جھگ میں یوں اڑا کہ چکارا اتر پ گیا

مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے ۱۳۳ بجلی کو خوف کیا ہے، نشیب و فراز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے اڑتا تھا پر صدائے نکلتی تھی ساز سے

راکب وہ ہیں جو فرق دو عالم کے تاج ہیں

گھوڑا بھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

وہ تھوٹی وہ اہلی ہوئی انکھڑیاں وہ یال ۱۳۵ گویا کھلے تھے حور کے گیسو پری کے بال
وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ دم، وہ چال دم میں کبھی ہوا، کبھی ضیغ، کبھی غزال

وہ قصر آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا

دو پر اگر خدا سے دیتا برائی تھا

گھوٹے کی پیشکوه وہ شوکت سوار کی ۱۳۶ تصویر تھی ہوا پر شہ ذوالفقار کی
وہ نور، وہ چمک، علم زرنگار کی خوشبو مہک رہی تھی نسیم بہار کی

پنچہ نہ تھا نشان شریا مآب کا

تھا فسق، جبرئیل پہ تاج آفتاب کا

بڑھ کر صدایہ دیتا تھا اقبال دم بہ دم ۱۳۷ افزوں تر اجمال، دو بالا ترا چشم
نصرت پکارتی تھی جلو میں، قدم قدم جب تک ہے آفتاب درخشاں ہے علم

مطلب منافقوں کے جو ہیں ملتومی رہیں

یارب ترے حسین کے بازو قوی رہیں

اتندے جلالت و شوکت حضور کی ۱۳۸ دہشت سے اٹھ نہ سکتی تھی گردن غور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طود کی بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی

ڈزروں کی ضوسے مہر جہاں تاب زرد تھا

مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

پہنچا جو اس جلال سے وہ آفتاب دیں ۱۳۹ دیکھا سپاہ کو صفت شیر خمگیں
کاڑا جو دبے سے علم ہی گئی زمیں ہٹ ہٹ کے مدحوں سے چکر ایل کیں

غازی ہے، صف شکن ہے، بڑی ہے، دلیر ہے

ہٹنا نہ تھا ترائی سے جو یہ وہ شیر ہے

گرنے کے اپنے سر کی تہ لے نہ جاتے شاہ ۱۵۰ دریا سے اس جبری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ
گروا کھڑے تھے تیغ بہ کف ضیفم الا کیا قبر کی نگاہ تھی اللہ کی پناہ
پلکوں کی تیزبوں سے، کیلجے ٹکارتے
جنبش بچوؤں کی تھی کہ سردی کے وار تھے

خود اب تو دی ہے شہ نے اسے رخصت جلال ۱۵۱ دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش فہمال
اس کا جلال حیدر مقرر کا ہے جلال کمرش جولا لکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
اس معرکے میں بس نہ چلا اس کا بھائی سے
دیکھو یہ شیر اب نہ ہٹے گا ترائی سے

یہ سن کے تہلکہ صف اعدا میں پڑ گیا ۱۵۲ ٹوٹا وہ مورچہ، وہ رسالہ بھڑ گیا
ہر غول میں علم سے علم جھک کے لڑ گیا جو رہ گیا ناٹاں، وہ نجات سے گڑ گیا
ہل چل میں چٹکیوں سے جو چلے نکل گئے
اس صف کے تیر سہم کے اس صف میں چل گئے

تینیں کھنچی لیے ہوئے بھاگے جواہل شر ۱۵۳ کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا، اور کسی کا سر
تلواریاں پڑی تھی کسی کی تو داں سپر برچھی تھی اس شقی کی، تو اس غص کا جگر
یہ جنگ تھی کہ حشر کوئی جاننا نہ تھا
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا

گھبرا کے ابن سعد نے لشکر کو دی صدا ۱۵۴ چھوڑ آئے مورچوں کو، شجاعویہ کیا کیا
اتنا ہراس نام درد، ننگ کی ہے جا وہ کون تھے علی سے لڑے جو دم وفا
سب ل کے روکتے نہیں اس تشنہ کام کو
کھو تے ہو معرکے میں بزرگوں کے نام کو

قاتل تھائے جد و پدر کا تھا جو ڈالیر ۱۵۵ ہاں غازیو! اسی کا جگر بند ہے یہ شیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر دشمن کو پا کے واہ یہ کم جراتی، یہ دیر
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تہمتن بھی گرد ہو
لوکستان بدر کا بدلہ، جو مرد ہو

یہ سن کے سب کو جوش حمیت کا آگیا ۱۵۶ ابلیس آکے راہ ضلالت بتا گیا
پھر ابرو فوج شام، لب نہر چھا گیا شور دہل سے رعد کا دل تھر تھرا گیا

جو جوتے منتشر وہ پرے پھر ہم ہوئے

پھر سب نشان کھل گئے نینے علم ہوئے

پڑھ کر رجز علی ولی کا پس بڑھا ۱۵۷ گویا شکار کھیلنے کو شیر نز، بڑھا
دریائے قہر خالق جن و بشر بڑھا بہر نبرد، مالک فوج و ظفر، بڑھا

ترنیا جو رخس، برق نگاہوں سے گر گئی

آمد خدا کے شیر کی آنکھوں میں پھر گئی

کا پنے طبق زمیں کے ہلا چرخ لا جو رد ۱۵۸ مانند کبیرا ہوا، مٹی کا رنگ نلہ
اٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی، زلزلے میں گرد تیغوں کی آہنج دیکھ کے بھاگی ہوئے مرد

گرمی سے دن کی ہوش اڑے وحش و طیر کے

شیر اس طرف اتر گئے دریا کو پیر کے

نیکل ادھر غلاف سے وہ برق شعلا یز ۱۵۹ چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زبان تیز
چمکے شررا بھر کنے لگی آتش ستیز تمغیر اجل نے بند ہوئے کوچہ گریز

آیا خدا کا قہر ہر اک روسیہ پر

بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

چمکی گرمی، تڑپ کے کیلجے ہلا گئی ۱۶۰ جوتے ہوا پر، خاک میں ان کو دگئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی جو ہر دکھا کے فوج کو ہیرا نکلا گئی

دعویٰ تھا خون قاسم یوسف جمال کا

یوں تیغ نے عوض لیا شیر کے لال کا

کھا کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں ۱۶۱ ٹھہری نہ بے لہو پیے دم بھر لڑائی میں
ماہت بے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں پہلے انھیں کے کاٹ گئی سر لڑائی میں

دو ٹکڑے ہو کے گرنا تھا جو راہوار سے

یہ اٹھ کے داد ماٹتی تھی ذوالفقار سے

جس غول پہ گرمی نہڑی نہ تھی کہیں ۱۶۲ اکے ہم بھی کی نہ اس کی برش نے کمی کہیں
پتلی کہیں کسی پہ کسی جادوی کہیں فوجوں میں ابتری تھی کہیں، برہمی کہیں

کالے ہوئے نشان تھے زمیں پر پڑے ہوئے

ہر جاتے ضرب تیغ کے جھنڈے گلے ہوئے

جل جل کے آب تیغ سے کفار مر گئے ۱۶۳ پس پس کے بھاگنے میں جفا کار مر گئے
ہامی تھے جتنے سب وہ نمودار مر گئے دو ہاتھ جب ادھر سے چلے چار مر گئے

قل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رن کی ہے

کہتا تھا شیر، ہاں یہ مدد بخت کی ہے

جب وار چل گیا سپر آہنیں کٹی ۱۶۴ دستا نہ کٹ کے ہاتھ کٹا آستیں کٹی
مغفر کٹا، دو نیم ہوا سر، جبیں کٹی سینے کو لے کے زیں سے جواڑی زمیں کٹی

چورنگ تھا فرس تو دوپار اسوار تھا

الشدرے منہ کر تیغ نے جانا چنار تھا

آئی بدھ مر لہو میں سراسر بھری ہوئی ۱۶۵ خالی صفوں میں اور سوا ابتری ہوئی
بے جاں تھا جس پہ سایہ نکلن وہ پری ہوئی پھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل پر ڈی ہوئی

آجی اُس کی قہر تھی، کوئی کیونکر الگ جائے

چھپتی تھی برق بھی کہ ہوا اس کی لگن جائے

بے صبر تھا جس کے فرق پہ وہ جاں گزائی ۱۶۶ اک آگ تھی کہ چنبر گردوں میں جا لگی
چار آئینہ پہ حربت قہر خدا لگی کڑیاں کھلیں زرہ کی جب اس کی ہوا لگی

برپا تھا شور چار طرف بھاگ بھاگ کا

پانی اثر دکھاتا تھا لوہے کو آگ کا

پلٹی اُدھر سے جب تو اُدھر کا پرانہ تھا ۱۶۷ کالے تھے سڑپہ فرق برش میں ذرانہ تھا
چمٹکا ہوا حاسم، بدن اس کا ہرانہ تھا خوں سب کا پی گئی تھی مگر دم بھرا نہ تھا

سیل فنا تھا جنگ میں کاٹ اس کی دھار کا

دم غم تھا کھاٹ باڑھ میں، سب ذوالفقار کا

گودا وہ ہاتھ اور وہ تلوار کی چمک ۱۶۸ تھی صاف تیغ حیدر کرار کی چمک
موجوں پہ گیس ڈالتی تھی دھلک چمک اس پار تک پہنچتی تھی اس پار کی چمک

اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں

خشب میں زلزلہ تھا، تلاطم فرات میں

بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سو ۱۶۹ کشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سو

تھارن میں گرم موت کا بازار، چار سو پھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار، چار سو

تیغ آئی جس پہ اس کا بھی لڑا اس پہ چل گیا

وہ سرگرا گئی، تو یہ لاسٹہ کھل گیا

ثابت ہو جس پہ زرد کوئی ایسی کہاں نہ تھی ۱۷۰ تیرا گنوں کی خوف سے خاطر نشان نہ تھی

گو میان تھا، تو تیغ دم اتھاں نہ تھی یہ طرف بات تھی کہ دہن تھا زباں نہ تھی

جزائر سر جھکائے تھے، تلوار کی طسرح

کشرش غموش تھی لبِ سوفار کی طسرح

جب ضرب کی زبیں کے طبق بل کے رہ گئے ۱۷۱ سر اڑ گئے گلوں سے گلے ل کے رہ گئے

زخموں کے کھول چار طرف کھل کے رہ گئے بسل تڑپ کے سامنے بسل کے رہ گئے

بھوم مزاج لخت دل بو تراب تھا

لاسٹے الٹ گئے یہ نیا انقلاب تھا

مکن نہ تھا کہ ایک کو سب میں اماں ملے ۱۷۲ مارا وہیں چھپے ہوئے ظالم جہاں ملے

جو نام در بڑے تھے نہ ان کے نشان ملے ریتی پہ گر لے بھی تو لاشے تپاں ملے

کیوں مہر کے میں تیغ دو دم سرخرو نہ ہو

ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

زہرہ کسی کا آب تھا ڈرے کسی کا دل ۱۷۳ بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا بھائی کے مشعل

آفت تھی قبر تھی برش تیغ جاں گسل کرتی تھی شکل گو وہ ہیوئی سے منتقل

جھکے تھے منہ زاتی یہ اعمال زشت کی

ہینت بدل گئی تھی ہر اک بد سرشت کی

ڈوبے لہو میں گھاٹ ستمگار روک کے ۱۴۴ دم بھرنے رک سکا کوئی اک وار روک کے
جب بھاگتا سپر کو ہسیہ کار روک کے عباس مسکراتے تھے تلوار روک کے
ٹھہرا جہاں لیا ڈوبیں گھوڑے کو پھیر کے
کوئی شکار نہ پختا ہے، پنجہ سے شیر کے

وہ تیغ شعلہ زاکِ چمک، وہ فرس کی جست ۱۴۵ رستے کھلے ہوئے، نہ صفیں وہ نہ بند و بست
بجلی گری، پھر اجوڑا دست حق پرست غارت وہ مورچہ، ادھر آفت، ادھر شکست
افسر سے فوج، فوج سے افسر چھٹے ہوئے
سب چھاؤنی اجاڑ محلے لئے ہوئے

ہر اک علم کی چوب ضلالت نشان کٹی ۱۴۶ منہ تیغ کا کٹا تو سناں کی زباں کٹی
ترکش کئے، قلم ہوئے نیزے سناں کٹی ٹکڑے ہوئے زرہ، کمر پہلوں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے نہ رو جس توں کے ساتھ
تارِ نفس بھی کٹ گئے تھے گردنوں کے ساتھ

ناری صفوں میں جل گئے جب شعلہ در ہوئی ۱۴۷ چمکی ادھر یہ تیغ، تجبلی ادھر ہوئی
شب کو چمن کھلا، جو سپر خوں سے تر ہوئی سر دھڑ سے گر پڑا، توجہ کو خبر ہوئی
چلائی موت صدقے تری کج ادائی کے
بولی نکل کے روح نثار اس صفائی کے

جب سن سے فوج کفر وہ جنگ جو چلی ۱۴۸ گویا سموم قہر خدا چار سو چلی
بسل پھر اک کے رہ گئے یوں تند خو چلی ٹکڑے اڑائے، ذبح کیا، سر خر دو چلی
غل تھا بُرش ہے قہر کی جو ہر بلا کے ہیں
دم بھر میں فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

جس کے گلے سے تل کے چلی مر کے رہ گیا ۱۴۹ بسل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا سکتے ہیں کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا

دو پتلیاں بھی بہر تماشا تلی رہی
سرکھ کے گر پڑا، مگر آنکھیں کھلی رہی

کہنی سے دونوں ہاتھ جدا تن سے سر جدا ۱۸۰ ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ٹھہر جدا
اس ہاتھ سے جو تیغ تو اس سے سپر جدا بھائی سے بھائی اور سپر سے پدر جدا

وہ چٹکے بھی ہول قیامت سے کم نہ تھے

کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعنفا بہم نہ تھے

اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی ۱۸۱ لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی
برجیت کو پرے سے نکلنے نہ دیتی تھی رستم بھی ہو تو ٹھٹھا بدلنے نہ دیتی تھی

جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا

جس کا قدم بڑھانے سپر تھی نہ ہاتھ تھا

اٹھی، چلی، سپاہ میں آئی، جدا ہوئی ۱۸۲ پنجہ جو نچ گیا تو کلائی جدا ہوئی
صف کی جدا، پرے کی صفائی جدا ہوئی پیری جگر میں، خوں میں نہائی جدا ہوئی

دم توڑے یا مرے کوئی پروا درانہ تھی

نکلی جو خوں میں پیر کے پھر آشنا نہ تھی

پھپھتی تھی برق اس کی چمک دیکھ دیکھ کے ۱۸۳ رہ جاتی تھی سا کو، ہمک دیکھ دیکھ کے
تھڑا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے خورشید کا پتا تھا، جلک دیکھ دیکھ کے

جوہر میں پیچ و تاب تھا زلفوں کے جال کا

بکلی کی ذرق برق تھی جسم خرم ہلال کا

تنہی تھی سرتنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے ۱۸۴ کرتی تھی ناز حشر بپا دیکھ دیکھ کے
بے خود تھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے چشمک قضا کی تھی کہ ذرا دیکھ دیکھ کے

کہتی تھی تیغ گو کہ سر و بھی کا ہاتھ ہوں

تو میرے دم کے ساتھ ہے میں تیرے ساتھ ہوں

سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطع راہ ۱۸۵ اس صف کے ہاتھ پاؤں قلم، وہ پر اتباہ
خطا جا بجا تھے خاک پر مابین رزم گاہ کٹ کٹ کے تیغیں کہتی تھیں اللہ کی پناہ

کتر کے لو پھر آئی لہو چاٹتی ہوئی

چلتی ہے یہ تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی

گھیرا جو یک بہ یک غضب کر دگار نے ۱۸۶ گھوٹے بھگائے فوج ضلالت شعار نے
کھینچا سر آسماں پر زمیں کے غبار نے سربراہی خاک سیاہ روزگار نے
دن چھپ گیا یہ گرد پڑی روئے مہر پر

مٹی کا پل بندھا تھا، محیط سپہر پر
اللہ بے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در ۱۸۷ جنگل میں چھتے پھرتے تھے ڈرڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر دنیا میں خاک اڑتی ہے، اب جائیں ہم کدھر
اندھیر ہے اٹھی برکت اب جہان سے
لول گیا زمیں کا طبق آسمان سے

دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام ۱۸۸ ساحل تک آئے حضرت عباس نیک نام
نعرہ کیا ترائی تو شیروں کا ہے مقام وہ زور شور کیا ہوا اے ساکنانِ شام
تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹاؤ تو جانیں کہ مرد ہو

وہ حکم اور تھا کہ نہ تھی بولنے کی تاب ۱۸۹ رہتی یہ کیا سپاہ کی مٹی ہوئی خراب
لاکھوں میں اب تو بے کوئی اس تیغ کا جواب یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزند بو تراب
افسوس ابن سعد ستمگار مل گیا
پر خیر کچھ بخار تو دل کا نکل گیا

یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہریں سمند ۱۹۰ طاؤس دُما اٹھا کے بنا اسپ سر بلند
چمکا جو عکس روئے علمدار ارجمند پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دو چند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکا چوند ہو گئی

جلوے جو نہر میں علم سبز نے دکھائے ۱۹۱ اک شور تھا کہ خضر علیہ السلام آئے
پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے پھر آنکھ میں جاباب کی کیا آسماں سمائے
ہر رنگ ریزہ نور سے دُر خوش آب تھا
لہریں جو تھیں کرن تو بھنورا آفتاب تھا

چھاتی تک اس نے پانی کو دیکھا جو ایک بار ۱۹۲ گھوڑے کا دل ہوا صفت موج بقیہ راز
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار بولے یہ باگ چھوڑ کے عباس نامدار

تو پی لے لے فرس کہ بہت تشنہ کام ہے

ہم پر تو بے حسین یہ پانی حرام ہے

گردن ہلا کے کہنے لگا، اسپ تیز گام ۱۹۳ بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام
اس تو میں نہیں کہ ڈھو دوں وفا کا نام آقا، ابھی حسین کے بچے ہیں، تشنہ کام

مطلب یہ ہے کہ ذکر وفا چار سوار ہے

نرخشک لب نہ ہوں تو نہ ہوں آبرو ہے

ہر چند تین روز سے ہے پیاس کا وفور ۱۹۴ پیتا یہ خانہ زاد بھی، پیتے اگر حضور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور جانیں بچیں صغیروں کی فکر اس کی جو ضرور

ناموس مصطلے میں تلاطم ہے ذات سے

اب جلد مشک بھر کے پیکلے فرات سے

بچوں کا حال سن کے لگا دل پر تیسر غم ۱۹۵ روئے لہو کے اشکوں سے عباس باکرم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا ہر چشم غم نکلا پلٹ کے نہر سے شہدیز خوش قدم

بڑھتے ہی بحر ظلم کی موجوں میں گھر گیا

سقا بنی کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

ہاں راہ روک لو یہ ہوئی چار سو پکار ۱۹۶ برچھے اٹھا اٹھا کے بڑے سیکڑوں سوار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اٹھا ابر کو ہمار تیغیں علم ہوئیں، کہ بندہ صا آہنی حصار

ہلتا تھا چرخ غفلت دار و گیر سے

حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

کہتا تھا گرز تول کے ایک ایک پہلو ۱۹۷ رکھ دو ہر مشک لے اسد اللہ کے نشان
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباس نوجوان چہرہ بگاڑ دوں گا سنبھالے رہو زباں

کیا منہ جو مشک لے کوئی جب تک یہ ہاتھ ہے

لے لے بے حقیقت، مری جاں اس کے ساتھ ہے

ظلی سے تھی ہمیں، انھیں عہدوں کی آلودہ ۱۹۸ دونوں امانتیں ہیں، یہ اے فوج کینڈ جو
اک مشک، اک نشانِ شہنشاہ نیک خو اس سے جہاں میں نام ہے اور اس سے آبرو
گر مر گئے تو رنج و الم لے کے جائیں گے

مختاران کا جو ہے اسے لے کے جائیں گے ۲۲
بھٹے یہ کہہ کے تیغ دو دستی، علم کیے ۱۹۹ دونوں طرف کے نیزہ خلی قلم کیے
حملے صغوں پر صورت شیر و زخم کیے تیغ دو دم سے بند لعینوں کے دم کیے
سن سن پلٹ کے چلنے میں کمریں جو کٹ گئیں
آدمی صغیں تو بچ گئیں، آدمی الٹ گئیں

بو چھاریک بریک ہوئی تیروں کی ہے غضب ۲۰۰ تیغیں چلیں عقب سے شہیدوں کی ہو غضب
یہ شکل دو جہاں کے امیروں کی ہے غضب بچنے نہ پانی پیاس غریبوں کی ہے غضب

نیزے تھے اور چاند سے پہلو دیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے
زخمی تھے پرفرس کو ڈپٹتے تھے بار بار ۲۰۱ چہرے پر زخم کھا کے بھٹتے تھے بار بار
بڑے بڑے کے غول فوج کے بھٹتے تھے بار بار تن سرے، پانچ سات کے، کٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علی کی لڑائی کا
اعدائے خون سے لال تھا سبزہ ترائی کا

بھٹتے علم کو، روک کے کہتے تھے بار بار ۲۰۲ قوت عطا کرو مجھے یا شیر کردگار
دیتے تھے دم بہ دم یہ صدا، شاہ ذوالفقار بیٹا ترے شکے ہوئے بازو کے میں نشان
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
کانڈے پر مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

داحسرتا وہ فوج کا بلوہ، وہ ایک جاں ۲۰۳ فاقہ وہ تین دن کا وہ سوکھی ہوئی زباں
لڑنے کی عمر، مشک کا دھڑکا، علم کا دھیاں جی سن سے ہو گیا، کہیں کڑکی اگر کہاں
بھکی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی
روکا سپرے تیر تو خفا طرناں ہوئی

کھاتے تھے تن پر زخم، کچھ اپنا نہ تھا الم ۲۰۳ مضطر تھا مشک کے لیے وہ صاحبِ کرم
بہتا تھا خوں رکابوں میں تھمتے نہ تھے قدم قوت کو ضعف، ضعف کو قوت تھی دم بہ دم

اعدا ہدف بنائے تھے کیلئے سے مشک کو

پر یہ جہاد کرتے تھے سینے سے مشک کو

تلوار ہاتھ میں، علم شاہِ دوش پر ۲۰۵ ہرنے پہ گاہِ مشک رکھی، گاہِ دوش پر
اک تیغ تیز چس گئی ناگاہِ دوش پر تلوار کیا پہاڑ گرا آہِ دوش پر

صدہ ادرہ تو مشک کا جانِ حزیں پہ تھا

دیکھا جو پھر کے دستِ مبارک زمیں پہ تھا

شانے سے یوں اہل کے بہانوں کہ الاماں ۲۰۶ تیور کے جھومنے لگے عباسِ نوجواں
پمچلی کی طرح ہاتھ تو ریتی پہ تھاپتیاں لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے انگلیاں

بے دست ہو گئی تھی، جو اس صفدی کے ساتھ

تلوار بھی تو پتی تھی دستِ جری کے ساتھ

دہناتھا ہاتھ تیغ اسی میں تھی، ہے ستم ۲۰۷ اب تھاما بائیں ہاتھ میں مشکیزہ و علم
تلواریں دو چلیں جو کیس گاہ سے بہیم الجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم

کس سے ہٹائیں فوج کو کس سے دغا کریں

بتلاؤ اب کہ حضرت عباس کیا کریں

ڈر سے قریں تو آندسکا، کوئی نابکار ۲۰۸ پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
اک تیر لگ کے مشک پہ گندرا جگر کے پار پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار

ہے ہے سکینہ کہہ کے فلک پر نگاہ کی

ہرنے پہ سر پٹک کے بہشتی نے آہ کی

گر بستم سے شق ہوا، ناگہ سر جناب ۲۰۹ تھمڑے ہونٹ چٹ گئی داتوں کے شکاب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب گھوٹے سے تھر تھرا کے گرے نشِ آفتاب

تو پئے اٹھے، کراہ کے خاموش ہو گئے

منہ رکھ کے خالی مشک پہ بیہوش ہو گئے

ان کا تو یاں ہے کوچ، سنو واں کی اب خبر ۲۱۰ ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
پٹا ہوا ہے چھاتی سے، عباس کا پسر روتی ہے سر جھکائے سکینہ قریب در

زینب کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ رکھ

بکھڑائے بال، زوہر عباس ساتھ ہو

زینب سے عرض کرتی ہے، رو کر وہ دل دکھار ۲۱۱ ہے ہے یہ شور نہر پہ، کیسا ہے میں نثار
کچھ دم الجھ رہا ہے، تیریں قلب کو قرار گرتی ہے کانپنے میں رداسر سے بار بار

خیر اب نہیں ہے، خیر کے انداز اور ہیں

بی بی یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں

کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر ۲۱۲ پردہ اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں نکلے سر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے بابے بنے اُدھر دوڑے زمیں سے اٹھ کے شہنشاہ بحر و بر

ماتم میں نوحاں کے دل اندوہناک تھا

تلوار ہاتھ میں تھی، گریبان چاک تھا

لستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم ۲۱۳ اکبر سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بہ دم
فرماتے تھے ترمپ کے پسر سے شہزادہ ام جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے الم

راز و پھڑکے دل سے زہر اکو لے چلو

بیٹا چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو

اک اک قدم پہ ضعف و تقاہت ہے ستوار ۲۱۴ عباس کیا بچھڑ گئے گھسے ہو گیا تباہ
جیتے رہے تھے ٹھوکریں کھانے کو آہ وہ کہتے ہوں گے لاش پہ ایک نہ آئے شاہ

شوق ہو جگر، جو میرا دھر سے جھٹا نہ ہو

یارب کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو

ٹھہر کر پاؤں اب نہیں قابو میں لے پسر ۲۱۵ تم ہاتھ تھامتے ہو جھکی جاتی ہے کمر
سینہ لہو ہے دل پہ تپاں چاک ہے جگر اکبر بتاؤ ہاتھ میں رکھوں کہ حر کہ صر

لو اتنے بولنے میں بدن سر ہو گیا

کیا دکھ ہے یہ کہ میں ہر تن درو ہو گیا

اس مشکل سے ترائی میں پہنچے، جو شاہ دیں ۲۱۶ رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبر حزیں
 بابا یہی ہے لاشِ علمدار مجہیں گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
 رکھے ہوئے ہیں مشک پر منہ پیار دیکھیے
 شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھیے

حضرت پکائے جان بھی جسم زار میں ۲۱۷ یا مر گئے تڑپ کے مرے انتظار میں
 کی عرض دم تو ہے جسد زخم دار میں پر منہ سے بولتے نہیں کچھ اختصار میں
 کیجئے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو
 آنکھیں کھلی ہیں دیکھ رہے ہیں حضور کو

چلائے گر کے لاش پر شبیر نامدار ۲۱۸ بھیتا تمھاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
 اس نزع میں بھی تھا تمھیں بجائی کا انتظار آنکھیں پھر کے دھونڈتے ہو ہم کو بار بار
 شاید زباں ہے بند، جوب کھولتے نہیں
 روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

مر جائے گاحسینؑ، برادر جواب دو ۲۱۹ اے میرے نوجواں مرے صفدر جواب دو
 اب جاں بلب ہے سبطِ پیغمبرؐ، جواب دو اے نور چشم ساقی کوثر، جواب دو
 لگنت زبانِ خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
 بھیتا تمھارے سر کی قسم ہم تمام ہیں

شن لو تمھیں دیا ہے سکینے کچھ پیام ۲۲۰ ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آوے وہ تشنہ کام
 جنبش ہوئی لبوں کو، بھیتی کاس کے نام کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
 قدموں پہ آنکھیں کٹنے کو دل بے قرار تھا
 مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا۔

منہ رک کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال ۲۲۱ کیوں چپ ہوئے، کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
 ان سوکے سوکے ہونٹوں پر صدقے ملی کا لال بھیتا مد کو آئے ہیں، اب شیر ذوالجلال
 رخ کیوں ہے نزد کونسی ایزد گذرتی ہے
 کیوں دم بہ دم کراہتے ہو، کیا گذرتی ہے

گودی میں ہے مری، دم آخر تمہارا سر ۲۲۲ اور پائنتی، جوان بھیتا ہے نوحہ گر
 گڈے لگی ہم پہ جو تمہیں اس کی بھی ہے خبر سینہ پہ ہو گا تیغ لیے شمشیر بدگھر
 شمشیر حلق خشک پہ چلتی ہے کس طرح
 دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح
 یہ بات سن کے نزع میں عباسؑ تھر تھرائے ۲۲۳ قطرے لہو کے آنکھوں سے عارضہ پہ چپکے آئے
 دوبار سر ہٹک کے، پکائے کے ہائے ہائے پر خون دہن حسین کے قدموں کے پاس لائے
 ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
 سراؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا
 اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے ۲۲۴ جھک کر پکارے شاہ کہ بھتیجا کدھر گئے
 منہ تو اٹھاؤ، خاک سے رخسار بھر گئے وحسرتا سینہ کو بے آس کر گئے
 اب کون دے گا دکھ میں نبی کے سپر کا ساتھ
 دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ
 اے میرے شیر صف شکن لے میرے نوجوان ۲۲۵ پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
 شیر خدا کا آج بہاں سے مٹا نشان تم کو حسینؑ جانتا تھا اپنے تن کی جاں
 تیغوں میں اب سپر نہیں بھائی کے ہوتے ہو
 بازو کٹائے شیر سے دیا پہ سوتے ہو
 آتے ہی بھاگتی تھی، ترائی کی جا تمہیں ۲۲۶ اللہ کیا پسند تھی یاں کی ہوا تمہیں
 بخشی خدا نے قبر بھی، سب سے جدا تمہیں آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمہیں
 اتنی جگہ کے واسطے پھرتے حسینؑ سے
 بھیتا ہوائے سرد میں اب سوؤ حسینؑ سے
 قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم ۲۲۷ کیا تفرقہ دکھایا ہے گردوں نے بے ستم
 کیا خوب ہو، اگر وہ ہیں نکلے ہمارا دم الفت یہ چاہتی ہے کہ قبر میں بھی ہوں ہم
 روئیں سر ہانے بیٹھ کے جو سو گوار ہوں
 ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

آئی صدائے حضرت خاتونِ روزگار ۲۲۸ ہے ہے جہاں سے اٹھ گیا ایسا وفا شعار
اے میرے لال تیرے تڑپنے کے میں شمار میرا پس ہے آج سے عباس نامدار
بیٹا بلائیں لاش کی لینے کو آئی ہوں

پُرسا حصارے بھائی کا لینے کو آئی ہوں
واری، تم اب یہ مشک و علم لے کے جاؤ گھر ۲۲۹ ایسا نہ ہو، نکل پڑے زینبِ برہنہ سر
چلائے تب یہ رو کے شہنشاہِ بحرِ دہر اماں کمر تو ٹوٹ گئی جائیں اب کدھر
ہم مر گئے کہ خلق سے بھائی گذر گیا
بازو ہمارا تھامنے والا تو، مر گیا

اکبر سے پھر کہا کہ علم خاک سے اٹھاؤ ۲۳۰ پُرخوں یہ مشک خیر عصمت میں لے کے آؤ
بیوہ ہوئی چچی اسے پُرسا دو خاک اڑاؤ بیٹا چما کے بچوں کو جا کر گلے لگاؤ
پوچھیں جو سب کہ سب سے بڑا کدھر گئے
کہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے

اکبر یہ شہ سے سن کے جو روئے بہ صد بکا ۲۳۱ تڑپے اک آہ کر کے شہنشاہِ کر بلا
ناگاہ آئی در سے سکینہ کی یہ صدا بابا میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
روتے ہیں آپ کیوں مرے عم کو کدھر گئے
حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گذر گئے

فرما کے یہ زمیں سے اٹھے شاہِ انس و جاں ۲۳۲ رو کر علم سے باندھ دی وہ مشک خونچکاں
پہنچے حرمِ سرا کے جو نزدیک ناگہاں سر پیٹ کے سکینہ نے تب یہ کیا بیاں
اندھیر ہے جہاں، مجھے کچھ سوچتا نہیں

ہے علم تو آیا ہے میسرا چچا نہیں
ڈھونڈوں کہاں میں لے مے عم کو کدھر گئے ۲۳۳ مجھ کو پتا دیا یہ وہاں کا، جدھر گئے
دیا سے مشک بچ دی اور خود گذر گئے پانی بیاض تشنہ دہن کو پچ کر گئے
شانے کٹے تھے مشک بھی تیغوں سے کٹ گئی
وہ کیا کریں ہماری ہی قسمت الٹ گئی

غل پر گیا کہ شہر کے عطار ہائے ہائے ۲۳۲ اے نور چشم حیدر گزار ہائے ہائے
اے ابنِ فاطمہ کے مدگار ہائے ہائے اے فوجِ شہ کے جعفر طیار ہائے ہائے

چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر

دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر

حضرت نے لاکے گاڑ دیا صحن میں علم ۲۳۵ اور گر پڑے زمیں پر شہنشاہِ باکرم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم جن سے جدا نہ ہوتے تھے کھولے ان کو ہم

پوچھو ہمارے دل سے مصیبتِ جدائی کی

بھائی ہی جانتا ہے محبت کو بھائی کی

بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ہزار حیف ۲۳۶ چھوڑا نہ پھل نہ پھول نہ بوٹا، ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا، ہزار حیف اتمت نے میرے باغ کو ٹوٹا، ہزار حیف

فریاد ہے لعینوں نے ہم پرستم کیا

تیغوں سے سرو باغِ علی کو قسم کیا

نیرِ علم تھا زوجہ عباس کا یہ حال ۲۳۷ ماتھا بھرا تھا خاک سے بھرے ہوئے تھے بال
چلائی تھی یتیم ہوئے میرے دونوں لال دنیا سے کھو گئے مجھے عباس خوش خصال

ہے ہے علی کا نور نظر مجھ سے چھٹ گیا

میں رائی ہو گئی مرا اقبال لٹ گیا

ناگاہ صدا علی کی یہ آئی کہ اے بہو ۲۳۸ زانو پہ تھا میرے سر جاس نیک خو
آئی ہے تیرے پڑے سے کوزہ ہر اکشادہ ٹو بنی بس اب حسین کو رو کر رُلانا تو

بھائی کے غم میں لال مراد درد مند ہے

اب صبر کر کہ صبر خدا کو پسند ہے

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے ۲۳۹ تم میں شریکِ روح رسولِ انام ہے
اب رخصتِ حسینِ علیؑ السلام ہے چہلم کی مجلسوں کا بھی، آج اختتام ہے

موت آئی تو شریکِ خدا کون ہوئے گا

جو سالِ بحرِ بے گادہ پھر شہ کو روئے گا

آگے تمھارے مرتے جو عباس باوفا ۲۴۰ پُرسانہ دیتے سبط رسول خدا کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہ کر بلا زہرا بھی ننگے سر ہے، قیامت کروڑ بپا

سمجھو شریک بزم شہر قین کو

دے لو جوان بھائی کا پُرسا حسین کو

یہ کبہ کے ہائے حضرت عباس خاک اڑاؤ ۲۴۱ پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور انگ خوں بہاؤ
ہے حسین کبہ کے زمیں پہ پچھاڑیں کھاؤ پُرسا پسر کا فاطمہ زہرا کو دے کے جاؤ

کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو

رخصت کرو حسین علیہ السلام کو

اے بے دیا ربے سرو سامان الوداع ۲۴۲ اے بنتِ مصطفیٰ کے دل و جان الوداع

اے دو جہاں کے سید و سلطان الوداع اے شیعیاں ہند کے مہمان الوداع

آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے

جب تک جییں گے آپ کی غربت پر نہیں گے

مولا فریح پاک پہ بلوایے شتاب ۲۴۳ اب ہجر کی انیس کے دل کو نہیں ہے تاب

رہ جائے گی ہوس جو دیا زلیست نے جواب خاکِ شفا ملے مجھے یا ابنِ بو ترابؑ

اچھی نہیں مریض کو دوریِ مسیح سے

حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر فریح سے

مرثیہ (۶)

بغداد فارہل میدان تہور تھا خر ۱ ایک دولاکھ سوا لاکھ میں بہادر تھا خر
نار و نزع سے ابوذر کی طرح خر تھا خر گو ہر تاج سر عرش ہو وہ قد تھا خر

ڈھونڈ لی راہ خدا کام بھی کیا نیک ہوا

پاک پلنت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

واہ رے طالب میدان، رہے عزت و جاہ ۲ خر پہ کیا فضل خدا ہو گیا، اللہ اللہ
پیشوائی کو گئے آپ، مشہ عرش پناہ خضر قسمت نے بتادی اسے فردوس کی راہ

مذوق دور رہے جو وہ قریب ایسا ہو

بخت ایسے ہوں، اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر ۳ ابھی ذرہ تھا ابھی ہو گیا خود شہید بنیر
شائع حشر نے خوش ہو کے بھل کی تقصیر تکیہ زانوئے شہید ملا و قضا خیر

ادج و اقبال و حشم نوح خدا میں پایا

جب ہوا خاک تو گھر خاک شفا میں پایا

اللہ اللہ مرصفر و غازی کا نصیب ۴ جان محبوب الہی جسے فرمائے حبیب
ہجر میں نطف ملاقات کا دوری میں قریب وہی کام آتے ہیں حسن کے جو ہوتے ہیں نجیب

صدقے ہو جائے اسے عشق دلی کہتے ہیں

اس کو دنیا میں مسید ازلی کہتے ہیں

آیا کس شوق سے کہنے کی طرف چھوڑ کے ذیر ۵ کوئی حضرت کا لگانہ بھی نہ سمجھا اسے غیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی بنیر فقہ و شرع سے بچا، ہو گیا انجام بخیر

ذکر خیر اس کے موسے بر بھی ہوئے جاتے ہیں

عل نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں

کفر کی راہ سے کاڑھ تھا جو وہ نیک طریق ۶ کس بشارت سے ہوا رہبرایاں کا رفیق
تھے تو لاکھوں 'پسے کو بھی ہوئی یہ توفیق غلط طینت میں ہے جس کے وہی ہوتے ہیں غلط

آج دیندار کو بے ویں کو سدایستی ہے

اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

کہیں نہ بالیدہ ہو اس کا چمن جاہ و جلال ۷ جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
ہو گیا فاطمہ کے باغ میں آتے ہی نہال وہ ٹھریلے کہ بہو بچے نہ جہاں دستِ خیال
کہیں گیا پیچھے دل عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ نرزاں دیدہ، گنہ دور ہوئے

خُر کہاں، اود کہاں، محوِ مرسل کا خلف ۸ بخت نے دیر سے پہونچا دیا کبھی نہ
دل صفا ہو گیا سینے میں تو بے یہ شرف جبکہ آنکھیں ہوئی حق بین تو ملا قدحِ بخت

نیک جو امر ہیں 'دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں

جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

دستِ حرم میں چمنی متروکِ عجز و تصور ۹ آمد آمد کی بہادر کا 'سُ خواب نہ کور
جب ہوئی مستعدِ جنگ، سپاہِ مقہور مہرِ فلکِ امامت نے کیا رن میں ظہور

فل ہوا جنگ کو، اللہ کے پیرائے نکلے

لے فلک دیکھو زمین پر بھی ستارے نکلے

کیا کہوں شاہِ جوانِ جشور اللہ ۱۰ کوئی ہم طلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیریں نے مصفٰی جنگِ میانِ جنگاہ چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ

واں لینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا

بڑھ کے عباسی نے یاں سبز علم کھول دیا

ہو گئے سرخ شہامت سے رُبِ آلِ نبی ۱۱ آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے قشعہ لبی

رن میں کڑکا ہوا، بجنے لگے باجے عربی یکہ تازوں نے کیا خودِ مہارِ مہرِ ظہبی

اک ٹھٹھا ہما گئی ڈھالوں سے یہ کاروں کی

برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برجیاں تول کے ہر غول سے خون خوار بڑھے ۱۲ نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے سوار بڑھے
تیر جڑے ہوئے چلوں میں کہاں دار بڑھے بولے شہایاں سے ابھی کوئی نہ زہار بڑھے

اسد حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن سن کے مخاطب ہوئے امداد سے امام ۱۳ اے پادِ عرب و روم دے و کو قد و شام
تم پہ کرتا ہے حسین آخری جنت کو تمام پسر مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخن حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
خور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

یہ صدائے ہی خود رک گیا، قربا کا خروش ۱۴ تم گیا پبلِ دغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جڑ کے ہاتھوں کو، بلا جل خاموش کیا بجاتے کہ بجالتے کسی شخص کے ہوش
پھیڑ ناؤں کو سردیوں کا بھی نا ساز ہوا
رعبِ فرزند نبی مستورہ آواز ہوا

کہ ہوا غلغلہ فوج ستر جب اکٹا بار ۱۵ یوں گہر بار ہوئے شر کے لب گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہ نا، بخار قتلِ سادات کی، لشکر میں یہ کیسی ہے پکار
وطن آواروں پر یہ فرق ہے کیوں پانی کا
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا

مجھ کو لڑنا نہیں منظور، یہ کیا کرتے ہو ۱۶ تیر جڑے ہیں جو مجھ پر تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو دیکھو پاچا نہیں یہ ظلم، بُرا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں، اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ فلکِ بریں ۱۷ میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمد کا مکین
میں ہوں انگِ شترِ پیغمبرِ حق تم کا نگین مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہر میں
ابھی نظروں سے نہاں نورِ جو میرا ہو جائے
مخفی عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

قلزم عز و شرف کا درِ شہوار ہوں میں ۱۸ سب جہاں زیرِ نگیں ہے وہ جہاندار ہوں میں
آج گو مصلحتا، یکس و ناچار ہوں میں درِ شہ احمدِ نختار کا، نختار ہوں میں

بمخدا دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے

سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

یہ قباس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار ۱۹ یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جو میں سینہ نگار
بریں کس کا ہے یہ چار آئینہ جو ہر دار کس کا درہوار ہے یہ آج میں جس پر ہوں سوار

کس کا یہ خود ہے، یہ تیغ دوسرے کس کی ہے

کس جری کی یہ کہاں ہے، یہ سپر کس کی ہے

تنگ آئے گا تو رکے کا نہیں پھر سپر ۲۰ ایک طے میں فنا ہوں گے یہ دولاکھ شیر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ، نہ تلوار نہ تیسر کاٹ جائے گی گلے رکے یہ بُراں شمشیر

شیر ہوں تختِ دل غالب ہر غالب ہوں

میں مگر بند علیٰ ابنِ ابی طالب ہوں

مجھ کو ہوتا اگر بخشش امت کا خیال ۲۱ روک لیتا مجھے رستہ میں، یہ حرکی تھی مجال
تمام سکتا تھا لجامِ فرس برقِ مثال پوچھ لو دیکھا ہے اس نے سرے شیریں کا مجال

گفتگو میں سپر اس کی جو نہ ہم، ہو جاتے

ہاتھ اک دار میں، بہرِ نچوں سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہاتھ جاتے تھے علیٰ کے دلدار ۲۲ نیچے تو لٹے تھے عون و محمد ہر بار
اگلی پڑتی تھی جگر بند حسن کی تلوار میں نے جب سر کی قسم دی توڑ کے وہ جوار

چلتی تلوار تو جنگل سے و بالا ہوتا

پھر نہ مخر خلق میں ہوتا نہ رسالہ ہوتا

تھایہ پھر اہوا عباسی مرا شیرِ جوان ۲۳ سینہ خربہ رکھ دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ لے بھائی جاں رحم لازم ہے ہمیں، ہم ہیں امامِ دو جہاں

کچھ تر و دو نہیں، مرتن سے آتا جا جائے

کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں اہل سغا کے شایاں ۲۴ کسی شخص کو کچھ دے کے کہے سب عیاں
پوچھو لو حر تو ہے موجود عیاں راچہ بیاں اسی جنگل میں مع نوح تھا، یہ ترشہ دہاں

شور تھا آج، چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

زیت ہر شے کی ہے پانی سے، شجر ہو کہ بشر ۲۵ مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
ہیں نے عباسؑ دلاور سے کہا، گھبرا کر مشکوں والے ہیں کہاں، اونٹ ہیں پانی کے گھر
کرم سآتی کو فر کو دکھا دو بھائی

جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب ۳۶ چھا گئیں جلد منگاؤ مراد ہے بے تاب
ستے مشکیزوں کا منہ کھول کے آپہنچے شتاب متوجہ ہوا میں خود کہ، وہ تھا کارِ ثواب

چین آیا نہ مجھے، بے انھیں آرام دیے

تھا جوا یک جام کا پیسا، اُسے دوا دے دیے

تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا ۲۷ ٹھنڈے پانی پر گرے پڑتے تھے، حر کے رزقا
ترشہ کاموں کا یہ جمع تھا کہ طبع نہ تھی جا ستے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا

بھائیو آؤ، جو پانی کی طلب گاری ہے

چشمہ فیض حسینؑ ابن علیؑ جاری ہے

آب شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں ۲۸ فرس و اختر کو شتر طرز پر ہے ترشہ دہاں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی، ہر خشک نہاں پانی پنی پنی کے دُمائیں مجھے دیتے تھے جواں

شور تھا ابنِ ید اللہ نے جاں بخشی کی

دین و دنیا کے فہنشاہ نے جاں بخشی کی

ایک دن وہ تھا اور ایک دن یہ ہے اظہار ۲۹ کسی طرح ہیں پیاس میں پانی کی سہاوا
چشم امید ہو کیا، سب نے پھرائی ہے نگاہ کوئی ایک جام بھی بھر کر ہیں دیتا نہیں آہ

ہر مسلمان پر نبیؐ زادے کا حق ہوتا ہے

بچے نعتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

کئی مظلوم ہیں کسین جو مرنے جاتے ہیں ۲۰ دم اکھڑتا ہے مرا جب انھیں غش آتے ہیں
پانی پانی جو وہ کہتے ہیں تو شر جاتے ہیں پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
نکاحِ غربت کی عجب شام دھڑکتی ہے

تیسرا دن ہے، کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے
شر کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ ۳۱ غمِ سدا نے کی مُڑ کے سُرخِ حُر پہ نگاہ
بولادہ اشہد باللہ، کجا کہتے ہیں شاہ محسن و منعم واقسا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سچن حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

ایک میں کیا ہوں، زلنے پہ ہے احسان ان کا ۳۲ ابرِ رحمت میں خطا پوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پہ ہے کرمِ خلق میں، یکساں ان کا ہے خوشا حال جو غربت میں ہنہماں ان کا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
جو ادھر ہو گا خدا اس کی طرف ہوئے گا

یہ ابھی ہاتھ اٹھا کر جو دعائیں ۳۳ جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلب گار ہوں فوٹا پائیں باہم کو فوٹے ہیں فردوس سے حوریں لائیں
مثلِ خورشید ہے روشن وہ شرف ان کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

ان سے تلو کوئی مانگے تو گھر دیتے ہیں ۳۴ میں سخی ابنِ سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں یاں تو زور دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
آس مجرم کی، گنہ گار کی اُمید ہیں یہ
فدۂ پروردِ جنیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

خُرسے گہرا کے یہ بولا عمر سعدِ شہید ۳۵ یہ تو ہے صاف طرفداریِ شہ کی تقریر
اپنے مالک کا نہ کچھ ذکر نہ تعریفِ امیر اللہ اللہ یہ اوصاف، یہ مدحِ شہید
سُن چکا ہوں میں کہ معطر ہے کئی راتوں سے
اکلفِ شاہ چمکتی ہے تری باتوں سے

زود آنکھیں، زود چتون، زود تورا، نہ مزاج ۳۶ سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طود ہے آج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج جن کو سمجھا ہے فنی دل میں، وہ خود ہیں محتاج

کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے

کہیں کوثر کے توجھینٹوں میں نہیں آیا ہے

کیا کسی حور کا دکھلادیا حضرت نے جمال ۳۷ مل گیا سایہ طوبیٰ کو جو ایسا ہے نہال

قصرِ باقوت میں پہنچا، جو ترانگ ہے لال کون سے میوہ شہیریں پیٹکتی ہے رال

دفعہ حق نمک کو بھی فراموش کیا

کیا تجھے بادۂ نسیم نے بیہوش کیا

میں جہاں دیدہ ہوں سب مجکو خبر ہے تیری ۳۸ قرۃ العینؑ محسوس ہے نظر ہے تیری

ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری جسم خالی ہے ادھر، جان ادھر ہے تیری

ماہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے

تو نے فرزندِ یدائش سے سازش کی ہے

خیر حنفی نہ رہے گا یہ قصور اور قصور ۳۹ لکھیں گے عہدہ اخبار پہ جو ہیں مامور

حاکمِ شام ہے جابر، وہ سزاوے کا ضرور گرجے دار یہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور

سب تری قوم کے سرتن سے جدا ہوئیں گے

زن و فرزند، گزشتہ بار بلا ہوئیں گے

نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر ۴۰ آنکھیں نکلیں گی، محبت سے جو دیکھے گا ادھر

شجرِ قامتِ سرور پہ، جو ڈالے کا نظر سر چڑھے گا ترابرجی پہ، یہ ہے اس کا اثر

البتہ زلف سے بھی بیچ میں تو آئے گا

خالِ رخ دیکھا، تو گھر خائفے لگ جائے گا

بدرِ پیشانی سرور کا ہے جو سر میں خیال ۴۱ تو اسی ماہ میں نقصاں تراہوئے گا کمال

سب میں ہو جائے گا انگشتِ ناشکل ہلال تیر و شمشیر ہے، ابرو کی محبت کا مال

عشقِ منہار میں رتبہ ترا گھٹ جائے گا

منہ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ابھی کٹ جائے گا

خوف کس بات کو کیا ہوں سے یہ تھرا نا کیا ۴۲ لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لانا کیا
 تنگ کی بلع ہے دھن کی طرف جانا کیا ہونجی یا کہ دھی جنگ میں شہرانا کیا
 ابھی نے جانیں جو شیر کا سر ہاتھ لگے
 غلہ ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

خرپکارا کہ زبان بند کر دنا ہمار ۴۳ قابلِ نص ہے تو اور وہ تیسرا سردار
 ابن زہرا ہے جسگر بند رسولِ مختار میرا کیا منہ جو کروں درج امام ابرار
 اک زمانہ صفتِ آلِ عب کرتا ہے
 آپ قرآن میں خدا اُن کی ثنا کرتا ہے

وصف ایسوں کا زبان پر کوئی کیونکر لائے ۴۴ تین سو آئے ہوں، تعریف میں جن کی، آئے
 کسی انسان نے یہ دنیا میں ہیں تہیہ پائے اپنا محبوب دلی جس کو خدا فرمائے
 آلفِ آل میں میرے تو خوش اقبال ہے
 سنگ ہے اُن کی محنت سے جو دلِ عالی ہے

اسفلوں سے ہے محنت تجھے اور سفد مزاج ۴۵ خاک پاس کی ہوں میں ہے جو سرِ عرض کا تاج
 جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے، ملی ہے معراج میرے آقا سخی کون ہے کونین میں آج
 کیوں ترے سامنے مکروں کو نہیں بخشا ہے
 ہاں، مجھے شاہ نے، فردوس بریں بخشا ہے

باغ جو مجھ کو دکھایا اسے کیا جانے تو ۴۶ راحتِ روح ہے جس بلغ کے ہر پھول کی بو
 مجھ کو اللہ نے بخشیں ہیں وہ حوریں خوش رُو کہ جنہیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو
 نام کو رکھانے تو مجھے جو شمس آتا ہے
 انہیں چھینٹوں سے تو یہ ہوش کو پرش آتا ہے

غربت دیں شرف کون دسکاں ہیں شیر ۴۷ جان زہرا ہیں مستند کی زبان ہیں شیر
 سنگ پانی ہو، وہ اعجازِ بیاں ہیں شیر جان کیوں ہو نہ ادھر جان جہاں ہیں شیر
 مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
 وہ نہ بخشیں تو نہ ملک نہ رسائی ہووے

کیا میں اور کیا وہ بیات مری، کیا میرے خیال ۴۸ جبکافت میں پھنسے اُمیدِ نجات کی آل
 دان کی اطلال و زراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی گیتی پامال
 گھر کا اب دیمان نہ بچوں کا الم ہے مجھ کو
 نازِ بربادیِ شیر کا غم ہے مجھ کو

دولتِ عالم دوں بڑا ہے ترادار و مدار ۴۹ دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے، دیں دار
 کیا مجھے دار پہ کھینچے گا، وہ ظالمِ قدار خوابِ غفلت ہے اُسے، اور مے طالع بیدار
 کسی سردار نے یہ آؤج نہ پایا ہو گا
 دارِ طوبیٰ کا، مے فرق پہ سایا ہو گا

ہے سرفرازِ سدا عاشقِ پیشانیِ شاہ ۵۰ سجدے کیجے کہے بیتِ ابروؤں کی بیتِ لاشہ
 عشقِ آنکھوں کا ہے مردم کے لئے نورِ نگاہ ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ خُدا کی چاہ
 عاشقِ لب کو خدا صل و گہر دیتا ہے
 وہ دہن، چشمہ کوثر کی خبر دیتا ہے

خالِ رخسار نہیں، گوئے سعادت ہے یہ ۵۱ مجھے مجرم کے لئے مہرِ شفاعت ہے یہ
 ہوں جو آشفۃ گیسو تو عبادت ہے یہ بخدا سلسلہ بخششِ اُمت ہے یہ
 شبِ معراجِ رسولِ دو جہاں سمجھا ہوں
 اس کے ہر تار کو میں رشتہ جاں سمجھا ہوں

وصفِ دندان میں زبان جس کی لپٹے گہر بار ۵۲ موتیوں سے دہن اس شخص کا بھرے غفار
 شوق میں سیبِ ذوق کے جسے آئے نہ قرار حویں غرنے سے دکھائیں اسے نگِ رخسار
 دم بہ دم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
 یہ گلاہ ہے گلے جس کے لئے کنتے ہیں

سدقے آس سینے پہ ہیں، عاشقِ صافی، سینا ۵۳ ناک اس دل پہ جو اس سینے سے رکھے کینا
 حقِ ناما ہے تو جہاں میں ہے ہی آئینا اس کا عاشق ہو تو، ہوں کور کی آنکھیں بینا
 فیضِ پاتا ہے وہ دل جس میں دلا ہوتی ہے
 چشم کوئی کی زیارت سے چلا ہوتی ہے

پاؤں یہ وہ ہیں کزان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے ۵۴ تو سرِ دست سرفرازی کو نین وہ پائے
مگر دُشلیں سب مالک جواثر اپنا دکھائے تو تیشا ہوئے نخل، کھل جواہر شرہائے

صدقے کر دیں گے سران پاؤں پہ ہم ایسے ہیں

دو شبِ احمد پہ سہے جو یہ قدم ایسے ہیں

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے ادا بلیس ۵۵ یہی کو نین کا مالک ہے یہی راسِ درِ میں
کیا مجھے دے گا ترا حاکم طعون و خیس کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ کھٹے پرچہ نویس

ہاں سوئے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں

لے ستگر جود جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ ڈاٹ سے غازی نے نکالی تلوار ۵۶ سرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہلے آئے اک بار
تن کے دیکھ طرفِ فوجِ امامِ ابرار پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر رہوار

نخل جو استید والا کا ولی جاتا ہے

لو طرف دار حسین ابنِ علی جاتا ہے

مُرنے نعرہ کیا، یا حیدرِ مصدقِ مدنی ۵۷ وقتِ امداد ہے، یا فاتحِ خیرِ مدد ہے
نصیحِ زہرا مدد ہے، نفسِ پیغمبرِ مدد ہے بندۂ آلِ ہوں، یا خواجہِ قنبرِ مدد ہے

تن تنہا ہے غلام اور بہتِ اعظم ہیں

آئی آواز کر اے مُرتزے حامی ہم ہیں

مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبالِ ترا ۵۸ پاک عیساں سے ہوا نامہ اعمالِ ترا
جرمِ ماضی ہوئے سب غفرِ عرشا حالِ ترا جلد جا جلد کہ شائق ہے مرالالِ ترا

مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہووے

ہاں بہادر تری توفیق زیادہ ہووے

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جواں ۵۹ درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضوان
راہِ یکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جنان شور کوثر پہ ہے شپیر کا مہاں ہے کہاں

فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے

فاطمہ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

تو بہشتی ہے، یہ کافر ہیں، کشتی، اے حر ۶۰ مٹ گئی سب ترے اعمال کی رشتی اے حر
 دیکھ اب صورتِ حملانِ بہشتی اے حر کس تلام میں بھی ہے تری کشتی اے حر
 غضبِ اللہ کا، پشیم کی ناراضی ہے
 بیعتی تجھ سے ہیں، راضی تو خدا راضی ہے

اور بالیدہ ہوا سن کے یہ مژدہ وہ جزیر ۶۱ دل بیتاب بکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
 اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی توفیق ہے جبر قمرِ دوزخ ہے مسلمان کے لئے صحبتِ گبر
 ہاں اٹھا باگ، جو رشید لئے خیرِ عالی ہے
 فوج اللہ و نبی میں تری جاغالی ہے

سُئی کے یہ باگ جولی اسب بک تاناڑا ۶۲ ڈر سے رنگِ عمرِ شعبہ پرواز اڑا
 کیا اڑا رخس، کہ ملاؤں بصدناڑا ڈی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اڑا
 بلغ زہرا میں، نسیم سحری جاتی ہے
 غل تھا دربارِ سیما میں پری جاتی ہے

کیا دین رسالوں نے تعاقب ہر چند ۶۳ حر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمندر
 کہتے تھے شرم سے دل کے جو درے تھے کند یہ چھلاوا تھا کہ آندھی، یہ فرس تھا کہ برند
 کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہونچی
 ہم یہیں رہ گئے واں حر کی سواری پہونچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے شہ دیں آگاہ ۶۴ ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے فیرت ماہ
 میرے لشکر کی طرف ہے رخِ محزوزی جاہ سبے کہدو کہ نہ رو کے کوئی اس شخص کی راہ
 جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے

میرا مہاں، مرا عاشق، مرے پاس آتا ہے
 ذکر یہ تھا کہ صد اوروں سے آئی اک بار ۶۵ النیاس اے جگر و جانِ رسولِ مختار
 بھرم ایسا ہوں کہ عھیاں کا نہیں جس کے شمار عفو کر عفو کر، اے چشمہ لیضِ غفار
 پار دریاے خطا سے مری کشتی ہو جائے
 دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

کئی روزوں سے تلام میں ہوں اے شاہنشاہ ۶۶ مڑ لے نوج غرباں، ملا بیڑا ہے تباہ
دستِ پاگم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سو جیتی راہ خور کرتا ہوں کہ بست لائے کوئی جائے پناہ

ابر رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں

سب ترے دامن دولت کا پتا دیتے ہیں

ترے دامن کے نثار لے مرے آقائے جلیل ۶۷ رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبد ذلیل
دل خنک ہوئے جو نکمے کوئی کو شرکی سبیل جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل

نہ دزیروں میں یہ ہمت ز شہنشاہ میں ہے

سب مرے درو کا دریاں تری درگاہ میں ہے

خلق میں آپ کے والد کا کرم ہے مشہور ۶۸ بات میں بخشیدئے سینکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باگ بکڑ لینے پہ آزرہ حضور بخشیدئے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دود

یہ تو کیونکر کہوں میں لائق تعزیر نہیں

مگر اسود سے زیادہ مری تقصیر نہیں

اے دروکار و معین 'انصاف' ادرکنی ۶۹ اے خبر گیر گروہ غسریا، ادرکنی
پاؤں لغزش میں ہیں اے دست خدا ادرکنی ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا ادرکنی

دیجئے حر کو سندنا سے آزادی کی

آئیے جلد خبر لیجئے فریادی کی

مرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی ۷۰ ہوں گنہ گارِ خدائے ازلی و ابدی
آپ ہیں مالک سراسر کا رجناب احدی لے خداوندِ جہاں خُذ بیدی خُذ بیدی
جو تہی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ

آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

ایک یہ خستہ تن اور ورپے جاں لاکھ حریف ۷۱ اے سلیمان کہیں پامال نہ ہو موثرِ ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سسرار کہاں جائے نحیف کیجئے اب نظر نطف کہ ہوتا ہے نحیف

ہوں سراسر افراہ جو اتنا ہی کرم ہو جائے

نامِ قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

استغاثہ یہ کیا کرنے جو بادیدہ غم ۲، اٹ گیا جوش میں اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھا ہاتھوں کو پھیلائے خہنشاؤں امم حر کو یہ ہاتھ نہیں نے صدا دی اس دم
شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہیں

مے بہادر ترے لینے کو حسین آتے ہیں

خونے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیر ۳، دوڑ کر جوم لئے پائے شہ عرش سریر
شہ نے جہاتی سے لگا کر کہا لے باتوقیر میں نے بخشی، مرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو

مجھ کو عباس دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو میں تباہوں میں ۴، سہل کر دیں اسے گرد اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ، مجھ سے بھل گیا تو ہو، کھول کے دل غافر و راحم و تواب ہے رب عادل
جرم سب محو کئے حق نے ترے دفتر سے

آج پیارا ہوا گویا شکم مادر سے

خمر پکارا با آبی آنست و امنی یا شاہ ۵، قابل عفونہ تھے بندہ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کواک آن میں مل جائے یہ راہ رب کے صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ

مہر نرے پہ جو ہونیت تباہاں ہو جائے

آپ جس مور کو چاہیں وہ سیدیاں ہو جائے

کون خدا تھے سلمان و اباذر تھے کون ۶، آپ فرمائیں کہ عمار دلاور تھے کون
نور عالم میں جو ہے مالک اشتر تھے کون اے خداوند جہاں حضرت قبر تھے کون
انھیں قدموں کا تعشق تھا کہ تمار ہو

اسی سرکار کے غلامت سے سرفراز ہوئے

شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب ۷، دے کسی شخص کو بندے میں یہ تقدیر ہے کب
اس مستحب کی عنایت کے یہ سب ہیں سب دہی منعم، دہی محسن، دہی رازق، دہی رب

اپنے کیسے سے نہ دالم اور درم دیتے ہیں

جب وہ خالق ہیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کے وہ ایسا ہے جواد ۸۸ ہم اسے بھولیں تو بھولیں وہ نہیں رکھتا ہے یاد
 رزق وہ حوصلہ حرص سے دیتا ہے زیادہ شکر کرتے نہیں مہجود کا اس پر بھی عباد
 دو غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اس کا
 کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خواہ اس کا

جس قدر اس سے طلب کیجئے خوشنود ہے وہ ۸۹ صاحب جو ہے دہا ب ہے محمود ہے وہ
 ہاتھ پھیلائے جو سوار تو، موجود ہے وہ بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں مہجود ہے وہ
 پرورش بزم پہ بھی، صبح و شام ہوتی ہے
 یاں سے ہوتی ہے خطا ماں سے عطا ہوتی ہے

کہہ کے یہ ساتھ لئے خر کو چلے شاہِ اُمم ۹۰ ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ سے کرم
 اس درجہ تا ستم و اکبر تھے، زہے شان و شہم سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرت عباسؓ علم
 دور سے اہل خطا تیر جو برساتے تھے
 رنقا سائے میں دھالوں کے لئے آتے تھے

لئے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امام ۹۱ بولے عباسؓ کمر کھول اب اے نیک انجام
 شے نے نہ دیا مناسب ہے کوئی دمِ اُلام عرض کی خیر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
 فاتحہ پڑھ کے، یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
 آج اس عزم پہ غلام نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شہر و عمر سے مجھے لڑنے کی انگ ۹۲ ایک ہی دار میں دلوں کا کروں گا چرنگ
 شکرِ نام سے ہم چیلے آئے ہیں صدنگ شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے جنگ
 لیکن ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جاں ہو جائے
 پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

شلے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری ۹۳ مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
 دا دینا، ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
 آج رتبہ ترا خیل شہد میں ہوگا
 شب کو تو محبت محبوب خدا میں ہوگا

تجو پہ خفی نہیں بغتم سے جو کچھ ہے مرا مال ۸۳ راہیں ہر سمت کی بکے ہوئے ہیں اہل ضلالت
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا بے کال نان جو کا بھی ہے ٹٹا کسی قریے میں محال

سب کو ایذا عرض آب و غدا ملتی ہے

دودھ اصفہ کو نہ عابد کو دوا ملتی ہے

خونے رو کر سر تسلیم جھکا یا بہ ادب ۸۵ شہ نے روال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
جب پڑھا گھوڑے پہ وہ عاشق سلطان عرب شاہ بولے کہ عجب دوست چمٹا ہائے غضب

دم بہ دم یاں سے جو آواز بکا جاتی تھی

گریہ آل محمد کی صدا آتی تھی

خُرچا فوج مخالف پہ اڑا کے توسن ۸۶ چوڑی بھول گئے جس کی تنکا پر سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون ہاتھ میں تیغ، کماش دوش پہ بریں جوشن

دوسرے دوش پہ شیلے کے جوہل کھلتے تھے

کاکن خور کے سب بیچ کھلے جاتے تھے

زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے ۸۷ دست فولاد دبا جاتا تھا داستانوں سے
برجیہیں اڑتا تھا دبے بکے فرس رانوں سے آنکھ لڑ جاتی تھی، دیا کے نگہبانوں سے

خود رومی کی، جوضو، تا بہ فلک جاتی تھی

چشم غور شید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

نیزہ حر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ ۸۸ تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مار سیاہ
قبضہ تیغ پہ رکھے تھی سر عجز پناہ آفتابی وہ سپر جس سے تجس گردہ ماہ

قدرا ندادوں کو جانوں کے ادھر لائے تھے

تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پر کالے تھے

زن میں جب شکی طرف سے خردیں طار آیا ۸۹ کس بشارت سے اڑاتا ہوا رہوار آیا
غل ہوا سید مظلوم کا، غم حوار آیا مطلع ملک جاں نثار خلف حیدر گراڑ آیا

مشتی نور سہراہ نظر آتا ہے

جلوۂ قدرت اللہ نظر آتا ہے

آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور ۹۰ پہلے کچھ اور سی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
اے خوش اثر تیرے فیض قدم پاک حضور قل تھا آتا ہے ملک پہنچے ہوئے خلعت نور

محبت اہل ولا، دل کو جلا کرتی ہے
بس کو اک آن میں اکیر طلا کرتی ہے

واہ کیا فیض ہے، سرکارِ شہ عالم میں ۹۱ ذرہ خاک کو خوشید کیا، اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا، نہ بنی آدم میں یہ وہی حیرت جری ہے جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوش بو، رخ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاکِ نعلین، لب رک کی محب خانہ ہے

مہرِ فودہ ہے جہاں، چہرہ روشن ایسا ۹۲ چاند بھٹی جس سے کرے کب فیض اتن ایسا
حرر ہو، بانوئے داؤد کا، جو شبن ایسا ہوش پر یوں کے اڑے جاتے ہیں تو سن ایسا
گلشنِ دہر میں لوبا و بہاری آئی
قاف میں نعل ہے سیماں کی سواری آئی

مُر پکارا کربا کہتے ہو بے شک، لاریب ۹۳ دامنِ حضرتِ شیر نے ڈھلپے مرے مہب
دولتِ دیں سے نہ دامنِ مرا خالی ہے نہ جیب بارک اللہ کی دیرتا ہے صدا ہا تعبِ غیب
فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا، واں سے غنی آیا ہوں

مجبورِ خورشید کیا نور خدا کی منو نے ۹۴ نورِ بخشا قمرِ فاطمہ کے پر تو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلام نو نے گنج وہ لایا ہوں، دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دور دور آج سے میرا ہے، زمانہ میرا

کبھی خالی نہیں ہوئے کا خسروانہ میرا

نہِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے ۹۵ کل کے آیا ہوں منہ اپنا قدمِ حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں، نظرِ رغبت سے وائے وادگ، جو محروم ہیں اس دولت سے
مجبور بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو، مگر سوتے ہو

ہاں سلطان رسالت کو غنیمت جانو ۹۶ پسر شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو قمر برجِ امامت کو غنیمت جانو

ساتھ اس کے برکتِ خلق سے اٹھ جائے گی
پھر جو دھونڈو گئے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

ایک سید کے مٹا دینے میں ہے کونسا نام ۹۷ اس ہوا پر ہو کہ تجھ جائے چراغِ اسلام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک یہ کام خوش ناک ہے وہ تسبیح، نہ جو جس میں امام
شکرِ احسان جنابِ صمدی کہتے ہیں

پیشوا سے، کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

یہ سخن سن کے پکارا پسر سعد شریر ۹۸ ہاں طرفِ دارِ شہ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لئے حربوں کو بڑھا فوج کا انہو کھنجر فاتحہ بڑھ کے جواں مرد نے کھنچی شمشیر

ٹھکرا منہ سرخ ہوا، فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلہ تیغ سے بجلی کی چمک، محروم ہوئی

رد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے ۹۹ استخوان کا نپ گئے زیرِ زمین رستم کے
تہ دبالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے برقی شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے

نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کدو ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں باتوں سے شاں چھوٹ گئے

بچھڑ کر باگ، فرس کو جو ذرا گرمایا ۱۰۰ غنیمت میں آن کے گھوڑا بھی غصہ کف لایا
شیرِ سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا روند والا اسے دم میں جسے سرکش پایا

اس کا قاتل تھا جو دشمنِ شہِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرّ ذی جہاہ چلی ۱۰۱ آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کریشے سے وہ یللی ظفر، راہ چلی گرمی گاہ بڑھی گاہ رُکی گاہ چلی

زخمِ سینوں کے گرہاں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیسا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

کہیں صفیں صاف مگر نہ کی صفائی نہ گئی ۱۰۲ کچ آدائی کو نہ چھوڑا، وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ بھانٹ اور وہ لگاؤ رکھائی نہ گئی سیکڑوں خون کئے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا برق، پئے جلوہ گری نکلی ہے

جان لینے کو، اجل بن کے بڑی نکلی ہے
جس طرف دیدہ جوہر سے نظر کرتی ہے ۱۰۳ بل نہ گزرے کہ صفیں، زیر و زبر کرتی ہے
چشم ہرچند کہ بتلی کو، سپر کرتی ہے ہے وہ طراز کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے
اس کے افسوں سے، جو ساحر ہو تو بل جاتا ہے
سمہ پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھٹنے بجلی کو یہ اس آگ کی ہے، پر کالا ۱۰۴ کاٹ جائے تو، کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برجیاں چل گئیں اس پر جسے دیکھا بھلا آگیا دام میں جس شخص پہ دورا ڈالا
اس کے پانی میں کف مار رہا گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے منہ کھولا ہے

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی ۱۰۵ دست دیا صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی، کہ صفیں چاٹ گئی دیکھی تیغوں کی جدر باڑھ اسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی، نہ بے جان لئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی، مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

محل نے پھولے جو برچی پہ لگا پھل اُس کا ۱۰۶ زور دکھاتا تھا، ہر ضرب میں کس بن، اس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل، اُس کا جو بڑھا جنگ میں قلعہ ہوا فیصل اس کا
شور تھا دیکھئے کیوں کر یہ بلا ملتی ہے
اس قدر جلد تو شیگی بھی نہیں چلتی ہے

جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ کیتا ہوں میں ۱۰۷ سر اٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عتقا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یارب تہ بالا ہوں میں . برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ، یا ہوں میں
کس میں ہے یہ جو ٹپ زیرِ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارہ، یہ چمک میری ہے

۱۰۸ نہ تھی سنگ سے وہ اور نہ رُکی آہن سے ہاتھ اڑائے تھی بیسویںوں سے تو سر گروں سے
 نہ اٹھی اس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے چل گئی بادِ عارف بدرِ آئی سن سے
 جوش طوفان کا دکھا کردہ خوش اسلوب گئی
 خوں کے دریا میں ہر ایک کشتی تن ڈوب گئی

کثرت جو ہر ذاتی سے گودہ جال میں تھی ۱۰۹ پر ترپ صورت ماہی وہی ہر حال میں تھی
 تھی چمک جانے میں بجلی تو بری چال میں تھی کہیں منفرد میں کہیں سر میں کہیں ڈھال میں تھی
 کہیں دم لینے کی ہمت تھی نہ بسل گئے
 تھی جگر کے لئے برہمی تو چھری دل کے لئے

مید کرنے کو بدر صورت شہباز آئی ۱۱۰ لاکھ ترپا پہ نہ بے جان لئے باز آئی
 غل ہوا شہ پر شاہیں کے تلے، قاز آئی اڑ گیا طائر جاں، اور نہ آواز آئی
 گرچہ قبضے میں لئے تھی اسے پر چھوڑ دیا
 تھاز بس صید زہوں، کاٹ کے سر چھوڑ دیا

آب نے آتش سوزاں کا اثر دکھلایا ۱۱۱ تاب نے مرگِ مفاہات کا گھر دکھلایا
 باڑھ نے جادہ صحرائے سقر، دکھلایا گھاٹ نے آئینہ نست و نطفہ دکھلایا
 تیغ کہتی تھی در فتح کی منتہا ہوں میں
 قول قبضے کا یہ تھا قابض ارواح ہوں میں

غم وہ پایا تھا کہ شرمانے ہلالِ مرعید ۱۱۲ حُر کے ہاتھ آگئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
 برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید جامہ کفر کے پرزے تھے زہے قطع و برید
 نہ بچا تارِ نفس، خلق میں، جینے کے لئے
 چاک زخموں کے نقطہ رہ گئے سینے کے لئے

کئی حملے کئے بیہم جو کمانداروں پر ۱۱۳ چل گئے تیر طاہات کے خطا کاروں پر
 چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سونواروں پر رُخ پھرا تھا کہ گرمی برق ستم گانوں پر
 جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
 کشمکش میں کہیں چھینے کو بھی گوشہ نہ ملا

نیزہ فوج بستمگارتھے دیکھے بھالے ۱۱۴ دم میں اس شیر نیتاں نے قلم کڑوائے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے آفت مرگ کو سر سے کوئی کیوں کر ٹالے
جب سواروں کے پرے جنگ پٹیل جاتے تھے
بند ب ناخن شمشیر سے کھل جاتے تھے

الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال ۱۱۵ تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کہیں برہمن کی آتی تھی تو کہیں تیر کی بھال کہیں تلوار کہیں خنجر بران کہیں ٹو حال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دم بہ دم فوج ستم گر بھی ثنا کرتی تھی

شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے ۱۱۶ جل بھی کشتی تن خون میں طوفانی ہے
ضرب میں فرد ہے یا زور میں لاثانی ہے کہتا تھا حشر یہ نقطہ قوت ایماں ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا زوفا کی طاقت
سب ہے یہ سبط پیمبر کی دعا کی طاقت

کہہ کے یہ فوج میں پھر تشہ جگر ڈوب گیا ۱۱۷ دھڑلہ قلم آفت میں گہر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا کشمکش تھی کہ غرق میں گل تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا پھرا ہوا فمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

گ چھپا اور کبھی نکلا وہ مہربن شرف ۱۱۸ کبھی اس صف میں در آیا کبھی روندی صف
کبھی دریا کے کنارے کبھی صحرا کی طرف کبھی نعرہ تھا کہ صدتے ترے یا شاہ نجف
جتنے مجروح تھے دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نام علی عسکن کے دہل جاتے تھے

نخل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل ۱۱۹ سر کی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی بل بل
کو ند جاتی تھی سردوں پر جوہ شمشیر ابل منہ کے بھل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بھل
حشر برپا تھا سواروں پر فرس لوٹتے تھے
دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس لوٹتے تھے

بڑے کے فرماتے تھے عباسؑ، زہرے عزت و جاہ ۱۲۰ بارک اللہ کی دیت تمام دلوں پر شاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ، واہ حر غازی، واہ شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے، ماشاء اللہ

اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مُسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف، جھکنے میں عینوں نے جو فرصت پائی ۱۲۱ سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز اُدھر، اور اُدھر تنہائی باگ گھوڑے کی پھرانا تھا کہ برجی کھائی
آگیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گزر لگا دوش پر شمشیر لگی

سینہ غزاں ہوا، تیسرے چلے اعدا کے ۱۲۲ رکھ دیا شیر نے قریب پر سر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلا کے گر ہوا ارشاد تو مہاں کو سبغا لوں جا کے

خانہ زین سے عدم کا سفری گرتا ہے
خاک پر گھوڑے سے اب خبر جری گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی، مہاں کی خبر ۱۲۳ ہو گئی آنسوؤں سے ریش مبارک ستر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر حر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو خلق مجھ پر ہے
لاش تہاں کی اٹھاؤں گا کہ حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرت عباسؑ نے جاتا ہے غلام ۱۲۴ جوشِ رقت میں کہا شہ نے نہیں اے گلِ غلام
میری آفت میں ہوا قتلِ حُر نیک انجام دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئیں کام
اس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آئیں گے
لاش کیا قبر میں مہاں کی ہم جائیں گے

اس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروت سے بے نور ۱۲۵ اُس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہم کچھ مسرور
تصیرِ فدا اس کو دکھائیں کہ ہوئے غفورِ قصور مرنے رو جا کہے دنیا سے وہ خالق کے حضور

ایسا ذی رتبہ کوئی خلق میں کم نہکے گا
میرے مہاں کا مری گود میں دم نہکے گا

یہ سخی کہہ کے چلے ری کو، جنابِ فہیم ۱۲۶
 دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بلے پیر بہنچے وٹے پہ امام درجہاں وقتِ نیر
 چمن ہستی مہاں کو آجڑتے دیکھا
 ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے وٹے کے برابر یہ پیکارے سرد ۱۲۷
 ہاتھ لگے میرے مددگار و معین و یاد در
 گرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
 گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نکلی ہم کو خبر
 دوست کے ہجر میں کس دوست کو معین آیا
 کھول دے آنکھوں کو بھائی کہ حسین آیا ہے

واہ رے خوجری میں تری بہت کے فلا ۱۲۸
 اس کو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
 ہے یہ یکس ترا شرمندہ احساں بہ خدا
 بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا
 حق تلے، چمنِ غلہ میں گھر دے بھائی
 اس ریاضت کا خلا تجھ کو مڑ دے بھائی

خُروچ نکال کے جیب ابی مظاہر نے کہا ۱۲۹
 آپ، بیتاب ہیں اے خوجری ہوس میں آ
 دیکھ دیدارِ جگر بندِ جناب زہرا
 کوہِ دریش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا
 دم رکھو تو اشارے سے ویت کر لے
 نزع میں نورِ الہی کی زیارت کر لے

کسی آتھ نے کہی کی ہے یہ توقیرِ غلام ۱۳۰
 دیکھ تو رحم، ترے واسطے روتے ہیں امام
 بھائی فرماتے ہیں شفقت سے شیرِ عرشِ ظالم
 اے خوشامالِ خدا سب کا کرے نیک انجام
 حشر تک خلق میں یہ ذکرِ غم انگیز را
 تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز را

نیمِ داچشم سے خُرنے، رُبِ مولا دیکھا ۱۳۱
 زیرِ سرِ زانوئے شیرِ کاتک دیکھا
 سُکرا کر طرفِ عالم بالا دیکھا
 شے فرمایا کہ اے خوجری کیا دیکھا
 عرض کی حسنِ رُبِ حورِ نظر آتا ہے
 فرخس سے عرشِ تلک تو نظر آتا ہے

باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار ۱۳۲ صاف نہریں ہیں بھلاں مجھ سے ہیں شجار
شاخوں سے میری طرف بڑھتے ہیں جیسے ہر بار خوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار

ہے یہ رضواں کی صدا دعیان کدھر تیرا ہے

دیکھو اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ ۱۳۳ ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ

خلد سے شیرِ خدا نکلتے ہیں اللہ اللہ لو براہم ہوئے شہرِ بزمی پد سے ہمراہ

نہنچے سراحدِ محشر کی پیاری آئی

دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی

قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلہ دویں ۱۳۴ پڑھئے یسین کہ اب ہے یہ دم باز یسین

کوئی نزدیک ہے اے بادِ عرش نشیں بیجئے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں

بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے

کچھ اٹھا دیجئے مولائے مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود میں خمیر کے لی انگڑائی ۱۳۵ آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ ندوی چھائی

شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی جل بسے حرمِ جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائرِ روح نے پرواز کی طوٹی کی طرف

پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ دالا کی طرف

بس انیس اب یہ دھانگ کر لے رہے عباد ۱۳۶ لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد

رونے والے شہِ دالا کے رہیں خلق میں شاد اُن کے سائے میں برومند ہو اُن کی اولاد

عشرہ ماہِ عزاء ناکِ شہی میں گزریے

سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گزریے

مرثیہ (۷)

طے کر چکا جو منزلِ شب کا روانِ صبح ۱ ہونے لگا انق سے ہویدا، نشانِ صبح
مگروں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح ہر سو ہوئی بلند مدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شب تار ہو گیا

عالمِ تمام، مطلعِ الوار ہو گیا
خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی تقا، شب ۲ در کھل گیا سحر کا، ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب دفتر کشائے صبح نے اُٹھی کتابِ شب

مگروں پہ رنگِ چہرہ مہتابِ حق ہوا
سلطانیِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا
پہونچا جو مہرِ مہر سے فرابِ غزلِ شب ۳ مگروں پہ عاقلانِ سحر کا ہوا، نصب
منشیِ آسمانِ صبح دفتر ہوا طلب بس جا بہ جا سے اُٹھ گئی انجم کی فوجِ آفتاب

تا صبح، فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخواست کی چراغوں کو بدوائی ہوئی
یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں ۴ بچن لے جہیں سے بچوں کو جس طرح باغیاں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں مڑ جاکے گر گئے، مژدہ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے موسم کے
پڑ مژدہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھینا وہ ماہِ تاب کا وہ صبح کا ظہور یادِ خدا میں زمزمہ پردازِ طیور
وہ رونقِ اردو سرد ہوا وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرد
الساں زمیں پہ محو، ملکِ آسمان پر
جاری تھا ذکرِ تدبیرِ حق ہر زبان پر

وہ سُرخِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار ۶ وہ بار در درخت، وہ صحرا، وہ سبز و زار
 شبنم کے، وہ گلوں پہ، نگہرائے آبدار پھولوں سے سب بھرا ہوا، دامن کو ہمار
 نانے کھلے ہوئے وہ گلوں کی فیم کے
 آتے تھے سرد سرد وہ جمونے فیم کے

تھی دشتِ کر بلا کی، زمین ز شگِ آسمان ، تھا دُور دُور تک، شبِ مبتلا گل سہاں
 چٹکے ہوئے ستاروں کا ذروقِ تھاگماں نہرِ فراتِ نیچ میں تھی، مثلِ کہکشاں
 سرسبز جو درخت تھا وہ غنجل طور تھا
 صحرا کے ہر نہال کا، سایہ بھی، نور تھا

وہ سر بلند خیمہ ز نگاریِ امام ۸ جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
 کم تھا نہ اس کا، خانہ کعبہ سے احترام قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
 جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا
 دریاں گھا جبریل اسی بارگاہ کا

گیٹوئے حورِ غلد کی، ہمسر ہر اک طناب ۹ دیا تھا وہ، تو گنبدِ گردوں تھا، اک جاب
 وہ شان، وہ شکوہ، وہ رفعت، وہ آبِ تاب شمس سے جس کے، آنکھ چراتا تھا آفتاب
 پڑھنا درود آ کے ملائک کا ورد تھا
 سامنے کے بدلے نورِ قاتوں کے گرد تھا

وہ ادج اور وہ قتبہ پر نور کی جھلک ۱۰ منور کی، زمین سے تھی، آسمان تک
 دب دب کے سر جھکا تا بے چوڑے ملک اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے اسے عرش سے ملک
 خوشبو سے ہر بشر کا مسطر دماغ تھا
 دست سے اس کی صحن کا دل باغ باغ تھا

تھا وہ پہر دیں، تو ہر ایک چب رکن دیں ۱۱ چکر میں اس کے دورے تھا چرخ ہفتیں
 تھا وہ پہ بابِ گلشنِ فردوس کا یقیں پردے تھے رشکِ پردہ چشمانِ حور میں
 جلوے سے سخن روئے شبہ کائنات کے
 آئینہ دئے نور تھے، افقے کائنات کے

اس کی زمین پاک کو تھا آسماں پہ ناز ۱۲ ساقوں فلک جھکائے ہوئے تھے سرفراز
 طوبی سے سر بلند تو کیا اُس سے سرفراز اور پنج میں وہ مسند شاہنشاہ مجاز
 کرسی میں یہ صف "ذماحت" یہ عرش پر
 دل عرش کا بھی لوٹ گیا اُس کے فرش پر

حاضر در حضور پہ ، وہ خامسگانِ رب ۱۳ ایک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
 غربت زدہ ، اگر سُن و مظلوم و تشنہ لب شبنم کر سحر کا شورا اُٹھے بسترِوں سے ب
 کہتے تھے اُن کے جل کے کدھر جستجو کریں
 پانی نہیں کہ قبلہ عالم وضو کریں

نیکے حرم سے کر کے تیمم امامِ پاک ۱۴ سجادے ربنے لاکے بچھائے برفِ خاک
 اکبر نے دی اذان جو آوازِ دردناک آئو بھرتے ، ہو گیا دل غم سے چاک چاک
 آگے بسوں کے شاوِ حمازی کھڑے ہوئے
 پیچھے صفیں جمائے نمازی کھڑے ہوئے

آرامتہ صفیں تھیں کہ تشرآں گھلا ہوا ۱۵ بسم اللہ اُٹھے پیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا
 اور مقتدی تھے ب' عقب شاوِ کر بلا معصی کی جس طرح سے ہوں سطرین جلا جلا
 جیسا امام ویسے ہی ابرارِ فوج تھی
 ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے ، خوش حال ۱۶ جھک جاتے تھے رکوع میں گہے بیشکِ مال
 ختم ہو گئے سمجھ میں گر صورتِ ہلال پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ خدا لجلال
 حق سے رُما قنوت میں کوثر کے جام کی
 طاعت خدا کی تھی ، تو اطاعتِ امام کی

وہ چاند سے سفید عملائے رخوں پہ نور ۱۷ دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ احمد
 دیں وارو حق پرستِ ددل آگاہ و باشعور کریں کسے جہاد پہ راحتِ دلوں سے دُور
 لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئی
 تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئی

حُبِّ حسینِ دل میں نالوں پر ذکرِ حق ۱۸ نہ فکر کچھ میاں کی نہ مرگ کا قلع
دیں دارا لیے پھر نہ ہوئے زبردۂ طبع حقا کہ سب معیتۂ ایمان کے تھے صدق

کس آنستِ عظیم میں ثابت قدم ہے
آقا کا دم بھرا کئے جب تک کہ دم ہے

اللہ نے دل اُن کے دغا سے بنائے تھے ۱۹ اور جسم پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
سینے خیرِ صدق و صفا سے بنائے تھے دستِ کرمِ سفا و عطا سے بنائے تھے

اور لکھ دیا تھا روزِ ازل سرِ نوشت میں
پہنچیں گے یہ حسین سے پہلے بہشت میں

یاں تھیں صفیں نمازِ جماعت کی اور ادھر ۲۰ باندھی تھی فوجِ کیں نے صفِ آرائی پر کمر
شکلِ ہلالِ چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر نیزے بھی تیز جوتے تھے اور خنجر و تبر

غل تھا کہ آج خون کا دریا بہتا نہیں گے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹنے جائیں گے

نیزوں کی نوکیں آج ہیں، اور آلِ مصطفیٰ ۲۱ تلواروں سے کریں گے قلم، باغِ مرتضیٰ
تیروں سے چھان ڈالیں گے سیدِ حسین کا خنجر ہے اور سیدِ لب تشہ کا گھلا

مٹی تلک نہ دیں گے جن پاش پاش کو
گھوڑے سے روند ڈالیں گے سید کی لاش کو

یہ ذکر تھا کہ مشاہد نے پیرا ادھر سلام ۲۲ وہ آخری نمازِ جماعت ہوئی تمام
تسبیحِ فاطمہ کو ابھی پڑھتے تھے امام بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیرا ہلِ شام

اُٹھے دشتہ، یہ محو تھے یادِ اکہ میں
یاں تک کہ آئے تیر کئی نیمہ گاہ میں

گرمی کے دن تھے، صبح میں تھے اہل بیت ۲۳ دیکھے جو تیر آئے، تو حالت ہوئی عجب
چٹائیں سیلیاں کہ کہہ جائیں ہے غضب چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب

گہرا کے نچے بچوں کو سب نے اٹھایا
اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپایا

بچوں کو لے کے چھپنے لگے سب لہر اُچھر ۳۳ چھوٹے تنگ آؤ گئے، تھرا گئے جگر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینٹ برہنہ سر جلاتی تھی، کوئی مرے بھائی کی خوشبر

شاید مسافروں پہ قسم بے سبب ہوا

کس پمپے یہ تیرارے کیا غصہ ہوا

لوگوں خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہر حجاز ۲۵ دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
ان تیروں سے بچائے انھیں رہنے کی نیاز اللہ مثلِ حضرت کہے عمر کو دراز

چیتے رہیں وہ میری تھا کا بہانہ جو

بھائی کے بدلے سینہ زینٹ نشاندہ جو

جلکے کہے کوئی کہ سیکڑ ہے، بے قرار ۲۶ اور چنگ چنگ پڑتا ہے صفر بھی بلبلا
آتے ہیں تیز لشکر اعدا سے بے شمار گھر میں وظیفہ آکے پڑھو تم پہ میں نشاد

آئے زگر، تو دھیان نہ رہے کالوں کی

خیسے سے میں نکل کے سپر ہونے آؤں گی

یاں اہل بیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں ۲۷ مصروف ذکر حق تھے شہنشاہِ دو جہاں
اٹھ کر صغیر نماز سے عباسؑ نوجواں بس ہاگھرے ہوئے عقب شاہِ انسؑ ہاں

بھائی بھی تھے، پناہ مشہر بھر دہری بھی تھے

تھوڑا بھی حسینؑ کی تھے اور سپر بھی تھے

مڑ کر اشارہ شاہ لے عباسؑ سے کیا ۲۸ پیچھے کھڑے ہو کس لئے کیوں کیا ہے اجرا
دست ادب کو جوٹکے اس شیر نے کہا ہے غیریت، حضور کریں طاعتِ خدا

خیسے میں تھلک ہے، حرمِ فل چلاتے ہیں

پیاسوں پہ تیر لشکر اعدا چلاتے ہیں

عباسؑ سے یہ سن کے اٹھے قبلہ امم ۲۹ تسبیحِ جانماز پہ رکھ دی بہ چشمِ نم
رواقِ فضا ہوئے، طرفِ خیمہ حرم ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ ذی شرم

سب سے کہا کہ بہنوں سے رحمت کو مانگیں

باندھ کر جہاد پہ تم، ہم بھی آتے ہیں

داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بہ چشم تو ۲۰ زینبؓ نے لبس بلائیں برادر کی دادر کر
 رو کر کہا سکینہؓ نے تمہارے زلیٰ خبر تیروں سے یاں خدا نے بچا یہیں پدر
 لے جلے ہم کو، کون سی جاگہ چھاؤ گے
 قرآن ہو گئی کہیں آپ تو نہ جاؤ گے
 سینے میں ماسے ڈر کے دھڑکتا ہے دل مرا ۲۱ یہ کس خطا پہ تیسر لگاتے ہیں اشقیاء
 بیٹی سے روکے کہنے لگے شاہِ کر بلا بی بی میں بے تصور ہوں، آگاہ ہے خدا
 دشمن تمہارے باپ کے سب اہلِ شام ہیں
 قربان ہو پدر، یہ اجل کے پیام ہیں
 بھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلیرا ۲۲ میں مدتے جاؤں مجھ کو تمہاری لگے بلا
 اب پھر چلو وطن کی طرف، تم پہ میں فدا خشنے کہا کہیں نہیں، امن و امان کی جا
 مظلوم ہیں، غریب ہیں، اور دردمند ہیں
 پانی بھی ہم پہ بند ہے، رستے بھی بند ہیں
 شیرِ دمہ گاہ سے، کس سمت بھر کے جائے ۲۳ دیکھیں گے مبرد شکر سے جو کچھ خدا دکھائے
 عاشق وہ ہے، جوداؤں میں گھر ٹٹائے کٹ جائے تن سے سرو، نہ نکلیں فرق کئے
 خواہاں مرگ، زینت کی کیا آرزو کرے
 تاتا کے منہ سے مجھ کو خدا، شریخ رو کیے
 یہ سن کے اہل بیت میں مشہر ہوا بچا ۲۴ بانو کے سر سے گرنے لگی خاک پر ہوا
 زینبؓ پکاری بیٹ کے سر داعی خدا دنیا سے آج کوچ ہے بھائی حسینؑ کا
 فز زید فاطمہ کی بلاؤں کو رو کرو
 زینبؓ تباہ ہوتی ہے، تاتا مدد کرو
 یہ کہ کے سر پہ لگنے لگی، وہ اسیرِ غم ۲۵ بھاتی سے سر لگائے، یہ بولے مشہرِ امام
 چوہدر، سر، تھیں سرِ شیر کی قسم یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینبؓ ابھی تو ہم
 لاشے یہ میرے آہ و بکا کر کے دھند
 مر جائے جنتِ حسینؑ تری بھر کے دھند

مر جانگی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر ۳۶ لے گا بتاؤ کون جیتوں کی پھر خبر
بھائی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ زحمر گر مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہ بحر و بر

ہر ایک عزیز گنج شہیداں میں سمئے گا

بھیتا کوئی جنازے پہ میرے نہ رٹے گا

زندہ رہوں گی آپ کے بدلے شہ زین ۳۷ کیا بازوؤں میں کس کے بندھے گی مئے زین
ہے کہیں گی بیبیاں جاؤ گی جب وطن بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی بہن
بھائی کو کھوکے آئی ہے آجڑے مکان میں

ایسا نہ سخت جاں کوئی جو گا جہان میں

طفلی میں ماں کے واسطے روئی بچھا کے صف ۳۸ بیٹی پس جنازہ شاہنشاہ نجف
زہرِ ستم سے ایک برادر ہوا تلف تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا ہدف

دشتِ بلا سے شام تلک ننگے سر مگنی

کیا کیا جوان مر گئے اور یہ نہ مر گئی

شعنے کہا کہ اس میں بہن اختیار کیا ۳۹ جو مصالحت کریم کی، جو مرضی خدا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا جو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جدا
ہم کب گئے جہاں سے نئی دہلی کے ساتھ

دنیا میں کون مڑا ہے بی بی کسی کے ساتھ

توڑا ہماری گود میں بھائی حسن نے دم ۴۰ مڑنا کچھ ان کا باپ کے مرنے سے تھا زکم
ان کی مفارقت کا نہیں آج تک ہے غم ہوتا جرات اختیار تو کیا مر نہ جلتے ہم

تڑپے بہت لحد پہ گریبان بھار کے

آخر پھر آئے ان کو بقیعہ میں گاڑ کے

فسرہ کے یہ امام پہنٹے لگے لباس ۴۱ پٹکے کے ساتھ پھرتی تھی زینب بھی اس پاس
تھے اہل بیت مضطرب و حیران دے حواس لب خشک رنگ زرد و لہو پر جو ہم پاس

شرہ دیکھتے تھے ان کو جو غم کی نگاہ سے

بچے پٹک کے لپٹے تھے شاہ سے

نف ہانڈے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر ۴۱ کوئی تو رشک مہر کوئی غیرت قمر
تن پر بجے سلاح، کسے جنگ پر کمر گیسوئے بیچہ دار بٹکتے تھے دوش پر
منہ پھیر پھیر کر جو وہ میدان کو نکلتے تھے
جن کے پسرتھے ان کے بھیمے دھڑکتے تھے

اکبر کی شان دیکھ کے، بانوئے نامدار ۴۲ خوش ہوتی تھی کبھی کبھی روتی تھی زار زار
لے کر بلائیں دُور سے کبھی تھی بار بار صدے میں تیرے اور تری شان کے ثار
شان آخری شہاب کی ماں کو دکھاتے ہو
دولہ بنے، جوانی میں مرنے کو جاتے ہو

سب سے جدا تھی شوکت عباسی لوجاں ۴۳ قبض میں تیغ، میں زہد دوش پر کماں
حمزہ کا رعب، شوکت جعفر علی کی شان رہ رہ کے دھچکتے تھے شہنشاہ دو جہاں
شان و شکوہ ختم تھی اس خوش نہاد پر
گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر

زینبؑ سے روکے کہنے لگے سرورِ زمیں ۴۵ لاؤ تیرے کات کا صندوق، اے بہن
قاسم کو تم پہناتو قبائے تن حسن اکبر کو دو عمامہ محبوبہ دامن
ہم کو علیؑ کی تیغ و دودم لاکے دو بہن
عباسؑ نامور کو علم لاکے دو بہن

اس منصب بزرگ کا مختار ہے یہی ۴۶ جعفرؑ کے مرتبہ کا سزاوار ہے یہی
آلِ نبی کا تونس و غمخوار ہے یہی روزِ ازل سے میرا علمدار ہے یہی
بھائی بھی ہے بھری بھی ہے اہلِ وفا بھی ہے
حکیم علیؑ بھی ہے یہی، حکیم خدا بھی ہے

منا ماں کا دیکھنے لگے زینبؑ کے گلزار ۴۷ یعنی کہ ہم ہیں جعفر و حیہ در کے درخشاں
ماں نے کیا اشارہ کا اس عزم کے ثار حکیم امام دیں میں بھے کیا ہے اختیار
چپکے کھڑے رجو نہیں جاگے کلام کی
واجب ہر امر میں ہے اطاعت امام کی

قابلِ علم اٹھانے کے، کب ہیں تمہارے سن ۴۸ دورِ روز سے ضعیف ہو آب و طعام بہن
ظاہر ہے تم پہ رتبہ سلطان اس وجہ سے مدتِ مہنی نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا دن

جعفرؑ کے ورثہ داروں میں تم لا کلام ہو

پر کیا شرف یہ کم ہے کرشمہ کے غلام ہو

میں آپ کہتی بھائی سے، ہوتا جو کوئی اور ۴۹ عباسؑ کوئی اور ہے پیار و کردار تو غور
ہے تین دن سے بھائی پر ظلم و جفا و جور شاید انھیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور

بچے ہو تم کو فکر ہے نام و نشان کی

مجھ کو پڑی ہے بسطِ پیسہ کی جان کی

سمجھ کے دونوں بیٹوں کو اپنے بچشمِ غم ۵۰ لے آئیں ذوالفقارِ یدائندہ اور علم
قبضہ کو اس کے شاہ نے چرا بہ دردِ غم شانِ علم کو دیکھ کے روئے شرِ اُمم

بنجہ کی تا بہ چرخِ چہارم ضیا مہنی

بوئے غلیٰ، علم کے پھریرے سے آگہنی

عباسؑ کو امام نے آگے کیا طلب ۵۱ نہوڑائے سرِ حضور میں آئے بعدِ ادب
بھائی سے روکے کہنے لگے شاہِ تشد لب اس عہدہ جلیل کے تھے آرزو میں سب

یہ مرتبہ کسی کو مقتدر نے کم دیا

لوہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

کی عرض اس جری نے قدم پر چمکا کے سر ۵۲ بندے پہ بیچنے سے غنایت کی ہے نظر
مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ مجسمہ دہر میں اور، حاملِ علمِ ستیلا بشہ

ذرتے پہ کی یہ مہر کہ خود شہید کرو یا

دامن کو میرے دولتِ ایلان سے بھر دیا

کس منہ سے شکرِ بندہ نوازی کروں ادا ۵۳ تیر نظر رہی ہے مری پرورشِ سدا
سب بادشاہ اس درِ دولت کے ہیں گدا اے افتخارِ خلق، دو عالم کے مقتدا

طوبی سے اس نشان کا سایہ بلند ہے

اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے

فرخ خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار ۵۴ ہمشیر کے قدم پہ گرا، با صد اقتدار
زینبؑ بٹائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار بھیت خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار

ایذا ہو دھوپ سے، ز شہ خوش نصال کو
رکھو علم کے سائے میں زہرا کے لال کو

مگر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ ام ۵۵ تب دلوں کی تم کو تہنیتِ عہدہ علم
اتھن کو عروڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم کیجو صلاحِ صلح، اگر شکرِ ادھر ہے کم
تم سے بڑی اُمید ہے زہرا کی بھائی کو
بھیت انھیں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

جہاں بولے، بھائی نہیں میں تو ہوں غلام ۵۶ سن لیجئے گا، جنگ میں جو کچھ کروں گا نام
بھرا جائے دشمنوں سے جو دے زمین تمام کیا منہ کوئی، جو دیکھو کے جانبِ امام
بچے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے

ہر مونے تن پہ شہ کے مرا سر نثار ہے

اتنے میں پاس آ کے سکی نہ نے یہ کہا ۵۷ چہرے کی لوں بلائیں میں صدقے جمل کو ذرا
عہدہ علم کا تم کو مبارک ہو اے چچا میں نے دُعا میں کی ہیں کہو مجھ کو رو گے کیا
میدان کا رخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

بن پانی اینٹھی جاتی ہے اب تو میری نیاں ۵۸ ہونٹوں پہ دم ہے، ہوں کوئی ساعت کی یہاں
مراؤں گی اگر، تو مجھے پاؤ گے کہاں صدقہ علم کا آج بچا لو ہماری جان
سوئے فرات جاتے ہو شاہِ اُم کے ساتھ
چھوٹی سی ایک مشک بھی لے لو علم کے ساتھ

عباسؑ نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو ۵۹ عزت ہوئی ملا علم شاہِ نیک خو
سقا تمھارا ہوں تو بڑھے اند آبرو جب تک ہے دم کروں گا میں پانی کی جستجو
مشکیرو خالی نہر سے لے کر نہ آؤں گا
پانی نہیاں لے ملا تو کوثر کو جاؤں گا

ناگہ سنا جو زوج عباسؑ نے یہ حال ۶۰ مارے غشی کے ہو گیا بھرے کا رنگ لال
 ہمراہ لے کے بیٹے کو اپنے وہ خوش نصال آئی حضور سرورِ ذیقدر دوی کمال
 پہلے تو بڑھ کے شاہِ اہم کی بلائیں لیں
 پھر دونوں ہاتھ اٹھ کے علم کی بلائیں لیں
 جھک کر قدم پہ رخ کے یہ بولی وہ خوش سیر ۶۱ کوئین میں کیا مرے والی کو نامور
 رکعتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحسہ دبر آفتا کنیز نذر کو لائی ہے یہ پسر
 قائم رکھے کریم محمدؐ کی آل کو
 بچوں پہ صدقے کیجئے اس نو نہال کو
 خالق سے صبح و شام ہی ہے مری دُعا ۶۲ وارث مرا، حضور کے قدموں پہ ہوں خدا
 ہوں مانند ہم سی لاکھ کنیزیں اگر تو کیا بانوئے دو جہاں کو سہاگن رکھے خدا
 دعویٰ برابری کا نہیں گو عنزیز ہوں
 یہ آپ کے غلام، میں ان کی کنیز ہوں
 بولے پسر سے جھک کے یہ عباسؑ نیک نام ۶۳ تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
 ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ لالہ نام لے چلئے ہم کو، ہم علیؑ اصغر کے ہیں غلام
 چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجئے مجھے
 پہلے سمجھوں سے دن کی رضا دیجئے مجھے
 حضرت کے آگے فوجِ ستم سے کریں گے جنگ ۶۴ مردوں کا بیٹھنا ہے بڑا عورتوں میں ننگ
 پیریں گے خوں میں بحرِ شجاعت کے ہیں ہنگ ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے ہنگ
 رشتہ تو رکھتے ہیں خدِ خیبر شکن سے ہم
 بندھو عائنیں ہاتھ جان بچا کر رسی سے ہم
 بولے گلے لگا کے اسے شاہِ نامدار ۶۵ کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں چچا اشار
 آئی صدائے حضرت زہراؑ یہ ایک بار ہوتا ہے لال اہلِ دف کا دف اشار
 بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
 دادا بھی جس کا شیر ہو بابا بھی شیر ہو

اتنے میں طبل جنگ کی آنے لگی صدا ۶۶ رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہ کرلا
 بجائے علم لئے ہوئے عباس باوفا تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر بڑا
 غل تھا کہ ہوں گے حشر میں اس کی پناہ میں
 یہ حیدری نشان ہے حسینی پناہ میں

تھارینت سپاہ پیغمبر یہی علم ۶۷ حمزہ جہاد کرتے تھے لے کر یہی علم
 ہے افتخار حضرت جعفرؑ یہی علم خود دوش پر اٹھاتے تھے حیدرؑ یہی علم
 صدقے سے شہ کے ہم کو یہ عزت نصیب ہو
 سائے میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

صل علی زہے علم و حامل علم ۶۸ ذرے سے آفتاب فلک ہے نظر میں کم
 آتی ہے بوئے غلذ پھر یے سے دم بدم یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
 ایسا علم ہو دوش پہ ایسے جوان کے
 عباسؑ کے نشان تصدیق نشان کے

کھلے حرم سراے امام فلک جناب ۶۹ بروج شرف سے جیسے نمایاں ہو آفتاب
 گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا فرزند بوزراب در پردہ بلکتی رہ گئی زینت جگر کباب
 آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
 گویا چمن سے باد بہ ساری مکمل گئی

یاں تھے کسی جگر پہ پیادے کہیں سوا ۷۰ خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار
 کیسو پڑا جمائے رفیقان گلزار پھولے ہوئے چمن پہ خزاں آئی ایکبار
 خالی بہادروں سے جلو خانہ ہو گیا
 دیوڑھی اداس ہو گئی دیرانہ ہو گیا

شب ۲۲ دیز طبع کا یہ اشارہ ہے اب کہ ہاں ۷۱ مولا کا کچھ جلوس سواری کروں بیاں
 کیجئے شمار گر تو اکاسی ہیں سب جواں ایک ایک جن میں فخر عرب زینت جہاں
 چہروں کی روشنی سے نجل شمع طوس ہے
 لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے فدا ہے

جانی تھی یوں سواری سلطان بحر و بر ۷۲، انجم کی فوج لے کے چلے جس طرح قمر
کھولے علم کو حضرت عباسؓ نامور گھوڑوں پر قاسم و علی اکبر ادھر ادھر

مرکب پہ بیچ میں غلبہ بو تراب ہے

درجہ دھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے

آہن میں مثل جو ہر شمشیر سب میں غرق ۷۳، غلے ہیں زیبہ دوشا عمامے ہیں زیبہ فرق
نعرے جو مثل رعد، تو گھوڑے مثال برق جن کے قدم تلے ہے سدا سیر غرب و شرق
آہو کا اُن کی چال سے کیا نور چل سکے
جن سے مسند و ہم نہ آگئے نکل سکے

اک اک دلیر شیر نیمستان کا رزار ۷۴، رستم کی روح خوف سے جن کے کیے فرار
دیں دار سر فروش، نمودار، نامدار رانوں میں کو نہرتے ہوئے بجلی سے راہوار

لکڑیوں جو فوج کو نیزے سنبھال گئے

بھاگیں مدد زمین پہ ہتھیار ڈال کے

آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب ۷۵، ہاں غازیو حسینؑ محمد کا ہے حبیب
فدیہ ہو، فاطمہ کے پسر کے نہ ہے نصیب جنت بھی اب قریب مقتل بھی اب قریب

آفتاب و قاعدے سے دلیر و بڑے چلو

تلواریں تولتے ہوئے خیر و بڑے چلو

تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکر خدا ۷۶، آگے پراجمائے رفیقان با وفا
باندھے سلاح ادب سے ادھر خوشی اقربا پیچھے تمام فوج کے وہ کل کا پیشوا

حلقے میں تھے امام کو قدسی لئے ہوئے

تھے جبرئیل فرق پہ سایہ کئے ہوئے

تھان زیب سر عامہ محبوب کبریا ۷۷، مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
پہنے قمیص حضرت یوسف بربقا باندھے ہوئے کمر میں کمر بند مرتضیٰ

داؤد کی زرہ شہر والا کے بر میں تھی

وہ نہ افتخار حیدر صفدر، کمر میں تھی

بلائے دوشس حضرت حمزہ کی تمہی سپر ۷۸، ہوجس طرح سے، ابر کا ٹکڑا، پس مقرر
چار آئینہ پہ جا کے ٹھہرتی نہ تمہی نظر تھے دو غلام خاص نکس ران ادھر ادھر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبط رسول کا
رومال ہاتھ میں تھا جناب بتوں کا

بھیلا ہوا تھا دشت میں شاہ زمین کا نور ۷۹، حیدر کا، فاطمہ کا، نبی کا، حسن کا نور
بک چہرہ حسین میں تھا، پنجتن کا نور چہرے کی صفو، جس کی فیاض اور بدن کا نور
گردوں پہ کس طرح مردا ختر نہ ماند ہوں
اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

پہنچے نہ تھے امام ابھی تابہ قتل گاہ ۸۰، جاسوس نے یہ آ کے خبر دی، میان راہ
تاکم رہے شکوہ شہنشاہ دیں پناہ آمادہ نبرد ہے، سب شام کی سپاہ
نادک ننگن کہیں ہیں، کہیں نیلہ دار ہیں
میدان سے تابہ نہر، ہزاروں سوار ہیں

دڑوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار ۸۱، اس گھاٹ پر نقطہ ہیں، کماندار دس ہزار
ان سے ادھر کو برہمیوں والوں کی ہے قلعہ نیزے لارے ہیں سواران، ہرزہ کار
پانی سپاہ شام سے پانا محال ہے
دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے

اس دم فساد، لشکر اعدا میں ہے مگر ۸۲، مولا، کمال نگر میں ہے، شمر خیر و سر
سرور فوج جمع ہیں ماندے ہوئے کمر تاکید جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
اک فوجاں ہے میں اُسے پہچانتا نہیں
سب مانتے ہیں پردہ جری مانتا نہیں

سرور ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر ۸۳، زور آوران فوج ہیں سب لکے ڈرے زیر
گڑا ہوا کھڑا ہے، الگ وہ زبان شیر ہر بار دیکھتا ہے ادھر منہ کو پھیر پھیر
آہوں کے ساتھ آنکھوں میں سو بھرتے تھے
مانند بید، غضب بدن تھر تھرتے تھے

کیا کیا خطا شماروں کو اس نے دیا جواب ۸۴ ہے یہ یقین کر اس سے نہ چھوٹے رو ثواب
تلواریں کھینچ گئی ہیں ادھر سے فلک جناب یاں کی بُرائی سُنے کی اس کو نہیں ہے تاب

جو ہے اُسے کسی کو یہ پاس ادب نہیں

آپس میں جنگ ہو تو کچھ اس کا عجب نہیں

سُننا تھا میں کہ یہ عُمر سعد نے کہا ۸۵ آتا ہے بہر جنگ محنت رکا لاؤ لا
شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہے بڑا جا پہلے لڑ حسین سے تو سوچتا ہے کیا
سر سبز ہونے دے نہ محمد کے باغ کو
جلدی بجھ مزار علیؑ کے چراغ کو

قبضے پہ ہاتھ رکھو کے یہ بولا دُنیک نام ۸۶ مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہے کام
سید، میاں دار، غریب الوطن، امام فاتے سے تین روز کے دودن سے تشنہ کام

واجب ہے احترام محمدؐ کی آل کا

ہے کیا قصور، فاطمہؑ زہرا کے لال کا

پیا سے سے تشنہ کام سے، بلے پر سے ہیں لڑوں ۸۷ محنت کارخانہ داور سے میں لڑوں
کافر نہیں، جو دین کے زہب سے میں لڑوں کھینچوں علیؑ پہ تیغ پیمبر سے میں لڑوں
اُنت کو چاہیے، مدد آل رسولؐ کی
پاؤں گا کیا اجاڑ کے کھیتی بتوں کی

فرمایا شہ نے اس کو خدا سے جزائے خیر ۸۸ بیٹوں سے ہے عزیز، مجھے گو کہ ہے وہ غیر
رؤس گے اس جری کو جن دافس جش و طیر نکھی ہے اس کے بخت میں باغ ارم کی سیر
اعدا میں تو ہماری محنت کی بو نہیں
وہ ہے تو خربے اور کی یہ گفتگو نہیں

یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امام دیں ۸۹ کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غربی سلاج حرب، جوانانِ مرجسین نعروں سے غازیوں کے لڑتی تھی فوج کیس
تلواریں تول تول کے امداد کو تکتے تھے
شملے پھٹے تھے دوشس پہ گیسو تکتے تھے

عباسؑ آئے نبیؐ نے کھوئے ہوئے علم ۹۰ آکھوں کو مل رہے تھے پھر پیسے دم دم
پیدا تھی شانِ شیعہ خدا سے تا قدم حمزہؑ کا رب جعفرؑ عطار کا ششم
دیا تو کھنے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر
بڑھتے تھے مثلِ شیعہ ترائی کو دیکھ کر

آمدۂ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج ۹۱ نرنے میں بے حرار تھا شاؤناں کا زوج
اہرا تھا ہوا سے پھریرا جو مشنِ موج تھا تا جہنمِ رایتِ فوجِ خدا کا ادج
کثرت پہ اپنی فوجِ عسکرو غرور تھا
ظلمتِ اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

چلا با ابنِ مسعود جفا پیش و شریر ۹۲ باں ابنِ فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکرِ شریہ بولایہ حُر کہ قہرِ خدا سے ڈرا سے امیر
خوں کس کا بڑگا تیر یہ کس کو لگائے گا
کیا سینہ نبیؐ کو نشاد بنائے گا

اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لاکلام ۹۳ ہم سے تجھے علاف ہے یادِ شمنوں سے کام
نرنے کہا کہ اوستم آرازاں کو تھام سبطِ رسولؐ بنے مرا محسن مرا امام
تو دشمنِ نبیؐ ہے تیرا کیا شریک ہوں
جن کی طرف خدا بنے انھیں کا شریک ہوں

بولا عمرِ یزید سے کرتا ہے انحراف ۹۴ پکڑی تھی باگِ داں بھی نہ ہوگی خطا معاف
اس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف واللہ ہے حسینؑ کا دل آئینہ سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے جمل کر دیں
تو بھی اگر چیلے تو خطائیں جمل کر دیں

اس نے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ کلام ۹۵ تجکو بُرا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
خون نے کبسا رہے گا ابزنک ہمالا نام عاتق ہیں جتنے مدح کریں گے مری مدام
اس کثرتِ سپاہ پہ تو دور سے زرد ہے
تھوڑوں کا جو شریک ہو جا کر دے مرد ہے

مجھ کو بڑا کچھ تو کہئے حاکم جہول ۹۶ مَنّا قبول، آگ میں جلتا نہیں قبول
اب سر مرا ہے، اور قدم ناپ رسول بے دیں کی بے یقین کی اطاعت کی حصول
ذوال سے غرض ہے ذابِ مذہب سے کام ہے
خوشنودی خدا و پیغمبر سے کام ہے

دوزخ سے میں تو جاتا ہوں نے جانبِ ارم ۹۷ روکے تو مجھ کو آگے تراش کر ستم
چھیڑا فرس کو، کہد کے جو یا ستید اُمم طاؤس کی طرح سے اڑا اسپ خوش قدم
اں ہاں کیا کئے، پہ وہ سن سے نکل گیا
آئی صدا کہ چساںد گھن سے نکل گیا

جب آدمی راہ کر چکا ہے، حسرتِ نامور ۹۸ بیٹے سے تمھ کے کہنے لگا وہ نکوسیر
میں دستگیرِ حلق کا، مجرم ہوں اے پسر تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچ کر
دستِ خلا پد ہے شبِ کائنات کا
ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا

رو کر کہا پڑنے ابھی سے یہ کیا ضرور ۹۹ پہلے چلو تو، ابنِ یزید آئند کے حضور
آقا دھرم سے دور ہیں از تم ہوا حق سے نفار تب کا یسویہ ہاتھ، زنجبیں گے جب قہر
چل کر امامِ پاک کے دامن کو تھام لو
خردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو

اس نے کہا پسر سے کہ خیر اے نکوشعار ۱۰۰ رومال سے تو باندھ دے دستِ گناہ نگار
باندھے پسر نے دستِ پد ہو کہ بے قرار ہاتھ نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار
میتِ زانِ منفرت میں گناہوں کو تول دو
باندھے ہیں اس نے ہاتھ درِ غلہ کھول دو

وان سے چلا غلام، ادھر سے بڑے امام ۱۰۱ دیکھا جو جُرنے آئے میں شاہِ فلک مقام
ٹھوڑے سے کہہ کر یہ پکارا وہ نیک نام صدقے ترے کرم کے میں اے قبلہ امام
محبوب ہوں بہت، شہِ والا صفات سے
بندے کے ہاتھ قطع کر د اپنے ہاتھ سے

پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے، شاہ دیں پناہ ۱۰۲ لگ جا گلے سے، روکی تو روکی ہماری راہ
 ہے تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ تیری نہ کچھ خطا ہے نہ ہاتھوں کا ہے گناہ
 تجھ کو نہ بخش دیں، یہ جیسی سے دور ہے
 روکا تھا ہم کو موت نے تو بے تصور ہے

احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں ترش ز لب ۱۰۳ پھر جانے کی صلاح مجھے دی تھی وقت شب
 سوتی تھی تیری فوج کیا میں نے کوچ جب لیکن مسافروں پہ تب ہی پڑی عجب
 جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بسر ہوئی
 مرنا تھا جس جگہ وہیں آکر سحر ہوئی

یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیئے اس کے شاہ نے ۱۰۴ پٹنا سا گلے سے رسالت پناہ نے
 پونچھا غبار چہرے کا، شیر آڈنے فزے کو مہر کر دیا زہر کے ماہ نے
 خر کے قدم کی آکے ملک خاک لے گئے
 مہاں کو اپنے بیعتن پاک لے گئے

جب سب سے ل چکا تو یہ خرنے کیا کلام ۱۰۵ امیدوار حرب کی رخصت کا ہے غلام
 رو کر یہ اس سے کہنے لگے، شاہ نشہ کام اک دم تو گھر میں، فائدہ کشوں کے بھی کر مقام
 ہم پہلے داغ خویش و برادر کو دیکھ لیں
 تو ہم کو دیکھ، ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں

خرنے کہا بہشت میں ہے آپ کا تو گھر ۱۰۶ ہو گا وہیں مقام کیا یاں سے جب سفر
 خادم کو اب نہ روکے یا شاہ بحر و بر شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھا جا بھکا کے سر
 بچھڑے جب ایسا درست تو کیا دل کو کل پڑا
 رخصت تو دی پرا نکھوں سے آنسو نکل پڑا

چڑھنے لگا فرس پہ جو بادیدہ پُر آب ۱۰۷ عباسؑ نامدار بڑھے تھا منے رکاب
 کی عرض خرنے تب کہ یہ کیا لے فلک جناب عباسؑ نے کہا تری خدمت تو ہے ثواب
 شیدائے جاں نثار امامؑ ہوں
 تو جن کا مہاں ہے میں، ان کا غلام ہوں

چڑھ کر سمندر پر جہلا وہ بعد شمس ۱۰۸ پیچھے پیادہ روتے چلے سید اُم
گھبرا یا خرتو کہنے لگے شاہِ باکرم مجھ کو مشایعت کو تو چلنے دے دو قدم

زہرا بھی تیرے ساتھ ہیں جیڑ بھی ساتھ ہیں

تنہا نہیں حسینِ پیسبر بھی ساتھ ہیں

خُرنے کہا کہ ہوتا ہے خدام گناہگار ۱۰۹ کیونکر بڑھوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
یہ سن کے اُس سے روتے پھرے شادِ نادر میدان میں خُریہوئی گئی چمکاکے راہدار

بازارِ حرب گرم جو تھا، سرد ہو گیا

دہشت سے ابنِ سعد کا منہ زرد ہو گیا

دیکھا سیاہ کاروں نے جب روئے خُرکا نور ۱۱۰ غل پڑ گیا یہ حور ہے یارِ دشمنی طُور
خُرنے کہا کہ عقل کا تم سب کے ہے قصور خُریوں غلام نہ کا، فرشتہ ہوں میں نہ خور

ہے روشنی جو رخ پہ فزوں مہرِ راہ سے

خلعت بلا ہے نور کا، سرکارِ شاہ سے

واں کُٹ رہا ہے خلد جسے ہو طلب وہ جائے ۱۱۱ ممکن نہیں کدنت پھر ایسا جہاں میں پائے
لے جائے جانِ نیک کے جو جس کے ہاتھ آئے ایسا بھی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے

ہے دوست پر حلال، عدو پر حرام ہے

سرکارِ ابنِ فاطمہ میں فیضِ عام ہے

بھولے ہو راہِ راست تو رہبر کے پاس جاؤ ۱۱۲ دنیا محلِ فریب کا ہے، دام میں نہ آؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے، گھرِ خلد میں بناؤ بھوکے ہو نعمتوں کے تو پھل برہمیوں کے کھاؤ

زہرا کا نور عین تمہارا کفیل ہے

پیاسو چلو کہ چشمہ کوثر، سبیل ہے

کعبے سے منہ پھرا کے نہ ہوسا کن کنشت ۱۱۳ لازم ہے عاقلوں کے لئے ترکِ فعلِ زشت
سرسبزیاں نہ ہوگی، کبھی عاقبت کی کشت دوڑو کہ کُٹ رہے ہیں اُدھر حلدِ بہشت

دینِ نبی میں آؤ، نہ کافر کا ساتھ دو

دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

دیکھو مری طرف میں وہی ہوں جو تھا ادھر ۱۱۴ یوں نور تھا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
یہ وہ بدبہ 'یہ افوج' یہ حشمت 'یہ کز و فر' مولا کی اک نگاہ و عنایت کا ہے اثر
پڑھتے ہوئے درود ملک ساتھ آئے ہیں

یہ سب شرف حسین کے صدقے سے پائے ہیں
اس گنگو سے خُرکی ہوئے اہل کینِ نعل ۱۱۵ کا اپنے بدن لرزے لگے بھائیوں میں دل
کتے جواں تو رونے لگے ہو کے منفصل چلا یا بشیر آن کے ہر صف کے متصل
مار و اسے کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں

یہ دشمن کے خُمر پہ چلنے لگے تیر بے شمار ۱۱۶ نیزہ ہلا ہلا کے صفوں سے بڑے سوار
تینفیں ہوئے بلند چلے بر جمیوں کے وار لشکر میں مثل شیر در آیا وہ ناسدار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغ خُمر کی چمک دم نکل گئے

چہرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھول کے ۱۱۷ پیچھے ہٹے بڑے تھے جو تینفوں کو تول کے
بھاگے سوار پھسر تو پیادوں کو رول کے پہونچا وہ شیر پنج میں ادا کے فول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
اک اک قدم پڑھیر تن دسر کا ہو گیا

ہر دم تھی جنگ میں بر شش تیغ خُمر و چند ۱۱۸ خون گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس طرف سب بند
دست اماں کیے تھے ادھر کے علم بلند تھرا رہے تھے بر جمیوں والوں کے بند بند
تینفوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

دہشت سے سہم کرتے در انداز مر گئے ۱۱۹ رُخ پھر گئے کمانوں کے چلے اتر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے ہرگز بلا نہ گوشہ راحت بدر گئے
دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
تقدیر نے نہ تیر قضا کیا

گھوڑا وہ برق تھا کہ جراکب اُسے چلائے ۱۱۰ افلاک پر سمندِ نظریٰ طرح سے جلائے
اُس کے قدم کی گرد کو زعفرانِ کبھی نہ پائے پیکِ خیال و دہم یہ نہ سُرعت کہاں سے لائے
جس غول پر گرا، تو اڑا اس شکوہ سے

پر دانا کبک کرتا ہے جس طرنِ کوہ سے
بجلی سی تیغِ شعلہ نشان چار سو پھری ۱۱۱ میدان میں بھاگتی ہوئی فوقِ عدد پھری
دم میں ستاروں کا بہار لہو پھری سرِ کلاٹ کر بدھ سے پھری سُرخ و پھری
یہ اوج تیغِ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
گویا بلالِ عیدِ شفق سے عیاں ہوا

غلطان تھے تنِ زمیں پہ جدا اور سر جدا ۱۱۲ زخمی اُدھر پڑے تھے جدا اور اُدھر جدا
گردن جدا تھی، سینہ جدا اور کمر جدا شانے سے باتو، باتو سے تیغ و سپر جدا
پستی پہ جب چمک کے ہندی سے آتی تھی
گاؤ زمیں، زمیں کے تلے، تھر تھرتی تھی

رد کا سپر پہ جب تو، سپر سے بجلی گئی ۱۱۳ دو کر کے ٹخوڑ، کاسہ سر سے بجلی گئی
آئی اُدھر سے گرا، تو اُدھر سے بجلی گئی سینے کو چاک کر کے، کمر سے بجلی گئی
ضرورت سے چار آئینہ والے بھی رنگ تھے
کہنے کو قہی دو تیغ پہ بجلی کے رنگ تھے

تن سیکڑوں زمین پہ بے سر دکھائیے ۱۱۴ اجزائے جسم خاک پہ ابست دکھائیے
چشمِ غضب نے شیر کے تیور دکھائیے باتھوں نے زوہِ تیغ نے جوہر دکھائیے
یوں جست کی سمندر نے لاشوں کو روند کر
بجلی نلک سے گرتی ہے جس طرح کو نہ کر

دہنی طرف گیا تو سارے قلم ہوئے ۱۱۵ ترکش سے جس نے تیر نکالے قلم ہوئے
آیا اُدھر تو برجیوں والے قلم ہوئے حمل کیا پلٹ کے تو بھاگے قلم ہوئے
امدا کے ہوشِ برقِ اہل نے اڑا دیئے
ڈھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اڑا دیئے

یوں تن سے سرگراتی تھی شمشیرِ آبدار ۱۲۶ جیسے رگِ سمات کبھی ہو مگر گت ۳ بار
 درہو گیا وہ صاف کیا جس پہ ایک وار غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار
 ہر صف میں اس جری کی لڑائی کا شور تھا
 ہر غول میں نبی کی دہائی کا شور تھا

چلتے تب حسین کر بس اے دلیر بس ۱۲۷ مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈیر بس
 اعدادِ ہائی دیتے ہیں گھوڑے کو پھیر بس اُمت ہے یہ نبی کی، بس اے میرے شیر بس
 شاہش حق دوستی پنجتن ہے یہ
 غربت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہے یہ

یسن کے ہاتھ روک لیا اس جری نے جب ۱۲۸ بولا یہ شمر ٹوٹ پڑا اس پہل کے سب
 یاں غم سے بے قرار ہوئے شاہِ تشد لب تیغوں کے وار چلنے لگے، حر پہ ہے غضب
 کاری جو زخمِ تن پہ لگے اس دلیر کے
 نکلنے کا حسین کو مُنہ پھیر پھیر کے

سینے سے جبکہ ہو گئی برہمی ستم کی پار ۱۲۹ گھوڑے پہ ڈمک گئے لگا حُسنِ نامدار
 رکھ کر جگر پہ ہاتھ، پکارا وہ دلفگار اے فاطمہ کے لال، یہ خادم ہوا نثار
 اب شفقتِ الہم مجازی کا وقت ہے
 آتہ ہی غلام نوازی کا وقت ہے

جس دم سنی امامِ اُمم نے صدائے حر ۱۳۰ چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حر
 رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی دفائے حر خیمے میں پیٹنے لگی زینب برائے حر
 کھینچی جوشہ نے آہ دلِ بقرار سے،
 نکلی تڑپ کے فاطمہ زہرا مزار سے،

دوڑے اُدھر سے نک کی طرف سیدِ اُمم ۱۳۱ آئے نجف سے حیدرِ صفدر کچشمِ نجم
 آواز دی نبی نے کہ حر کو لئے ہیں ہم اس وقت پہونچے شاہِ کہ وہ توڑتا تھا دم
 سر کلٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
 مہاں سے اپنے دوڑ کے حضرت پٹ گئے

زانو پہ رکھ لیا مبرمحر اور یہ کہا ۱۳۲ بھائی حسین آیا ہے، آہوش میں ذرا
 آنکھیں قدم پہل کے، یہ بولادہ بادشاہ مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا
 جنگ کے لئے زمیں، پہ فلک سر جھٹکے ہیں
 وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آئے ہیں

زانو پہ سر ہے آپ کے یا شاہ بحر دبر ۱۳۳ محبوب کبریا ہیں ادھر شیر حق ادھر
 یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ گر شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں برہنہ سر
 تو حشر تک، امام دو عالم کے ساتھ ہے
 ماتم ترا حسین کے ماتم کے ساتھ ہے

یہ سنتے سنتے غیر ہوا اُس جری کا حال ۱۳۴ زانوئے شاہ میں پہ، کیا حُر نے انتقال
 نیچے کے در پہ لاش کو لایا علی کا لال سب بیسیوں نے کھول دیئے اپنے سر کے بال
 زینب یہ روتی شہ کے فدائی کے واسطے
 جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

بس اے ایس مریہ ہوتا ہے اب طویل ۱۳۵ مصرعے ہیں لاجواب تو مضمون بے عدیل
 اس نظم کو قبول کریں سیدِ طویل مداح جن کا تو ہے وہی ہیں ترے کفیل
 مقبول بارگاہِ خدائے قدیر ہیں
 شاہانِ خلق سب اُسی در کے نقیر ہیں

مرثیہ (۸)

کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسین تھے ۱ کیا زابد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
آگاہِ دل و اہلِ وفا، اہلِ یقیں تھے غنچہٴ دہن و مہرِ تقا، ماہِ حبیب تھے

ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہرا

ماشورے بس آج تلکِ ردتِ بے زہرا

وہ عاشقِ صادق تھے، وہ تھے مومنِ کامل ۲ دی تھی انھیں خالق نے تیز حق و باطل
کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل کیا حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل

محرابِ عبادتِ ختمِ شمشیر کو سجے

جادو، وہ مسافر، دمِ شمشیر کو سجے

دنیا کی نہ خواہش تھی نہ کچھ فکرِ زردیاں ۳ تھی دولتِ فقر ان کے لئے شہادتِ اہل
نہ یادِ وطن تھی نہ انھیں، الفتِ اطفال شہید کے عاشق تھے، رہے بختِ خوشا مال

منظور تھا جی سے گندہ بایں گے پہلے

اس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے

کلمہ کوئی پڑھتا تھا، کوئی کہتا تھا کبیر ۴ تیری کوئی قرآن کا، کوئی ماہرِ تفسیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر تھا شوقِ کرباںِ حوریں سے ہو دیئے بغلیں

نہ پیاس کا صدمہ تھا، نہ جانوں کی پڑی تھی

ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

مقبولِ فدائے دو جہاں تھے وہ جوانمرد ۵ مرتبانے پہ سر گرم تھے، اور زیستِ دلِ سرو
ایک ایک جری، دفترِ کونین میں تھا، فرد تابندہ تھے خورشید کی صدمت، رُبِ پُر گرد

ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں

کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں

مریٹ مے غرناں تھے وہ سب قاتل ذی ہوش ۶ تھی غیر خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دنیا سے بڑی، بارِ علانی سے، سبکدوش دل یاد الہی میں جریوں دیکھو تو فراموش

ہر دم سر تسلیم تھا خم راہِ خدا میں

بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صوتِ حسن، اور وہ اثر دار دعائیں ۷ وہ چاند سے رخ، اور وہ نورانی عبائیں

وہ ان کی عبادوں کے تلے تنگ قبائیں وہ دوش پہ شملے، وہ عمامے، وہ بردائیں

نہ خور میں یہ حسن، نہ انساں، نہ پری میں

گویا ملک اترے تھے لباسِ بشری میں

بجنت سے توانا، پر ریافت سے بیکِ ناز ۸ مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلبگار

غربت، الم، فاقہ کشی، زردی، زنجار سوکھے ہوئے جوڑوں پہ عیاں پیاس کے آثار

تسبیحِ ندائے دو جہاں و روزِ باں تھی

بیداری شب، زنجی آکھوں سے عیاں تھی

مقبولِ ندا، صاحبِ دین، زاہد و بار ۹ ایسے نہ پیمبر کو ملے، یا اور و انصار

برسوں جو رہے چرخ میں، یہ گنبدِ وقار پیدا نہ ہوں، اس طرح کے، اصحابِ زنا و زار

حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے

کھوئے سران لوگوں نے ہم مذہبیں سکتے

کیا کیا نہ اذیت تھی، پہ تھے صابر و شاکر ۱۰ مولا کی محبت تھی، ہر اک بات میں ظاہر

سر دیئے، پائے موجود، فنا ہونے کو حاضر اس بھوک میں، بات قدم اس پیاس میں صابر

کھائے تبر و تیسر، یہ غنخواری کا حق تھا

وہ کر گئے نازی جو فساداری کا حق تھا

مرقوم ہیں قرآن میں، تہجہ شہدا کے ۱۱ بے جاں ہوئے پردیس میں، کیا رخ اٹھا کے

وہ چاہنے والے تھے، امامِ دوسرا کے طالبِ تحائف، ان کا، وہ طالب تھے خدا کے

دنیا میں یہ تفصیل سادت کا صلہ تھا

آقا بھی انھیں سب بڑے پیر سا ملا تھا

خشا کہ عجب نوح تھی، فوجِ شہرِ ابرار ۱۲ جن لوگوں کا قباسی ولادہ سا علمدار
بمشکلِ پیسہ سا جواں، فوج کا سالار تختِ ارادہ اللہ کے، جو گھر کا بے مختار

ایسا کسی سردار نے شکر نہیں پایا

شکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

چہرے تھے خدا نے یہ قدرت سے سنوائے ۱۳ نہ بیدہ تھے اس چاند کو ایسے ہی تواسے
کس بہرے آفت میں کئی روز گنلے شہید کے شہید تھے، وہ اللہ کے پیارے

بڑے بڑے کے گلا رکھتے تھے شمشیرِ روم پر

سُرکٹ کے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کاندھوں پہ ۱۴ نیزوں کی ستاروں سے چمکتی ہوئی بھالیں
یہ قصہ کہ قبضے پہ عسرو ہاتھ نہ ڈالیں ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں

تلواریں علم کر کے جو شکر پہ چمکیں گے

نیزوں سے، نہ تیروں سے، نہ خنجر سے کریں گے

کبت تھا کوئی آج کا مزا ہے سعادت ۱۵ سزا بقدمِ خون میں، بھڑا ہے سعادت
خنجر کے تلے طلق کو دھڑا ہے سعادت سر سے رو خالق میں گنڈا ہے سعادت

پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزا ہے

جو آج کے دن طلق کٹانے میں مزا ہے

تھے دہنی طرف جمع عزیزِ شہرِ دیشاں ۱۶ جن کے رُخِ روشن سے منور تھا وہ میدان
زہرا کے جگر بند، محمدؐ کے دل و جاں تلواروں کو تو لے ہوئے سب جنگ کے خلیاں

میدان میں عجب رنگ سے مرنے پہ تلے تھے

حیدر کے مرقع کے درقِ زن میں کھلے تھے

اٹھارہ تھے سرِ زبدِ محمدؐ کے یگانے ۱۷ اک رفتے میں جس طرح ہوں تہیج کے دانے
پالا تھا انھیں گود میں شاو شہدانے غاخور کو ہاتھ ان پہ کیا صاف تھانے

وہ فاطمہؑ کے نعل جو بھولے نہ چلے تھے

مقتل میں بستگاریوں کی تیغوں کے تلے تھے

کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوش رو ۱۸ خوش ملا بر خوش باطن ز خوش قامت و خوش خو
 وہ چاند سے سُخ اور وہ گوند سے ہوئے گیسو قہمی کو سوں تک ان فاطمہ کے پھولوں کی خوشبو
 مرا نہیں گئے فالتے میں قسم کھائے ہوئے تھے
 پانی کا جو تھاقو تو مڑ جملے ہوئے تھے
 لڑکے جو کئی پہلے پہل نکلے تھے گھر سے ۱۹ ہر صف کی طرف تکتے تھے شیریں کی نظر سے
 چھوٹے سے لٹکائے ہوئے ہتھیار کمر سے کہتے تھے نکلت نہیں اب کوئی دھر سے
 یہ دیر ہے کیوں اس سے بھلا فائدہ کیا ہے
 میدان میں چمکنے لگیں تینیں تو مزاج ہے
 چلنے لگے تلوار، کھلیں تیغوں کے جوہر ۲۰ دیکھیں تو بھلا کس نے کسے کر دیا بے سر
 میدان سے پھر اکون ہزاروں کو بھگا کر ہاں دیکھیں تو کس نے نہ دیا کیا لشکر
 رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون
 فوج تھم آرا کے نشاں لے کے پھر اکون
 دو لاکھ میں کس نے پسر سعد کو مارا ۲۱ کس نے سر شہر تھم ایجا د امارا
 تلوار سے کس نے کیا خولی کو، دو پارا خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنار
 لوفت ہوئی کون خبر دیتا ہے آکر
 گڑتا ہے نشاں کس کا در کوہ پہ جا کر
 بولا کوئی حضرت جہیں پہلے ج عرضا دیں ۲۲ لڑکے ہیں، پہ نور اسدا شہر دکھا دیں
 دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں اک حملے میں دو چار صفوں کو توڑ دیا دیں
 ناچار ہیں، اگر پیاس سے غش کھا کے گریں گے
 اس کی بھی قسم لے لو کہ بیٹے نہ پھر یں گے
 کیا حضرت سلم کے یتیموں کا کہوں ماں ۲۳ نہ سالہ وہ سالہ تھے وہ صاحب اقبال
 منہ چاند سے اور ابھے ہوئے گیسوؤں کے بال پوشاک سیہ جسم میں اور دھڑپے منہ لال
 وہ چاند سے سُخ گرد تیشی سے آئے تھے
 اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پٹے تھے

نونا تھا ملک غم کا جو ایدائے سفر میں ۲۳ تھے داغِ غم بے پردی اُن کے جگر میں
لب خشک تھے اندھیر زار تھا نظریں دیا تھی فراموش، انھیں یادِ پدر میں
کہتے تھے کہ بابا تو زاب آ کے ملیں گے

آفت کے ہر اول نے میں جا کے ملیں گے
چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی ۲۵ بابا کی سُنائی تو مفت در نے سُنائی
کہنے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی کیا جانے ہیں قیدِ کُپائی ہے رہائی
وہ کہتے تھا سر اُن کے آٹا سے گئے ہو گئے
اتلیم میں دشمن کے ہیں مارے گئے ہو گئے

بھوں کے قریب زینب دگبیر کے دلدار ۲۶ اک میٹر کر رہا تھا اک جعفر طیار
اچھڑائیاں لے لے کے بھی کہتے تھے ہر بار کچھ دھماکا پہ چڑھنا نہیں یہ لشکرِ کفار
اک دم میں فنا ہو گئے جولا کھوں ہوتی کیا ہیں
رُوباہ ہیں وہ ہم پر شیرِ خدا ہیں

اور تین تھے محبت جگرِ شیرِ زکیا ۲۷ عبداللہ و زیدِ حسن و قاسمِ نور شاہ
دولہ کے بن و سال کا کیا حال لکھوں آہ لڑنے تیر و برس کا تھا پہ تھا چہ دھویں کا ماہ
دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوں میں
دولہ بھی بنے مر بھی گئے تیر و برس میں

وہ جن دو بن، اور وہ یوشاکِ خُشانی ۲۸ قدس و سا ہے پر یہ کہاں اُس میں زندانی
خلقِ حسنی، کمِ حسنی، غنی و دانی وہ رُعب کہ ہو جائے جگرِ شیر کا پانی
تلوار تو کا ندھے پہ، زرہ باپ کی بریں
تصویرِ حسن پہرتی تھی حضرت کی نظریں

تھی صبحِ شبِ عقد کہ پیشکِ اجل آیا ۲۹ دیکھا بھی نہ تھا اُن لے کہ سہرے کو بڑھایا
اُزلے سے شامِ دلہن جس کو بنایا قسمت لے سحر کو اُسے رُشدِ سالہ پنہایا
دولہا کی لُٹائی تو کیجیے پہ دھری تھی
اور ناگ میں مندل کے عوض ناگ بھری تھی

عباسؑ سوا پانچ تھے نہ زندیدادہ ۲۰ ششدر تھا جنس دیکھ کے سب شکرگراہ
ایک ایک دلا دھما، ہنر برفبجگاہ خیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
نازی تھے، بہادر تھے، ولی ابن ولی تھے
سب قوت بازوئے حسینؑ ابن علیؑ تھے

عباسؑ علیؑ مددِ صرف رکانشاں تھا ۲۱ بس شکرِ اسلام میں وہ شہرِ نیاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس برس کا وہ جوان تھا چہرے سے جلالِ اسرارؑ میاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفرؑ طیار کا رتبہ

کیا دمف جناب علیؑ اکبر کیوں تمسیر ۲۲ حسنؑ نبویؑ خلقِ حسنؑ، غربتِ شبیرؑ
اٹھارہ برس کا تو بن اور صاحبِ توقیر تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے، فور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسولؑ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

تھے بچہ میں اس غول کے شاہنشاہ عالم ۲۳ گردوں پر ستاروں میں ہو جڑیں نیرِ اعظم
دیرائے کرم رحمتِ حق نورِ مجسم فخرِ دو جہاں قبلہ دیں تیرِ اکرم
علیؑ تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہرِ دیں ہے
ذرے سب اسی کے ہیں یہ خورشیدِ زمین ہے

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دہل جنگ ۲۴ ٹپکنے لگے ہر صف کے علمائے یرنگ
شکر کے زور پوشوں نے گھوڑوں کے کسے تنگ جاغالی نہ تھی فوجِ ستم میں کئی فرسنگ
بے دینوں کے رخِ قبلہؑ ایماں سے پھرے تھے
ہنفتاد و دتن لاکھ سواروں میں گھرے تھے

امڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ کفتار ۲۵ جوں موجِ نظرِ آتی تھی تلوار پہ تلوار
کیا دغا نظر جائے جس پار سے اُس پار بے خوں میں ہوئے غرقِ عبور اس سے تھا دشوار
پانی تھے جسگر پیاس سے اولادِ علیؑ کے
مٹشکی میں تباہی تھی سینے پہ نبیؑ کے

تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قد رانداز ۳۶ قالب سے کرے رُوح جنہیں دیکھ کے پرواز
پیغام اجل ان کے ہر اک تیسرے کی آواز ایک ایک کو اپنی قدر تمازی پہ تھا ناز
جوڑے ہوئے تیروں کڑجے ہوئے صف

رُخ سب کے، جگر گوشہ زہرا کی طرف کو
بدیش کوئی دیکھتا تھا تیسرے کا پتلا ۳۷ کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ ہلا
آفت ہے نہ حیدر سے نہ احمد سے تو لا کر دیتے ہیں برباد قریشوں کا محلا
دنیا سے مٹا دیں گے نشاں آج نبی کا

بچہ بھی نہ چھوڑیں گے حسین ابن علی کا
داں ہوتی تھی قتل شہِ مظلوم کی تدبیر ۳۸ تھیاں کے بھی تھوڑے سے جواں دستِ پیشر
غل خیمے میں تھا ہائے غضب گھر گئے پیشر بیت اب تھی سر کھوئے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر بڑتی تھی غش کھا کے جوغل ہوتا تھا ان میں

چادر نہ سنسکتی تھی یہ رُخشہ تھا بدن میں
کہتی تھی سکینہ سے گر آؤ مری پیاری ۳۹ سُن لیتا ہے بچوں کی دُعا ایزد باری
خالق سے یہ رور و کے دعا مانگوں داری پھر خیر سے آئے مرے بابا کی سواری
اس بن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہوئے

پامال خراں فاطمہ کا باغ نہ ہوئے
یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر اُدھر سے ۴۰ عباس بچنے لگے حضرت کو سپرے
تلواریں نکلنے لگیں اشیروں کی کرے لڑنے کا یا اذن شہ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ زن میں کہیں تلوار نہ چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

پہلے جرّ غازی نے صفیں کیں نہ وبالا ۴۱ پھر بھائی گیارن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چپکا کے لکالا تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہ والا

کہہ رام تھا جہاں کے لئے اہل حرم میں
روئے کو بتول آئی تھی میدانِ ستم میں

میدان میں مسلم پسر عرجہ آیا ۴۷ تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا مشہ نے بڑا رنج اٹھایا پھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاٹھے سے گلے مل کے ہڈا ہوتے تھے فہیر
عورت میں غل بوتھا تھا جب ملے تھے فہیر

فرقائد و دہب و انس و مالک و دینار ۴۸ حجاز و زہیر و استی عاقر و عتار
عمران و شیب و عمرو و شوب و آبرار قربان حسینؑ ابن علی ہو گئے اکبار
جس سمت یہ جانا تھے غالی وہ پڑا تھا
اور دود تلک و شبت تم غوں سے بھرا تھا

باقی جو رفیق مشہ دریں رہ گئے و چار ۴۹ حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سید ابرار
کہ بڑھ کے حبیبؑ ابن مظاہر نے یہ گفتار یہ پیر غلام اب ہے اجانت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا کیجئے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجئے آقا

اوروں نے تو سروے کے بڑا مرتبہ پایا ۵۰ زیر دم غمشیر ہر اک خوں میں نہایا
پھاتی سے انھیں احمدؑ مرسل نے لگایا میں بھی اسی دولت کی ہوں امید پہ آیا
وہ کیجئے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے بندے
جنت میں پہونچ جائوں گا آفا کی مدد سے

حقا کہ سخی ابن سخی کا ہے یہ دربار ۵۱ محروم یہاں سے کوئی جانا نہیں زہبار
آقا مراد ہے جو خدائی کا ہے مختار خر کو ابھی پہونچا دیا کس رتبے کو اکبار
بیقدر ہوں افلاک جو نظروں سے گزرا
جس قدرے کو چاہو اسے غور شید بنا د

پہونچا ہے ہر اک فضل کو حضرت کی بدولت ۵۲ پاتا ہے کوئی خدا کوئی خدا جنت
رہنے کو مکہ، خلد میں ہوتے ہیں عنایت محبوب خدا بانٹتے ہیں غلعت رحمت
اب دیر جو ہوتی ہے سرے دل کو قلع ہے
بچپن کا جو غلام ہے کچھ اس کا بھی تو حق ہے

حضرت نے سداورد دل اس دوست کا جس دم ۴۸ اک آہ بھری سداور آنکھیں ہوئیں پر کم
فرمایا کہ اے یار قدیم اے مرے بہم اس وقت مجھے اپنی جدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز پاس ہمارے

اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے
منظور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جدا ہو ۴۹ باقی ہے جو کچھ زلیت بسز ایک ہی ماہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو تنہائی میں پھر مجھ پر خدا جانے کیا ہو
جو دوست ہے میرا اسے پہچانتا ہوں میں

بھائی تجھے بھائی سے سنا جاتا ہوں میں
اس عالم پیری میں ذکر جنگ کی تدبیر ۵۰ رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اٹھے گی دشمنیر
مانند کماں خم ہے کمر حال ہے تغیر چلے سے طایا بھی تو کھینچنے کا نہیں تیر
پیا سا ہے دم حرب غش آبا یگانہ میں
پانی بھی نہیں ہے جو جواؤں کا دہن میں

ہے عالم طفل سے تجھے جس سے محبت ۵۱ وہ آج ہے دنیا میں گرفتار مصیبت
ہے یاں سے قرین قبر شہنشاہ ولایت جا بیٹھ نجف میں کہ لے گی تجھے راحت
مشہور وہ دربار شہر عقدہ کشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لئے امن کی جا ہے

جاری اسی دربار سے ہے امن کا دستور ۵۲ ہے پردہ شہنشاہ دگدا ایک سی منظور
افسانہ شہباز دو کوتر تو ہے مشہور پتھر کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدمہ
اک ضرب کو فرما دیا پرول سے نہ چاا
خون کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاا

ہم اذن اگر قہر کوئین سے پاتے ۵۳ آپ دم شمشیر سے خون اس کا بہانے
حضرت کا یہ تحارم کہ جب کھانے کو کھاتے کہتے تھے حُسن سے کچھ اسے بھی ہو کھلانے
بھوکا نہ رکھو رحم اسے مل پڑا ہے
بالہمی نہ بانہ ہو کہ مل مقدمہ کشا ہے

جس وقت کہ دیارِ یثرب میں جاتا ۵۴ اس مرقبہ پر فرد کو آنکھوں سے لگاتا
آدابِ ببالا کے یہ بابا کو سنانا بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ رہا

تم ساقی کو فرہونانے پہ عیاں ہے

یہ تیسرا دن ہے کہ پسر تشہ دہاں ہے

بیٹھے ہیں لب نہرِ ستیگاروں کے دتے ۵۵ نچے مے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
جاؤں تو کہ مر جاؤں کہ سب بند ہیں رستے پانی کا جوں نام تو ہیں تیر برستے

حضرت سے بھی ہوں دُور وطن سے بھی جُدا ہوں

ہمداد کو پہونچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

یاشاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا ۵۶ دشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
سب بھل تھاپوں کو اگر ستا تو نہ لاتا ہے سخت مصیبت بھگے کچھ بن نہیں آتا

جب سہرا خجھر سے جُدا ہوئے گا بابا

کیا جانئے ناموس پر کیا ہوئے گا بابا

اے گل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ ۵۷ تم صاحبِ اعمار ہو اعمار دکھاؤ
میں شاد ہوں کچھ غم مے مرنے کا دکھاؤ پر زینب بیکس کو اسیری سے بچاؤ

پاؤں نہ کفن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہے

بلے پردہ جو ہو دستِ زہرا تو تم ہے

رویا یہ سخن سن کے حبیبِ جگر افکار ۵۸ گر کہ قدیم سہ پہ کی عرض بہ تکرار
قرآن ترے اے غلبِ حیدر گزار اس وقت کہاں جائے یہ بچن کا نمک خوار

فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا

جنت تو ہے نزدیک، نجف دُور ہے آقا

کس منہ سے میں دیارِ یثرب میں جاؤں ۵۹ نواہل کو کس طرح سے شکل اپنی دکھاؤں
کیا کہہ کے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگائی حیدر کو خبر آپ کے مرنے کی سناناؤں

فرمائیں گے شہید سے منہ موڑ کے آیا

نواہل میں تجھے کو مے بھوڑ کے آیا

میں یاں سے کہاں باؤل کریدر بھی نہیں ہیں ۶۰ عزو بھی نہیں آئے ہیں: حضرت بھی نہیں ہیں
دل تھامے جوئے حضرت شہزاد بھی نہیں ہیں زہر نہیں روٹی ہیں: پیمر بھی نہیں ہیں

حضرت پر جو ظلم و ستم و جرد و جفا ہے
دور دے یاں ہائے حسنا کی صدا ہے

بچپن سے ترسائے کی طرح ساتھ رہا ہوں ۶۱ آیا جو بُرا وقت تو حضرت سے جدا ہوں
سر دوں گا کہیں عاشقِ نقشِ کعبہ پا ہوں اس نام پر قربان ہوں اس گھر پر فدا ہوں
جیتا ہے سدا: جو یہ شرف پاتا ہے مولا
اس طرح کا مرتا: کسے ہاتھ آتا ہے مولا

حضرت کے ظالموں کے لئے عید کا ہے روز ۶۲ دولت سے شہادت کے ہوئے شبِ غنا:
راحت ہے جو سینے پہ لگے تیر جگر دوز گراگ ہو تو کو دپڑیں آپ کے دل سے

مجرور ہوں نیروں سے جو میدانِ ستم میں
ہاتھ آئے ضعیفی کا عصا راو عدم میں

بر چند کہ ہے عالمِ پیری سے نقابت ۶۳ باقی ہے مگر جسم میں ایاں کی حرارت
جب دیکھتا ہوں آپ کو: آجاتی ہے طاقت ہوتا ہے جوانوں کی طمع جو شہادت
بے سر دینے مولا مجھے آلام کہاں ہے

گو پیر ہوں پندل مرا مرنے پہ جواں ہے

احوالِ ہر اک درست کا ہے آپ کو معلوم ۶۴ مرے وہ ہیں شاذ جو ہیں عاشقِ قیوم
روشنے فقط اس خوف سے ہے اے شہِ مظلوم وہ جالے بدلی زخمِ شہادت سے نہ محروم
کچھ نصف نہیں آپ کے قدوں کی قسم ہے

سرا ہے حق پر کمر اس طے قسم ہے

بچپن کی ترافت سے مری آپ ہیں آگاہ ۶۵ کچھ یا ہے اس روز کا مال لے شہِ زیبا
ہم سن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا مگر یوں نکلیں تھے آپ ستاروں میں ہو جلا

کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ تھا تھا

گیس تھے آئے خاک سے کرتا بھی پش تھا

لوگوں کو برا کیسیل کے کچھ اور دھڑا دیا ۳۳ اور پیار سے میں آپ کا منہ لگا تھا ہر آن
ساتھ ان کے جودھ ڈھٹے آپ لے شہزادیاں نقش قدم پاک پہ میں ہوتا تھا قرباں
ذکیسل پر رغبت نہ تائے یہ نظر تھی

خاک کھ پامیر سے لئے کھل بصر تھی
ہماہ زمیں واں کی جوئی مسلحہ انوار ۳۴ اور چاروں طرف نور لگا پھیلنے اک بار
خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہے انبار تسلیم کو بھگنے لگے بام و درو دیوار
تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوب خدا کی
ہرز دے سے آتی تھی صدا مصل ملا کی

اتنے میں قریب آئے شہر یثرب دہلا ۳۵ اور آپ کو بھریوں میں کیسے دیکھا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دھڑے بہرتا ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ لے سرے ہوا
کہتے تھے کہ ہم ڈھٹے ہیں آئیے ۳۶
جب جانیں کہ اس وقت ہیں پائیے ۳۷

فرماتے تھے احمد کہ میں قرآن تھا ہے ۳۸ ہم تم کو بکڑتے ہیں کہاں جاتے ہر جا سے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو بکڑ کر یہ کیا ہے راؤ لگو چھاتی سے اچھا ہیں ہاں
ڈر ہے مرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے
لاٹا کوئی ان پھولوں سے تلوں میں گر جائے

پھر دھڑکے آغوش میں حضرت نے اٹھایا ۴۰ چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کٹی بار دیا ان سوکے ہوئے ہنٹوں سے ہنٹوں کو لایا
اُس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے
بور جھگے کا لب آلو نکل آئے

محمدؐ بھری فیض آخر بڑ گئی اک بار ۴۱ خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار
اُس دم حجت ہوئے اصحاب مظلوم ان سب سے یہ فرمانے لگے اہم حجت ار
بے جا نہیں اس فضل پہ الطاف نبی کا
یہ چاہنے والا ہے حسین ابھی مثل کا

تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس نفل کے جوہر ۱۲، جس ناک پر رکنا خاف دم یہ مراد بس
آنکھوں سے لگا تھا یہ اس ناک کو لے کر فطیر کے عاشق پہ تصدق ہے میرے
مردم ہے نام اس کا ازل سے شہلا میں
دیوے کا خدا قبر سے ناک شفا میں

فرمائیں یہ جب حق میں مرے اُحد مختار ۱۳، کس طرح نہ صدقے ہو غلام شہ ابرار
مشتاق شہادت ہے جوانی سے یہ غمخوار کفار سے جب لڑنے چلے حیدر گزار
خدمت میں ہر اک تیغ و سپر باندھ کے آیا
سرینے کو بند بھی کمر باندھ کے آیا

دیکھا جو سُلجھے رو کر یہ سنا یا ۱۴، ہتھیار لگا کر تو ابھی کس نے آیا
مرتا تو اس دن کا ہے اللہ کو بھایا جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مرا جایا
ہے صاحب قسمت تری کیا بات ہے بھائی
دامادِ حسین اور ترلا تھا ہے بھائی

جب شلے سنی اپنی مظاہر کی یہ تقریر ۱۵، بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے فطیر
فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہش تقدیر دکھلاتا ہے اجاب کی فرقت فلک پر
پُخت ہے تو پھر یار موافق نہیں ملتا
سب ملتے ہیں پر عاشق صادق نہیں ملتا

خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور ۱۶، کچھ بن نہ پڑا روک چکے اپنے بہ مقدر
منظورِ نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہ جو درد تقدیر کی تحریر سے شہیر ہے مجبور
گو چمپے رہے جاتے ہیں پھر آئیں گے ہم بھی

مزل پر سرشام پہنچ جائیں گے ہم بھی
فرما کے یہ چماتی سے لگا یا کتنی باری ۱۷، رخصت ہو گیا آنکھوں سے آنسو ہٹے مای
گھر کے دوغیمہ سے زینب یہ پیکاری لوگو کہو میاں میں بلی کس کی سواری
اب کون بچائے گا شہ جن و بشر کو

سب چمڑے چلے جاتے ہیں زہر کے پیر کو

نسفی ہوں اور فروغ پہ فروغ آتی ہے ہر دم ۷۸ یاں کم ہوئے جاتے ہیں رفیقِ شبِ عالم
سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہے غم جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہے مرا دم

حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہے بھینا

بچپن کا مراد دستِ جدا ہوتا ہے بھینا

یہ سنتے ہی کبیرام ہوا اہلِ حرم میں ۷۹ پہونچا وہ جری شیرِ میدانِ ستم میں
کالِ تھار بس عشقِ شہنشاہِ اُمم میں بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں

سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب

پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیر کی جانب

پیری میں مجبِ شان تھی اس شیرِ زباں کی ۸۰ پڑتی تھی سراپے پہ نظریہِ پروجاں کی
تھی جلوہ گری نورِ بدائے دو جہاں کی گردوں پہ چمک جاتی تھی سجدے کے نشاں کی

پیشانی پر نور پہ عالم تھا قمر کا

یہ چاند تھا شب کا نور تھا سحر کا

باہم صفت تیر و کماں ابرو و خراگاہ ۸۱ سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنوان
آنکھیں وہ غزالاںِ حرم جن پہ بولِ قوماں نظروں سے ہو مینی رخِ شپیر نہ پنہاں

رخساروں کو تر کرتے ہیں اٹک نکھڑکھڑا کر

رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کوں کر

خورشید سے افزوں ہے صفائے رخِ نیکو ۸۲ مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ رو
شبنم سے زیادہ دہنِ تنگ میں خوشبو اور درو زباں ذکرِ صفاتِ شیرِ خوش خور

لب ایسے کی یاقوت بھی گر جائے نظر سے

بن پانی مگر خشک ہیں چرمیں پہرے

بے خبر لڑی موتیوں کی ہیں ۸۳ دُر و دنداں یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچے میں ہیں پنہاں
وہ ریشِ سپید اور وہ اُس کا رخِ تاباں آغوشِ مہ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں

گہتی ہے اہلِ منزلِ ہستی سے سفر ہے

شب گزری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہے

گردن جو جلی جاتی ہے ستر تن پہ گراں ہے ۸۳ افسوس بہارِ ہمیں عمرِ خنداں ہے
جو تیرا قد تھا سو وہ خمِ مثلِ گماں ہے جانے کا یہی گوشہٴ مرقد کے نشاں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزنا کوئی دم کو

ہر دم یہ رہا ہے کہ نہ فرخش ہو تو دم کو
سر پر عرضِ خود ہے 'اللہ کا سنا ۸۵ زخموں کے لئے، تن کو زور سے نہ چپایا
دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا کیا فائدہ ہے، جینے سے جب ہاتھ اٹھایا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے
اک ہاتھ میں دامانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

بستے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام ۸۶ اے قومِ حبیبِ ابنِ مظلوم ہے ہر نام
ہشیار کا بیاں سے کہنِ جنتی ہے یہ مقام دار اس کا ہے دشمن کے لئے موت کا پیام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ حارب کے گی
میں تم سے رکوں گا نہ مری ضربِ رُکے گی

یہ سس کے پکارا غیرِ سعدِ جفا کار ۸۷ آتا ہے بڑا سبطِ پیر کا مددگار
اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیے زہر بڑھ کر کہا غازی نے کہ اوٹا لمِ مقدار
میں تیری طرح دشمنِ شہید نہیں ہوں
ہوں پیر تو واللہ پہ بے پیر نہیں ہوں

گو ہاتھوں میں دھ ہے پہ اوٹا لمِ گراہ ۸۸ گر کوہ کو چاہوں تو اکھاٹوںِ صفت کاہ
ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ ہے قدِ شناس ان کا جگر بندِ یدِ اللہ
پیری سے جو ہے پشتِ خمیدہ تو بجا ہے
جس خاک میں جاتا ہے اُدھر سر بھی جھکے ہے

میں وہ ہوں کہ جو غز کروں ہے وہ سزاوار ۸۹ دیکھا ہے محمدؐ کا انھیں آنکھوں سے صبار
جُٹا کیا اکثر قدمِ حیدر کے کڑا زہر کی نوازش رہا سبھتہ نے کیا پیار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دو جہاں ہے
اب ساتھ ہے شہید کا اور سیرِ خاں ہے

پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں ۹۰ دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں دیندار ہوں، غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں

بے خوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر

دعویٰ ہے تو آؤ مری قمشیر کے منہ پر

مشہور ہے دنیا میں کہ یکسیر ہی صعب ۹۱ جرات میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرثیب

ہر دم ہے غنایاتِ خدا سے مدوغب شک اس میں نہیں بندۂ شبیر ہوں لاریب

تلاواروں سے سوٹکٹے اگر ہو کے گروں گا

اس قبلہ دیں سے نہ پھر ہوں نہ پھر گلا

آقا مرا وہ ہے جو امامِ ازل ہے ۹۲ مظلوم ہے سید ہے ولی ابنِ ولی ہے

ہر جنگ میں اکثر مری تلاوار چلی ہے اُس خیر کے بیٹے میں پلا ہوں، جری ہے

مٹتا نہیں مرکزِ اسی میدان میں گروں گا

تلاوار نہ ہوئے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا

میں نہ تیروں کا برے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں ۹۳ نیزوں کا ہر اک بند انھیں ہاتھوں سے توڑوں

ہاتھ آؤ تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوٹوں جیتا شبہ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں

کچھ ڈھال کی حاجت نہیں خستاقِ اہل کو

دانتوں سے چباجاؤں گا تلاوار کے پھل کو

ہے کانپتے ہاتھوں میں مرے زویدِ خدا داد ۹۴ ہے جنگِ ید اللہ کا انداز مجھے یاد

پکڑوں جو کائی کو تو فیصلہ کم کرے فریاد پھر جاتا ہے پنجے سے مرے پنجہ فریاد

کھا سکتے نہیں دیو، دلیروں کا لٹا پنجہ

ہے ضربِ مرے ہاتھ کی شیروں کا لٹا پنجہ

شیر سے بیکس پہ یہ دشگری چڑھائی ۹۵ اے ظالمو کہتے ہو یہ کس گھر کی صفائی

کہتے ہو غضب اُس کے لڑا سے بڑائی پیدا ہوئی ہے جس کے لئے ساریِ خدائی

فرزندِ نبیؐ پر ہر جفا کرتے ہو یا رو

گھر نشا ہے زہرا کا یہ کیا کرتے ہو یا رو

بدعت نہ کرو، ہاتھ نہ سید پہ آٹھاؤ ۹۶ بقی ہے زمیں عرشِ خدا کو نہ ہلاؤ
 کبہ ہے بنیاد نہ اس گھر کی مشاؤ ۹۷ طہیں حشرم لم یزلی کو نہ بجھاؤ
 کون اس کے سوا دوشِ محمد کا میں ہے
 فہیئر سآت کوئی دنیا میں نہیں ہے

سمجھانے لگا آن کے تب ایک سنگر ۹۷ ہر چند بہادر ہے تو اے رستم لشکر
 تیرے زل و فزند بھی ہو ویسے مقرر ۹۸ لازم ہے وہ تدبیر کہ برباد نہ ہو گھر
 گوشتِ دلی صاحبِ معراج ہے فہیئر
 حاصل تجھے کیا ہو گا کہ محتاج ہے فہیئر

کیوں آپ کو تیسروں کا بنانا ہے نشانہ ۹۸ ساتھ اس کا نہ دے جس سے ہے برگشتہ زمانہ
 قہقہے میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ ۹۹ دوروز سے پانی نہ میسر ہے نہ دانہ
 لازم ہے کناہ پیر شیر خدا سے
 ہو اس کا لازم جو سپر بھر دے بلا سے

تھڑا گیا یہ سن کے حبیبِ جگر انگار ۹۹ چلا کے کہا دور ہو، اے ظالم و قدار
 فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گہر بار ۱۰۰ نہ ملک سے مطلب نہ دولت سے سروکار
 فہیئر کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
 وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا

ممکن ہے کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں ۱۰۰ فاسق کی طرف دولت دیں چھوڑ کے جاؤں
 خاکِ قہم شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں ۱۰۱ گر کوہِ جلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
 کیا دے گا مجھے کوئی جو آقا نے دیلے ہے
 فہیئر سے فردوس میں گھر میں نے کیا ہے

یہ کہتے ہی جولاں کیا شہیدِ بزمِ شہباز ۱۰۱ آؤ کر صفِ اعدا پہ گیا صمدتِ شہباز
 رنگِ رُخ افواجِ رستم کر گیا پرہاز ۱۰۲ گھوڑا تھا مگر جست میں تھا شیر کا انداز
 اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
 مڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے

چکی عجب انداز سے اس شیر کی تلوار ۱۰۲ گویا سہرا عدا پر گری برقی شد بار
 ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے یہ کار اُس دست زبردست کاڑکنا تھا کوئی وار
 کچھ امن نہ تھا خود زور سے تن دوسر کو

سینے سے گزیر جاتی تھی دگر کے سپر کو
 کاٹے ہوئے پھل برہمیوں کے دن میں بڑھے ۱۰۳ سبھے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
 چھایا تھا ہر اس آن پڑا ہمیشہ جوڑے تھے آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جوڑے تھے
 دہشت سے زور پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا

اس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا
 تھے برہمیوں والوں کے پرے بے سربے پا ۱۰۴ برجھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
 تھا نہر تلک، موج زن اک خون کا دریا بہتے تھے حسابوں کی طرح سے سہرا عدا
 دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوج عدا
 پھل سے ترپتے تھے زور پوش لہو میں

چلاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر ۱۰۵ دم بندیں، ماریں کسے تلوار کسے تیر
 جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
 کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جوہلی سی جھکی ہے
 بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رُکی ہے

بیکار تھے جلادوں کے نیزے دم پر کار ۱۰۶ تلوار سے ملتی تھی نہ مہلت کہ چلے وار
 حلقے کئے اُس شیر کے درپے تھے کماندار چلے سے مگر جس نے ملایا لب سو فار
 شہباز سار پر فرس تیز قدم تھا
 نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

پیری میں جو دکھلائی جانوں کی شجاعت ۱۰۷ تھرانے لگے عضو بدن، گھٹ گئی طاقت
 دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدت دل سے کہا اب عالم فانی سے بے رخصت
 نے لشکر اعدا کو، نہ شمشیر کو دیکھا
 کس یاس سے مڑ کر رُخِ شبیر کو دیکھا

پھر آجھا کہ بس ہٹنے لگی تیروں کی بوجھار ۱۸ دیکھا جوا دھر پٹت پر نیرے کا لگا کر
 چاوا اے ماریں کر لگی فرق پر تلوار اور ظلم کی برہمی بھی کیجے کے ہوئی پار
 کہتے تھے تن وہاں شبہ دگیر کے مدنے
 ہر زخم پر نعرہ تھا کہ شیر کے مدنے
 بھاتی بھی چینی تیروں سے اور فرق دو پارا ۱۹ رنگ رنگ جو کئی پھر نہ رہا ضبط کا یا را
 شیرازہ اجوائے بدی گھل گیا سارا گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکازا
 یاں آپ کا آنامری بخشش کی سند ہے
 اے شیر الہی کے پس وقت مد ہے
 ناگہ صغیں چیر کے آنے شبہ فیشاں ۲۰ دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہاں
 لاشے سے لپٹ کر یہ پکائے بعد افتاں اے دوست مئے تیری محبت کے میں قراں
 دکھلا دے مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
 بھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی
 اس عالم پیری میں نہ منہ جگ سے موڑا ۲۱ کس طرح نہ رفت ترا احساں نہیں تھوڑا
 میرے لئے تو نے زن و فرزند کو چھوڑا فرقت نے تری آہ کر کر مری تھوڑا
 تنہا کوئی لاکھوں سے ڈرائی نہیں کرتا
 وہ تو نے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا
 آہا کی صدا شن کے اے ہوش جو آیا ۲۲ گردن کے تلے زانوئے مسخیر کو بیا
 آنکھوں سے کھپ پائے مبارک کو لگایا اکبر کی طرف جڑ کے ہاتھوں کو سنایا
 کچھ اپنے نمک خوار پہ احساں نہیں کرتے
 حضرت پہ اٹھائے مجھے قراں نہیں کرتے
 بشر مرے واسطے آسودہ بہاؤ ۲۳ شہزاد عالم مرے کام اس غری آؤ
 محبوب خدا آئے ہیں خادم کو اٹھاؤ حیدر یہ کھڑے ہیں، بے قصہ و کلاؤ
 بڑے حسنیٰ سبز قہا آتی ہے مجھ کو
 فریاد کی زہرا کی صدا آتی ہے مجھ کو
 یہ چند لکھ کے لئے میں نہیں ہے۔

یہ کہتے ہی بس گھٹن دینا سے سہلے ۱۳ نکلی رہی ہونٹوں پہ نیاں پھاس کے اسے
انہو کو ہلا کر سترِ مظلوم پٹکا سے بھوڑا بھیں اے یارِ دُعا اور حسا سے

ہم نہ گئے تم ہم سے دُعا کر گئے بھائی
صدا تے ابھی جوتے تھے ابھی مر گئے بھائی

ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے یارو ۱۵ ہے ہے مرے سلاٹ مرے مقادیر اباد
ہے ہے مرے رستم مرے ضیغم مرے بغداد ہے ہے مرے عاز مرے مالک اشتر
تازیت ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خبر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

پھر لاشِ درخیمہ پہ لائے شہِ عالم ۱۶ سر پہٹ کے نسرا یا اگر اے زینبِ بدم
میدان میں جیب ابی مظاہر ہوئے بیدم ماتم کرو بیکس کا پچھا کر صدفِ ماتم

یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں
مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہیں ہیں

خاموشی اتیس آگے نہ کہہ لاش کا جانا ۱۷ پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رونا
انسوس کو فرصت نہیں دیتا ہے زانا اے ذاتِ خدا قادر و قسیم و توانا

رکھاں پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا اپنے کرم سے

مرثیہ (۹)

جب حشر کو ملا خلع پر خونِ شہادت ۱ جنت میں گیا رافضی گلوں شہادت
مستوجبِ رحمت تھا وہ مفتونِ شہادت جہاں بیچ کے پایا دُرِ مکنونِ شہادت

بے سردیے ہرگز یہ ہم سر نہیں ہوتی

ہاتھ اُٹے وہ دولت جو میسر نہیں ہوتی

یہ مرتبہ بے شکر گزاری، نہیں ہوتا ۲ یہ اوجِ بحبِ رحمتِ باری، نہیں ہوتا

بے فیض، یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا کم قدر کا پلہ، کبھی بھاری نہیں ہوتا

راحت بھی اٹھائی ہے جب آزار ملے ہیں

غواص کو اکشر درِ شہوار ملے ہیں

غل تھا کہ یہ اچھوں کی رفاقت کا ثمر ہے ۳ جنت، گلِ زہرا کی محبت کا ثمر ہے

ایمان، فقط نسلِ ولایت کا ثمر ہے سرسبزیِ ثمر باغِ ریاضت کا ثمر ہے

مولا جسے چاہیں وہ گناہوں سے بری ہو

کھیتی یہ ہراول کی ہے، کیوں کر نہ ہری ہو

اک جاتے تھے تھرو شمر، یہ عالم میں ہے مشہور ۴ کیا شانِ خدا ہے کہ، یہ مغفور، وہ مقہور

وہ ہوتا ہے جو ہوتا ہے، اللہ کو منظور انسان رہے حق کی طرف اپنے بہ مقدور

دولت کو نہ حشمت کو نہ آرام کو دیکھے

آنکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھے

اللہ کے محبوب کے دربار میں پہونچا ۵ سردے کے یدِ اللہ کی سرکار میں پہونچا

بے رنج و غلش گلشنِ بے خار میں پہونچا وہ نار میں، یہ قلعہ کے گلزار میں پہونچا

مالک نے، لیا اس کو اُسے شاہِ عرب نے

رحمت نے اسے گھیر لیا، اُس کو غضب نے

رویا سے زہرا کا پسواہ ری قسمت ۶ نافوئے حسین اور وہ مسواہ ری قسمت
طوبیٰ کے تلے خلد میں گھراواہ ری قسمت دنیائے یہ راحت کا مسواہ ری قسمت
کیا جلد گیا سوئے ارم دار فنا سے
سوکھا جو پسینہ بھی تو جنت کی ہوا سے

خواہش یہ ہر گھمور کی تھی پھر ادھر آئے ۷ یہ صاحب اقبال و تہوڑا دھر آئے
لہر اتنا تھا کوثر بھی کہ یہ دور ادھر آئے فرماتے حیدر یہ بہادر، ادھر آئے
مشاق ملاقات کے سب چھوٹے بڑے تھے
محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے کھڑے تھے

فرماتی تھی زہرا میرے غم خوار کو لاؤ ۸ جلدی میرے پیارے کے ہمدگار کو لاؤ
تعظیم سے ٹکرم سے حشر ار کو لاؤ لاؤ میرے آگے حشر دیں دار کو لاؤ
پایا نہ کفن واں تو یہاں شاد کروں گی
میں حلقہ جنت اُسے امداد کروں گی

حوروں کا وہ میووں کے طبق سامنے لانا ۹ درپردہ اشارے کہ ہماری طرف آنا
کوثر ہے وہ منظور ہے گر پیاس بجھانا اس قہر جو اہرے کہیں اور نہ جہانا
جو کہہ وہ کریں فخر ہے خدمت شہدا کی
ہم سب ہیں کینڑی پسر شیر خدا کی

حقا کہ یہ رتبہ شہر ذی جہا نے بخشا ۱۰ ایمان کا شرف، فاطمہ کے ماہ نے بخشا
طالب اتحاد جس کا وہی اللہ نے بخشا بخشا اُسے خالق نے جسے شاہ نے بخشا
جنت ادھر آئی، جدھر آیا قدم اُن کا
کردیتا ہے انساں کو فرشتہ کرم اُن کا

اسے خبر دلاور تری تقدیر کے مدتے ۱۱ رتبے کے خدا عزت و توقیر کے مدتے
مہاں کے تعقدق، شہر دل گیر کے مدتے اس محبت ذی قدر کی تاثیر کے مدتے
ناکام کا یوں کام ملاقات میں بن جائے
بروں کا جو گھرا ہو وہ کب بلت میں بن جائے

اب یوں سے رقم کرتا ہے، یوں راوی صادق ۱۲ جب قتل ہوا حسرتاً مددگار موافق
پھر فوج پہ برساتے لگے تیسرے منافق مر جانے پہ اک دل ہوتے سب شاہ کے عاشق

اک ایک سے پہلے تباہ دیر اجل کا

سرکٹ رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

یوں جاتے تھے، میدان شہادت میں وہ جہاز ۱۳ جس طرح کہ بچھری ہوئی بلبل ٹوٹے گلزار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار بارانِ کرم جانے تھے تیسروں کی بوجھار

برہمنی جو لگی غفل شہادت میں پہل آیا

جاں آگئی جس وقت پیام اجل آیا

زخموں کو عطائے مہدی، جانتے تھے وہ ۱۴ آزار کو لطفِ ابدی، جانتے تھے وہ

جیسے کو، مقتدر کی بدی، جانتے تھے وہ مرنے کو حیاتِ ابدی، جانتے تھے وہ

ٹوٹے ہوئے ہونٹوں پہ محمد کی شنا تھی

دور روز کی پیاس اُن کے لیے آبِ بقا تھی

قصر بان تو لائے حبیب ابنِ مظاہر ۱۵ یکساں صفتِ جہر میں باطن و ظاہر

عصیاں سے بڑی، طیب و پاکیزہ و طاہر جلاں باز جہاں دیدہ، فنِ جنگ سے ماہر

سر ملتا تھا پیری سے، قدرِ راست میں خم تھا

اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

عرشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکو کار ۱۶ پر ایک میں حکم تھی سپہِ ایک میں تلوار

جب شر کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار یہ بڑھ کے اُسے روکتے تھے سینہ پہ ہر ہار

بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت

جب تیر انھیں لگاتھا، ٹپ جاتے تھے حضرت

جب ایسے رفیقوں کا پڑا ہو گیا خالی ۱۷ بھرتا تھا دمِ سرور وہ کونین کا والی

پھر تھا کوئی مولا کا نہ ہم نہ موالی لاشوں کو لگاتے تھے گلے سرورِ عالی

میتب تھے اس طرح ہر اک دوست کے غم میں

جیسے کوئی روتا ہے برادر کے الم میں

لاشوں کے اٹھانے سے نہ پانی تھی فراغت ۱۸ جوتول کے نینروں کو بڑے اہل شقاوت
مولا کے یگانوں نے کیا عزم شہادت لٹنے لگی زہرا و محمد کی بضاعت

سیدانیوں کا دودھ جو پی کے پلے تھے
جلادوں کی تلواریں تھیں اور ان کے گلے تھے

لاکھوں سے لڑے حضرت عباس کے بھائی ۱۹ حملوں میں دکھائی شہ مرداں کی لڑائی
سب شان پدریوں نے جعفر کے دکھائی مسلم کی جو میراث تھی، فرزندوں نے پائی
لاکھوں میں پھر اس شان سے شاہ دو جہاں تھے
دو طفل جلتوں میں قطع اور تین جواں تھے

دو طفل وہ جو تین شب و روز کے پیاسے ۲۰ زینب کے پسر شیر الہی کے نواسے
خود اپنی شہادت کے طلب گزار، خدا سے بے تاب کہ کیوں رہ گئے پیچھے شہدائے
جینے کی ہماری، جو خبر پائیں گی اماں
لاٹھے بھی یقین ہے کہ نہ ملگوائیں گی اماں

قاسم حسن سبز قبا کا سر تاباں ۲۱ عباس علی چشم و چراغ شہ مرداں
ہم شکل نبی نور نگاہ شہ مرداں زینب کے پسر جعفر و زہرا کے دل و جاں
تاباں نظر آتا تھا قریب پاس قمر کے
پانچوں یہ جری چاند تھے شبیر کے گھر کے

ایک ایک جری ملک شجاعت کا شہنشاہ ۲۲ بچپن میں ابوالعزم کہ عظمتہ اللہ
ذی قدر، سرفراز، وفا کیش، دل آگاہ شیر ان کی نظر دیکھ کے بن جلتے تھے روباہ
پیدا یہ تہور سے کہ لاکھوں ہیں تو کیا ہیں

دعویٰ تھا ہر اک کو کہ ہمیں شیر خدا ہیں
کھولے ہوئے رات، کوئی تو لے ہوئے شمشیر ۲۳ بے تاب کہ تلوار کے چلنے میں ہے کیوں دیر
فاقوں میں زہر دست کہ لاکھوں سے نہ ہوں زیر بیٹے میں پلے جو اسد اللہ کے، وہ شیر
جز سجدہ حق کر بھی اُن کے نہ جھکے تھے
یہ قبلا عالم کا ادب تھا جو رُکے تھے

اس وقت عجب غم تھا شہرِ جن و بشر کو ۲۴ نہ رُوح کو راحت تھی، نہ آرامِ جگر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو، نہ اکسبر سے پسر کو نہ عوٹن و محمد کو، نہ شہر کے قسمر کو

میوے تھے سب ایک باغ کے پھول ایک چمن کے

وہ بھائی کا بیٹا تھا، یہ بیٹے تھے بہن کے

فرماتے تھے موت آئے تو چھٹ جاؤں الم سے ۲۵ یارب مرا گھر بے انھیں جزاروں کے دم سے
بچھڑیں ہمیں ان سے یہ جدا ہوتیں نہ ہم سے کٹ جلنے کا جلد کہیں تیغِ دودم سے

ہاتھوں سے یہ محبوب گنوائے نہیں جاتے

داغ اب ترے بندے سے اٹھلے نہیں جاتے

ناگاہ ہوا شور، مبارزِ طلبی کا ۲۶ پھر قصدِ لعینوں نے کیا بے ادبی کا
منہ سرخ ہوا غیظ سے، ہم شکلِ نبی کا رایت بھی بڑھا فوجِ رسولِ عربی کا

حیدر کے نواسوں کی بھی ابرو پہ بل آیا

چھوٹا تو یہ بچہ کہ پرے سے نکل آیا

گھبرا کے پکارے جو اسے ستیہ ابرار ۲۷ بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جزار
کی عرض بسدِ عجز کہ اے کل کے مددگار ہم دونوں غلام اب میں اجازت کے طلبگار

بے تاب ہیں دل جان لڑائی میں پڑی ہے

اے نورِ خداؤں نوازی کی گھڑی ہے

مرنے کو اگر پہلے گئے قاسم و اکسبر ۲۸ یا شاہ ہمیں دودھ نہ بچھ بخشیں گی مادر
شہر کی وہ تصویر یہ ہم شکلِ پیمبر توقیر اسی میں ہے کہ ہم صدقہ ہوں ان پر

مالک ہیں، خداوند ہیں، سردار ہیں دونوں

ہم ان کے بزرگوں کے تنگ خوار ہیں دونوں

بسل جو ہوئے مسلمِ مظلوم کے پیارے ۲۹ ہم نیچے میں جاسکتے نہیں نرم کے مارے
اتانے کہا ہوگا کہ اب تک نہ بدھارے جانوں کو بچاتے ہیں، جگر بند ہمارے

قاہر ہیں، جو توقیرِ شہادت نہیں ملتی

کیا جانیں اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

حضرت پہ ہے روشن، جو ہمارا ہے ارادہ ۳۰ سن کم ہیں، بہت ہے جوانوں سے زیادہ
نانا تو علیؑ، جعفر طیار سے دادا ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردوس کا جادہ

شبیروں کی طرح بیشہ حیدر میں پلے ہیں

تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

وہ تیغ کے مالک ہیں، تو مختار ہیں ہم بھی ۳۱ دادا کی طرح، مرنے پہ تیار ہیں ہم بھی
نانا تھے جو کتار، تو حصار ہیں ہم بھی سروے کے شہادت کے طلبگار ہیں ہم بھی

ہے جوش و فدا، عمر کے پیلے بھرے ہیں

ہم صبح سے سرِ نذر کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

ہم آپ سے مرنے کے لئے جا نہیں سکتے ۳۲ زخمِ تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے
بے حکم، جو مطلب ہے اُسے پا نہیں سکتے آداب سے، کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے

پہچے رہے اوروں سے یہ تقدیر ہماری

ہاتھ آپ کے ہے، عزت و توقیر ہماری

ہم دونوں غلامِ اکبر و اصغر کے ہیں یا شاہ ۳۳ الفت کو بس اب دل سے اٹھا لیجئے، للہ
اماں کا تو نازک ہے مزاج، آپ ہیں آگاہ بنتِ اسد حضرت باری ہیں وہ ذی جاہ

پوچھیں گی خفا ہو کے تو کیا ان سے کہیں گے

آزردہ ہوتیں وہ، تو کہیں گے نہ رہیں گے

عورت ہیں پہ خوبوشہِ مژدوں کی ہے ساری ۳۴ شب کو بھی فرمایا تھا ہم سے کسی باری
تم یہ نہ سمجھو کہ میں عاشق ہوں تمہاری بھائی سے تجھے جان نہ اولاد ہے پیاری

کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کرو گے

تب دودھ میں بخشوں گی جو عزت سے مرو گے

یہ کہہ کے جو رونے لگے زینب کے جگر بند ۳۵ حضرت نے کہا میں ہوں بہر حال رضا مند
کھوئے ہیں کسی بھائی نے ہمیشہ کے فرزند کس منہ سے کہوں آہ کہ ہو خاک کے پیوند

تنہائی کا دکھ فاطمہ کا لال سے گا

لاٹھے کے اٹھانے کو بھی کوئی نہ رہے گا

اکبر کو تو ہم شیر نے، میں نے تمہیں پالا ۳۶ ماموں سے جدا ہوتے ہو جب ہوش نہ جالا
اب کون ہے غربت میں مرا تھانے والا دل کا کوئی ارمان بھی تم سے نہ نکالا

دس سال بھی پورے نہیں دونوں کے بچوں میں

دُنیا سے اجل لے چلی شادی کے دنوں میں

دونوں سے یہ فرما کے اُدھر روتے تھے شبیر ۳۷ چُپ بیٹھی تھی رانڈوں میں اُدھر شاہ کی ہمیشہ
سرز انوپ ہمتا فکر میں اور لب پہ بھی تقریر محبوب کیا بیٹوں نے ہے ہے جری تقدیر

میں جانتی تھی پہلے اجازت وہی لیں گے

اس کی نہ خبر تھی کہ دغا وقت پر دیں گے

آتا ہے دم صبح سے یا لاشے پہ لاشا ۳۸ اُن کے لیے اوروں کی لڑائی ہے تماشا
پانی نہ اجازت، یہ سخن خوب تراشا باتیں ہیں یہ ساری مجھے باور نہیں جاشا

رُکتے ہیں دلاور کہیں روکے سے کسی کے

وہ سب بھی تو پائے تھے حسین ابن علی کے

بانو نے کہا دونوں کی عمریں ہیں ابھی کیا ۳۹ نہ گھر سے وہ نکلے نہ کوئی معرکہ دیکھا
میدان کی رضا دیتے نہ ہوں گے شر والا آزرده نہ ہوں آپ یہ غفٹے کی نہیں جا

سُن بیجے گا رن میں جو کچھ کام کریں گے

حیدر کے نواسے ہیں، بڑا نام کریں گے

فرمایا کے ہاں، جو مجھے تقدیر دکھائے ۴۰ جی جاؤں گی، مرکز جو وہ میدان سے آئے
کیوں شاہ سے نصرت کا سخن لب پہ نہ لاتے کیا جلے کس فکر میں ہیں وہ مرے جاتے

جو چاہیں کریں بیٹوں کے قابل میں کہاں ہوں

اب وہ مرے فرزند نہ ہیں دونوں کی ماں ہوں

یہ ذکر ہمتا فہرہ جو خبر لے کے یہ کئی ۴۱ فریاد کہ اب لٹی ہے زینب کی کمانی
لو میرے خوزادوں نے رضا جنگ کی پانی اے بنت علی رو رہے ہیں آپ کے بھائی

بچے بھی شریک شہدا ہوتے ہیں لوگو

دو سہانچے ماموں پہ فدا ہوتے ہیں لوگو

فضہ سے یہ سننا تھا کہ میں رونے لگے سب ۴۲ اور خاک پہ سجدے کو جھکیں حضرت زینب
 فرمایا کہ حدیث کبریا یاد مطلب عزت مرے بچوں کی ترے ہاتھ ہے یا رب
 بہتر ہے جو لڑنے کو وہ پیارے گئے دونوں

یہ خوش خبری آئے کہ مارے گئے دونوں
 بچے ہیں، لڑائی کے نہیں رنگ سے واقعہ ۴۳ نیزے کے نہ تلوار کے ہیں دھنگ سے واقعہ
 فوجوں سے نہ آگ، نہ فوج جنگ سے واقعہ دونوں میں نہیں ایک بھی چورنگ سے واقعہ
 بونا سے ہیں قد بھی نہیں کچھ ایسے بڑے ہیں
 گھوڑوں پہ تو وہ پہلے پہل آج چڑھے ہیں

دہ سالہ و نو سالہ تھے، نکلے جو وطن سے ۴۴ بُود دھکی آتی ہے ابھی اُن کے دہن سے
 بچے مرے کمزور ہیں فاقوں کے مہن سے دھڑکا ہے کہ گھبرا کے چلے آئیں نہ رن سے
 محسوس ہوں فدیوں میں دلی ابن دلی کے
 تُو ان کی مدد کر کہ نواسے ہیں علی کے

بانو نے کہا دیکھ لو پسران کو بلا کر ۴۵ فرمایا انہیں آئیں گے خود بر چھیاں کھا کر
 اصرار کیا سب نے، تو گردن کو ٹھکا کر فرمایا کہ اچھا کوئی کہہ آئے یہ جب کہ
 حدیث گئی کچھ کام ہے یاں آکے سدھارو
 جاتے ہو تو شکلیں مجھے دکھلا کے سدھارو

فضہ گئی اور خیمے میں لائی انھیں ہمراہ ۴۶ آئے صفت مہر لرزتے ہوئے دو ماہ
 قدموں پہ گرے ہاتھوں کو جوڑے جوہر ذی جاہ لپٹا کے گلے کہنے لگی بنتِ ید اللہ
 ماموں پہ فدا ہوتے ہو، میں تم پہ فدا ہوں
 لو آؤ کہ میں اب تو نہ غصے نہ خفا ہوں

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر ۴۷ ہر دم تھے اسی فکر میں ہم دونوں برادر
 جاتا تھا وہاں ایک کے بعد ایک دلاور ہر دوست سے بل بل کے گلے روتے تھے، سرور
 کس سے کہیں آقا پہ جو کچھ رنج و تعب تھا
 اس وقت میں نصیحت طلبی ترک ادب تھا

لاشوں کا وہ آنا وہ هجومِ آلم و یاس ۴۸ جرات نہ پڑی عرض کی تھے گرچ بہت پاس
آزردہ نہ ہوں آپ ہمیں تمنا ہی دسو اس جب بڑھتے تھے ہم روکتے تھے حضرت عباس
جوڑے ہیں کبھی ہاتھ کبھی گرد پھرے ہیں
راضی ہوتے جب پاؤں پہ اس وقت گرے ہیں

خوش ہو کے کہا ماں نے کہ شا باش دلیرو ۴۹ اب دیر نہیں خوب آمد ہار و مرے شیر و
ہاں چاہتے منہ نیزہ و خنجر سے نہ پھیر و دو شیر ہو بل کر عمر و شمر کو گھیر و
تو قسیر تمھاری ہو، مری نام وری ہو
مرد دونوں کے لاؤ تو میں جانوں کہ جری ہو

دادا کو جو پوچھو تو علمدار پیسبر ۵۰ ہاتھوں کے عوض جن کو خدا نے دیے دلو پر
نانا سا تو عالم میں نہ تھا کوئی دلاور کزار کی حیرات تو سنی ہو گی مکرر
یوں سب ہیں یہ سرتاج دلیروں کے تمھیں ہو
ماں مدتے تھی شیر تو شیروں کے تمھیں ہو

اس گھر کے بزرگوں کا چلن تیغ زنی ہے ۵۱ جو فقر میں کرتا ہے سخاوت وہ غنی ہے
کیا شہرہ خیر شکنی، بت شکنی ہے جو بات پر مردے وہ سخاوت کا دھنی ہے
بودے کی کہاں آنکھ کہاں مرد کے تیور
مجھتے نہیں لاکھوں میں جواں مرد کے تیور

ہمراہ کوئی واں سے نہیں لاتا ہے رتبہ ۵۲ جو نام پہ مڑتا ہے وہی پاتا ہے رتبہ
سربج کے ذی قدر کو ہاتھ آتا ہے رتبہ ہٹتا ہے قدم بڑھ کے تو گھٹ جاتا ہے رتبہ
مرکز نہ ہونے قابلِ احسانت وہی ہے

جو کھنٹ میں سرسبز ہو ساونت وہی ہے
دریا کی طرف پیاس میں تکتے نہیں غازی ۵۳ گو شیر بھی چھٹے تو سرکتے نہیں غازی
تلواروں میں آنکھوں کو جھپکتے نہیں غازی بجلی بھی گرے گر تو جھپکتے نہیں غازی
آفت میں حواس اٹکے بجا ہوتے ہیں پیار و
جہازوں کے تیور ہی جدا ہوتے ہیں پیار و

تیروں کی مہم بلت میں سر کرتے ہیں صفدر ۵۴ آقا کے دل پاک میں گھر کرتے ہیں صفدر
تلواروں میں سینوں کو سپر کرتے ہیں صفدر عزت پہ بزرگوں کی نظر کرتے ہیں صفدر

دم ہونٹوں پہ آگے تو شجاعت نہیں جاتی

مرنے پہ بھی چہرہ کی بشارت نہیں جاتی

نانا نے تمھارے درخسیر کو جو توڑا ۵۵ مانند سپر ہاتھ سے اس در کو نہ چھوڑا

ہر وار میں بچتا تھا نہ اسوار نہ گھوڑا خالی ہوا جب قلعہ تو منہ جنگ سے موڑا

تھراتے کفار، تزلزل میں زمیں تھی

تھارے زور تو یہ اور غذا نان جو میں تھی

جب دست ید اللہ میں تیغ دوسر آئی ۵۶ بس قبضہ قدرت میں یکا یک ظفر آئی

چھپے یہ ادھر فوج پہ نصرت اُدھر آئی بعد آپ پھرے فتح کی پہلے خبر آئی

پڑھتے ہیں وہ کلمہ جو مسلمان ہوئے (دب) کے

اب تک تو سر اٹھتے نہیں، کفار عرب کے

خندق کی دغا، عمر و سیہ کار کی وہ دھوم ۵۷ تھراتا تھا تلوار سے جس کی عرب و روم

رد کر کے جو حربوں کو بڑھا خاصہ قیوم جھپٹا اسد آہو پہ یہ سب کو ہوا معلوم

اک ضرب میں نہ گمراہ نہ مغر تھا، نہ سر تھا

خندق کے اُدھر لاش، سر جس اُدھر تھا

جس وقت ظفر باب ہوئے حمید رکڑار ۵۸ ایک ہاتھ میں سر عمر کا، اور ایک میں تلوار

فرمایا نبی نے یہ، بے اعلان و بہ تکرار افضل ہے دو عالم کی عبادت کے یہ اک وار

سرفرح کا تھا پاؤں پہ خالق کے ولی کے

جبریل میں چومتے تھے ہاتھ علی کے

واری یوں ہی تم بھی ہرے کام آؤ تو جانوں ۵۹ آقا کی اطاعت کو بجا لاؤ تو جانوں

ان چھاتیوں پہ زخم سناں کھاؤ تو جانوں لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مر جاؤ تو جانوں

جزار ہو سب حال سے محرم ہیں تمھارے

مجھ کو بھی یہ اُدھر کا ہے کہ سن کم ہیں تمھارے

ماں مہدے گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا ۶۰ پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سرد ہوا پا کے نہ جانا صابر ہو تو رہو اردوں کو گرما کے نہ جانا
ایسے تو نہیں جو مجھے محبوب کرو گے
میں دودھ نہ بخشوں گی جو پیاسے نہ مرو گے

جس پانی کو ترے اسد اللہ کا پیارا ۶۱ کیوں جاؤ ادھر نہر پہ کیا کام تھا را
عسقل کے لیے کافی ودانی ہے، اشارا گر آب بقا ہو تو مناسب ہے کنار
وہ کام ہو جس کام میں کوثر پہ گذر ہو

دم بھر کے لیے کیوں عرق شرم میں تر ہو
بھائی کسی ہنگام میں بھائی کو نہ چھوڑے ۶۲ دونوں میں کوئی عقدہ کشائی کو نہ چھوڑے
جرات کو جلالت کو لڑائی کو نہ چھوڑے ہمت کو، مروت کو بھلائی کو نہ چھوڑے
جو امر کہ مشکل ہے، وہ دشوار نہ ہوگا

ایک دل ہوئے جب دو تو کوئی چار نہ ہوگا
ایک بھائی لڑے بڑے جو ہاتھ ایک کا تھک جائے ۶۳ بلوہ جو پھر اس پر ہو تو یہ بہر تھک جائے
ہاتھوں میں صفائی ہو کہ بسل بھی پھر تھک جائے گریص ہو تو پیا ہو پرا ہو تو سرک جائے
حملوں میں سب انداز ہوں خالق کے ولی کے
پہچان لیں وہ سب کہ نواسے ہیں علی کے

نیزوں کی طرف چھاتیاں تانے ہوئے جانا ۶۴ ہاں تیروں کی بارش میں، سپر سہ پہ نہ لانا
ہنس ہنس کے میں قربان گئی برجیاں کھانا لازم ہے وہ ہمت، کہ معترف ہو زمانا
اس جنگ کا چرچا، سحر و شام رہے گا

دنیا میں اگر تم نہ رہے، نام رہے گا
دونوں نے کہا، ہوگا یہی فضل خدا سے ۶۵ کیا بات ہے جیتے ہیں تو مرجاتی گے پیاسے
ہم اور نہیں کوئی، علی کے ہیں نواسے غافل نہ رہیں آپ، غلاموں کی دھاسے
کچھ ہم سے نہ تلوار سے نہ ڈھال سے ہوگا
جو ہوگا وہ سب آپ کے اقبال سے ہوگا

ارشاد نہ حضرت کا بجالاتیں تو مجرم ۶۶ بھولے سے بھی دریا کی طرف جائیں تو مجرم
بڑھ جائیں تو بے وقوف جو ہٹ جائیں تو مجرم بڑھ بڑھ کے نہ شمشیر و سناں کھائیں تو مجرم

مر جائیں گے، دنیا میں سدا کون چلتا ہے

دودھ آپ کا ہم دونوں نے پیا ہے

بھیتے ہیں تو بے صفت مشکئی ہم نہ رہیں گے ۶۷ مجبور ہیں سینوں میں اگر دم نہ رہیں گے
سر کاٹے گا، پاؤں جو محکم نہ رہیں گے لڑکے ہی جوانوں سے گمراہ نہ رہیں گے

جینا کسی صورت ہمیں مطلوب نہیں ہے

اب کیا کہیں خود اپنی ثنا خوب نہیں ہے

چھوٹے تو ہیں کیا منہ سے بڑی بات نکالیں ۶۸ ان سینوں پر رکھ لے کوئی سونیزوں کی سجائیں
سیدائیاں ایسی جنہیں آغوش میں پالیں تلواروں میں روکیں گے وہی سینہ پہ ڈھالیں

ہم جینے پر مرتے نہیں مرنے کو جتنے ہیں

سینے ہمیں کس واسطے خالق نے دیے ہیں

مختار ہیں یوں آپ سزا دیں کہ خدا ہوں ۶۹ ہوتے ہیں مکدر کہیں دل جن کے صفا ہوں
وہ نام پہ کیوں کر نہ مریں جو شرفا ہوں تب وقت ہے غصے کا جو وعدے نہ وفا ہوں

کیا زینت پھر ان کی جنہیں ماں باپ نہ بخشیں

تیور بھی جو میلے ہوں تو دودھ آپ نہ بخشیں

ایسے تو نہیں ہم جو شجاعت نہ دکھائیں ۷۰ سب نام کریں، اور ہمیں جرات نہ دکھائیں
نانا کی اگر شان و جلالت نہ دکھائیں مصحف کی قسم، آپ کو صورت نہ دکھائیں

خندق ہو تو لاشوں سے زین پاٹ کے مر جائیں

تیغیں نہ چلیں گر تو گلا کاٹ کے مر جائیں

جب کہہ چکے یہ جوش شجاعت میں وہ گلِ رُو ۷۱ آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخساروں پہ آنسو
لپٹا کے گلے، کہنے لگی زینتِ خوش نحو اللہ یہ غصہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو

لڑنا ہے تمہیں فوج سے مطلوب، لڑو گے

لور و نہ معلوم ہوا، خوب لڑو گے

مدتے میں ارادوں کے مرے شیر جوانو ۷۲ اے بے وطن، فاقہ کش و تشنہ دہانو
اب غیظ سے تھراؤ نہ کہنا مرا مانو ماں کہتے تھے پر اب مجھے تم خادمہ جاناو
یہ فصل لڑائی کی نہیں کھیل کے دن ہیں
میں اس لیے کہتی ہوں کہ چھوٹے ابھی سن ہیں

شیر اس کے ہوتے شیر ہے جو بنت اسد کا ۷۳ سر جس نے کیا معرکہ صفین و احد کا
دنیا میں بڑا نام ہے تم دونوں کے جد کا ماں مدتے گئی وقت ہے ماموں کی مدد کا
ایک ایک جری دشتِ ستم لاشوں سے بھر دے
اللہ تمہیں لشکرِ اعدا پہ ظفر دے

لو بخش دیا دودھ سدا و مرے پیارو ۷۴ اُلجے ہوئے گیسو تو سنوارو، مرے پیارو
میلی ہے یہ پوشاک اُتارو، مرے پیارو دولہا تو بنا لوں مرے پیارو، مرے پیارو
خوش ہوں گی میں تب گھوڑوں چیں آن چڑھو گے
شادی ہے بڑی آج کہ پروان چڑھو گے

فرما کے یہ لیں دونوں کے چہروں کی بھلائیں ۷۵ اور تھام کے بازو کو پڑھیں آپ دعائیں
فسر مایا کہ زحمت جنہیں ہونا ہو وہ آئیں لوبیہ سب آؤ تو، بچے مرے حبائیں
دن میں یہ برات اپنی دکھانے کو چلے ہیں
دونوں دلہنیں بیاہ کے لانے کو چلے ہیں

سب بیبیاں آئیں جو کلیجوں کو سنبھالے ۷۶ تسلیم کو جھک جھک گئے وہ نازوں کے پالے
جس وقت چلے نیچے سے وہ گیسوؤں والے در تک تھی ماں خاکِ عزا فرق پہ ڈالے
ڈیوڑھی سے جو دونوں دریکتا بکل آئے
نزدیک تھا یہ ماں کا کلیجہ بکل آئے

نیچے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلہر ۷۷ دیکھا کہ حسین ابن علی روتے ہیں در پر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کے وہ مفدر منہ کر کے مٹوئے چرخِ پکارے شر بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینب کی پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑوں پہ چڑھایا ۷۸ دونوں نے مشرف پایہ مسراج کا پایا
بجبل کا سب انداز سمندوں نے دکھایا دوڑے کہ دکھائی نہ دیا دھوپ میں سایا
ثابت نہ ہوا ایک پہ کیا ہو گئے دونوں

جنگل کو جو دیکھا ہوا ہو گئے دونوں
ایک ایک سے جاں دار گراں قدر سبک رو ۷۹ وہ جست وہ کاوئے وہ طرارے وہ دوا دو
کیلوں کی وہ تابش وہ ہر ایک نعل کا پرتو تاروں میں دکھاتے تھے چمک چار مہرتو
رک چاند تھا وہ جو ہم توسن کا نشان تھا
بالائے زمیں عالم بالا کا سماں تھا

شکلیں بھی پری جرات و سرعت کے علاوہ ۸۰ دو گام تھا جن کے لیے سو کوس کا دھاوا
قد ایک سے شکل ایک سی اور ایک سا کاوا یہ گشت میں بجلی وہ روارو میں چھلاوا
شوخی میں یہ آہو تھا اگر طیر تھا وہ بھی
یہ بادیا پیما تو فلک سے تھا وہ بھی

ہاں کبک تو یہ رنگ یہ انداز دکھائے ۸۱ قائل ہوں جو طائرس یہ پرواز دکھائے
حبائیں جو پری چال میں یہ ناز دکھائے آہو یہ طرارے یہ تگ و تاز دکھائے
ہوگا وہی لاریب تصور ہمیں جو ہے
دعویٰ ہے تو آئیں یہی میدان یہی گو ہے

تقم تقم کے بھی چلنے میں سب انداز ہوا کا ۸۲ لڑنے میں سماں برق کا اڑنے میں مہما کا
پائے انہیں مقدور یہ کب پیکٹ مہما کا نے وہم کا واں دخل نے فہم شعراء کا
یہ عجز ہے تعریف جو کرتا نہیں کوئی
باندھیں کئے مضمون مہمہر تا نہیں کوئی

یوں ذہن میں آتے ہی نکل جاتے ہیں سن سے ۸۳ جس طرح نسیم آ کے نکل جائے چمن سے
جرات میں فزوں شیر سے سرعت میں ہرن سے آگاہ ہیں وہ جرات و سرعت کے چلن سے
نعل ان کے سرو ہی سے چلے فوج ستم پر
پڑتے تھے قدم دونوں کے دلدل کے قدم پر

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو بہادر ۸۴ فوج ستم آراہوتی سب غرقِ تمسیر
اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر لڑکے ہیں یہ اللہ کے اقبال و شہور

کیا جانئے کیا نام ہیں ان کے آب و جد کے

تور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اس کے

پیشانیں خورشید جہاں تاب سے بہتر ۸۵ رخسارہ رنگیں گلِ شاداب سے بہتر
دانتوں کی صفائے گوہرِ نایاب سے بہتر چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر

ابرو نہیں پیشانی ذی قدر کے نیچے

ہیں دو مہر نو، بال سے اک بدر کے نیچے

جیراں ہیں عددِ حسن پہ اور دونوں کے سن پر ۸۶ ابرو وہ کمانیں ہیں کہ قزاق ہیں سب ان پر
آنکھیں وہ کہ پریوں کی نظر پڑتی ہے جن پر گیسو ہیں کہ سایہ کیلے رات نے دن پر

یہ گیسو و رخِ خوں میں بھرے رنج کی جا ہے

دو بدرِ شیں چار شمش و پنج کی جلی ہے

آنکھوں کی سیاہی پہ فدا نرگس شہلا ۸۷ یہ عینِ شجاعت ہے کہ ہے معرکہ پہلا
ہیں پنجتنی، دل کبھی ان کا نہیں دھلا بے تیغوں کے کیلے کوئی بچہ نہیں بھلا

تلوار چل پھر گئی چتونِ جدِ ہر آن کی

غصے میں سرو ہی سے سوا ہے، نظر ان کی

دلبر ہیں دلبروں کے تینوں کے حسین ہیں ۸۸ گویا یہ دہن، خاتمِ قدرت کے نگین ہیں
شیریں سخن اس طرح کے عالم میں نہیں ہیں یہ طرفہِ حلاوت ہے کہ باتیں نمکیں ہیں

چُلمے ہیں وہی صاف، وہی مشروط و جزا ہے

تفسیر میں سب مصحفِ ناطق کا مُرا ہے

شرمندہ ہے شمشاد بھی، قدِ معتدل ایسے ۸۹ رکھ دیتے ہیں سیون کو ستانوں پہ دل ایسے
مختوم ہیں خطِ خال کے نقطے سبیل ایسے دیکھے ہیں کسی چشم کی پستلی نے تل ایسے

سُطریں ہیں یہ سب گیسوؤں کے بال نہیں ہیں

مہر ہیں یہ خطِ حسن پہ ہیں، خال نہیں ہیں

دو چاند سے سینے کے وفا کا ہے گہرا ان میں ۹۰ عدل و کرم و صنعت و علم و ہنر ان میں
 شیروں کا ہے بیشک کہ دل ان میں مگر ان میں اسرارِ جنابِ اُمدی کے گہرا ان میں
 خود جن میں ہوں دریا یہ سفینے نہیں دیکھے
 اس طرح کے سینے تو کسی نے نہیں دیکھے

مضمون ہیں سرِ دست یہ ہاتھوں کی شناسا کے ۹۱ ناخن میں ہیں دونوں کے ہنرِ عقدہ کشا کے
 قبضے پہ اگر ہاتھ رکھیں غصے میں آ کے دم بھر میں ملا دیں طبقے ارض و سما کے
 ہے کون سا کرشمہ جو یہاں پست نہیں ہے
 ان سے کوئی دنیا میں زبردست نہیں ہے

بُت گہرے جن سب نے نکالے یہ وہی ہیں ۹۲ رکتے نہیں جن لوگوں کے بجائے یہ وہی ہیں
 ہے فتح و ظفر جن کے حوالے یہ وہی ہیں خیر کے ہیں جو توٹنے والے یہ وہی ہیں
 پروانے ہیں شمعِ حرمِ لم یزنی پر
 قبضہ انھیں لوگوں کا ہے شمشیرِ علیؑ پر

فوجیں نہیں ٹھہریں یہ جہاں ہم کے لڑے ہیں ۹۳ ہاتھ ان کے تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
 چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جڑا رہے ہیں دیکھو یہ کہ پھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں
 یہ پاؤں ہٹاتے نہیں ہیں جنگ پہ چڑھ کر
 سر رکھنے پہ بھی گرتے ہیں تو کمیت سے بڑھ کر

ناگاہ یہ بڑھ کر پسر سعد پکارا ۹۴ اے شیرِ دل، نام و نسب کیا ہے تمہارا
 تلواریں پکڑ کر یہ پکارے وہ دل آرا خالق نے ہمارے لیے دنیا کو سنوارا
 خورشیدِ زمیں، تاجِ سرِ عرشِ بریں ہیں
 پہلایا شرف ہے کہ غلامِ شہرِ دین ہیں

اسمِ بہترِ اعلیٰ ہے ابو طالب والا ۹۵ جس شیر نے احمد سے شہنشاہ کو پالا
 عزت میں فزوں سب سے شرافت میں دو بالا جس کا ہے علیؑ سا پسرِ اقدس و اعلا
 مہدر سے جو مشتق ہے تو اعلیٰ سے علیؑ ہے
 ایمان میں ان کے جسے شک ہو وہ شقی ہے

دادا ہے شہنشاہِ دوعالم کا مددگار ۹۶ سردارِ جہاں فخرِ عرب، جعفرِ طیار
وہ شقہ طرازِ علم احمدِ مختار اکودہ رہی خون میں جس شیر کی تلوار
ہاتھوں کے عوض حق سے سروسٹ لیے ہیں

اللہ نے پران کو زمرہ کے دیے ہیں
نانا اسد اللہ، مددگارِ دوعالم ۹۷ دین دار، نمودارِ جہاں دارِ دوعالم
سلطانِ قضا، منظم کارِ دوعالم سرتاجِ فلک، جیفہ دستارِ دوعالم
سب امراہم عقل کی میزاں میں تلے تھے
عقدے وہ ہوئے حل جو کسی سے نہ کھلے تھے

بازوئے نبی، دستِ خدا، نفسِ پیہر ۹۸ طیب وزکی، طاہر و پاکیزہ و اطہر
شکرِ شکن و بُت شکن و فاتحِ خیر سرتاجِ عجم، میرِ عرب، حیدرِ صفدر
اصنام سے کیا خانہ حق پاک کیا ہے
گہوارے میں اژدر کا دین چاک کیا ہے
وہ عیب کشیوں کو بھی عبرت ہوئی جس سے ۹۹ وہ حکم کہ خورشید کو رجعت ہوئی جس سے
وہ زور کہ ایمان کو قوت ہوئی جس سے وہ ضرب بنا کفر کی غارت ہوئی جس سے
دیکھے اسے آگاہ جو حیدر سے نہیں ہے
بہتر کوئی شاید درِ خیبر سے نہیں ہے

کانپا کیا روم و عرب اک تیغِ دوسرے ۱۰۰ گزری سرِ مرتجب سے تو غنتر کی کمر سے
دین داروں کو امن اس نے دیا فتنہ و شر سے ضرب اس کی نہ روکی گئی جبریل کے پر سے
کیا کیا نہ بدل جائے گا کیا کیا نہ جئے گا
پر حشر تک اس ضرب کا سبک نہ جئے گا

اللہ سے اوج و شرف و عزت و مقدار ۱۰۱ دشمن کو بھی تھا فضل میں جس کے نہیں انکار
خالق کا ولی، احمدِ مرسل کا مددگار خاک کف پا سِرْمہ چشم اولوالابصار
پاتے ہیں اشارے میں شفا کو رو کر اس سے
بنا ہے وہی جس کو ہے چشمِ نظر اس سے

ہم دونوں نواسے ہیں اسی فیض رساں کے ۱۰۲ فرزند ہیں ہمشیر شہ کون و مکاں کے
دکھلائیں گے جو ہر تمہیں تیغِ دوزباں کے بڑے مڑھ کے اُٹ دیں گے پرے فوج گراں کے
تم یہ نہ سمجھنا کہ ید اللہ نہیں ہیں

ہم شیر تو ہیں، مگر اسد اللہ نہیں ہیں
سن کر یہ رجز فوج کے سردار پکارے ۱۰۳ اے قوم یہ شہتیر کے میں بھانجے پیارے
تابندہ ہیں، افلاک شرافت کے، ستارے ہاں بھرے طلا سے وہ سپر جو انھیں مارے

حیدر کی طرح صاحبِ شمشیر ہیں دونوں
رد کا انھیں سمجھ نہ کوئی مشیر ہیں دونوں
یہ سن کے کیا سب نے لڑائی کا سراغ بام ۱۰۴ کھلنے لگے ہر صف میں علم ہانے سیہ فام
برجھی کہیں چمکی، کہیں جھنڈھر، کہیں مہممام بدلی کی طرح مجھوم کے آتی سپر شام
یوں آتے تھے سب لوٹ کو فوج آتی ہے جیسے

بچوں پر صفیں آتی تھیں، موج آتی ہے جیسے
اس شور میں، برتاش کھڑے تھے وہ دلاور ۱۰۵ پروا تھی نہ مطلق کہ یہ فوج آتی ہے کس پر
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا، کہ برادر دیکھیں تو ذرا آپ، قریب آگیا شکر
وہ کہتا تھا تکیہ ہے عنایاتِ اُحد پر
آنے دو اجل ان کو لیے آتی ہے، زرد پر

آتا ہے شکار آپ سے، جس دم طرفِ شیر ۱۰۶ دانستہ وہ کرتا ہے جھپٹے ہیں ذرا دیر
جاتے ہیں کہیں اب تو یہ آئے تہ شمشیر جس جاہیں صفیں لاشوں کے ہوتے ہیں وہاں ڈھیر
کھل جانے گا، جب نیچے کھینچیں گے، کمرے
عرصہ فقط اتنا ہے کہ، سبقت ہو اُدھر سے

تھوڑے میں اُبل پڑتے ہیں وہ جو ہیں تنگ ظرف ۱۰۷ جب گرم ہوا مہر درخشاں تو کہیں برف
سر جاتے، پہ آتے نہ شجاعت پہ کوئی حرف اس نحو سے، عمر اپنی بزرگوں کی ہوئی صرف
ہاتھ اپنا چلے گا، تو مہنگے پا کے چلے گا
ٹھوکر وہی کھائے گا جو گھبرا کے چلے گا

تقریر ادھر یہ تھی کہ تیسرا آئے ادھر سے ۱۰۸ پیغامِ دغاے کے سفیر آئے ادھر سے
سب موت کے حلقے میں امیر آئے، ادھر سے دو بچوں پر، دو لاکھ شریر آئے ادھر سے
اس بھیڑ پہ بھی بند تھے دہشت سے دم ان کے

بڑھ بڑھ کے ہٹے جلتے تھے پیچھے قدم ان کے

برجی لیے انبوہ سواروں کا جب آیا ۱۰۹ شہزادوں نے رانوں میں سمندوں کو دبایا
اک شور ہوا غیظِ جمیوں کو اب آیا دو نیچے بجلی سے جو چمکے، غضب آیا
آخروہ جری لختِ دلِ ضیفم دیں تھے
سرتے صفتِ اول کے کہیں، جسم کہیں تھے

بس پھر تو دھنسے فوج میں وہ شیرِ درندہ ۱۱۰ تلواروں سے ڈر ڈر کے ٹپچے مُردوں میں زندہ
اُٹھو سے بھی چالاک تھے اسپانِ دوندہ مڑنے میں جو بجلی تھے تو اُٹھنے میں پرندہ
مانندِ براقِ نبوی، عرضِ سمانے
گھوڑے نہ کہو، آوجِ سعادت کے جٹا تھے

مارا انھیں چُن چُن کے، جو تھے فوج میں چیدہ ۱۱۱ رہواروں سے پامال تھے سر ہائے بریدہ
باہم تھے کہاں داروں سے، دونوں وہ کشیدہ بدکیش و خطا کار تھے، سب زخمِ رسیدہ
سہمے ہوئے تھے تیز کہ آفت تھی جہاں پر
پیکان نہ سری پر تھا، نہ چلے تھا کساں پر

غالی تھی جو یہ صفتِ تو پریشاں وہ پراستا ۱۱۲ جنگلِ بستمِ ایجادوں کی لاشوں سے بھرا تھا
رنگ اُڑ گئے تھے چہروں سے، لشکرِ ذرا تھا تھرا تا تھا، سادہ ہاتھ، جو قبضہ پہ دھرا تھا
ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
تینیں بھی نیا سوں میں چلے تھیں دم اپنے

وہ مر گیا تلوار اُٹھا کر جسے ڈانٹا ۱۱۳ اس نخل کو تلوار سے کاٹا اسے چھانٹا
گلبائے حیرت کو عجب محسن سے بانٹا نکل نہ کوئی شاخ، نہ اُلجھا کوئی کانٹا
اب تک یہ ہوا، باغِ جہاں میں نہیں دیکھی
غل تھا کہ بہار اسی خزاں میں نہیں دیکھی

تلوار نے چھوٹنے کی نیسارنگ دکھایا ۱۱۳ ضرب اسد اللہ کا سب ڈھنگ دکھایا
حسرت ہوئی وہ زور دم جنگ دکھایا راکب کو بھی مرکب کو بھی چورنگ دکھایا
ایسا کوئی طفل میں نمودار نہ ہوگا
ہاتھ ایسا توجعفر کا بھی تیار نہ ہوگا

وہ نیمچہ اور پھول سی وہ نرم کلائی ۱۱۵ سب جس سے ہویدا ید بیتنا کی صفائی
وہ انگلیاں جن میں ہنسر عقدہ کشائی ضیغم کے بھی پنجنے یہ قوت نہیں پائی
زور ایسا جہاں کوہ ٹنگ ہاتھ کے تل سے
ضرب ایسی کہ پوچھے کوئی جبریل کے دل سے

دوشیوں سے بچ کرستم ایجاد کدھر جائے ۱۱۶ مگر منہ پر چڑھے یہ تو سرخس اتر جائے
خالی بھی جو دے وار تو پھر خون میں بھر جائے بس زینت ہی میں ہے کہ تلوار سے مرجائے
بدل جو پئے کیوں کر وہ دلیروں سے بچے گا
بھاگے گا تو کیا عید یہ مشیروں سے بچے گا

کس میں تھی ضیا نیچوں کی ضو کے برابر ۱۱۷ گویا کہ مسر نو تھا مسر نو کے برابر
بمبلی نہ چمک سکتی تھی پر تو کے برابر سر خاک پر گر پڑتے تھے موسو کے برابر
بچتا تھا نہ وہ نوک بھی جا لگتی تھی جس کو
رہ جاتا تھا وہ جل کے ہوا لگتی تھی جس کو

کاٹی جو سپہ فرق جفا جو پئے نہ ٹھہری ۱۱۸ منہ پر نہ مکی ساحر و بازو پئے نہ ٹھہری
چٹا آئینہ ظالم بد خو پئے نہ ٹھہری دشمن کی زرہ کاٹ کے پہلو پئے نہ ٹھہری
کیا زور تھا کیا ضربت شمشیر نکو تھی
گھوڑے کی بھی گردن اسی اک ولہ میں دو تھی

بجائوں میں جو تیغوں کو سنبھالے نظر آئے ۱۱۹ افسر نظر آئے نہ رسالے نظر آئے
ریختہ پہ طپکن برہمیوں والے نظر آئے ہر صحت کی جگہ خون کے تھالے نظر آئے
غل تھا کہ رن ایسا کبھی پڑتے ہیں دیکھتا
پتلیں کو اس حلقے سے لڑتے نہیں دیکھتا

چار آئے جو لڑنے کو تو ایک دل ہوئے دونوں ۱۲۰ ٹھہرے نہ بٹے، نہ متامل ہوئے دونوں
گرمائے فرس جنگ پر مائل ہوئے دونوں چاروں سے یہ فرما کے مقابل ہوئے دونوں

ششدر نہیں ہوئے، جو شجاعت کے دھنی ہیں

تم چار ہو ہم دو ہیں مگر، پنجتنی ہیں

یہ مٹنے ہی بچوں پہ جھپٹ کر وہ مل آئے ۱۲۱ فٹے سے دلیروں کے بھی ابو پہ بل آئے
لشکر نے یہ حبا کر وہ بچ کر نکل آئے آنا تھا کہ چاروں نہ تیغ اجل آئے

احسن کا برپا ہوا نفل چرخ بریں پر

دھوکے جو گئے چار کے تھے آٹھ زمین پر

کیا ذکر محبلا آٹھ کا، یا چار سسروں کا ۱۲۲ کشتوں کے جو پٹتے تھے تو انبار سسروں کا
گننا ہوا اب تو ہمیں دشوار سسروں کا ایک سینہ سا برس جاتا تھا ہر بار سسروں کا

تم سکتے نہ تھے پاؤں کسی عربہ مجھ کے

کشتی تھی زمین رن کی ڈیڑوں سے ہو کے

اعدائے دم جانزہ، ہر بار ندارد ۱۲۳ منشی کے قلم ہاتھ، علمسدار ندارد

پیدل نظری، فوج کے اسوار ندارد دو آئے تو دو چار تھے پھر چار ندارد

یوں فوج کے دفتر کو آلتے نہیں دیکھا

یوں چہرے پہ چہرہ کبھی کتنے نہیں دیکھا

یہ تنگ کے جو ٹھہرا تو وہ لشکر میں در آیا ۱۲۴ رستے کو، تپتے ہوئے لاشوں سے بھر آیا

یہ ڈوب گیا جب وہ اُدھر سے، اُدھر آیا ایک چاند نہ خاک چھپا، ایک نظر آیا

ہٹ جانے کا لشکر تو یہ خود چڑھ کے لڑیں گے

چھوٹے ہیں مگر بھائی سے کچھ بڑے کے لڑیں گے

جاننازیاں دکھلاتے تھے میدان میں وہ جانناز ۱۲۵ دل تھا سے ہوئے دیکھتے تھے مشا و سرافراز

قاسم کا سخن تھا اگر حال کا ہے سب انداز فرماتے تھے اکسیر یہ لڑائی ہے کہ اعباز

بڑھتے تھے، کبھی گاہ سرک جاتے تھے عباس

جب داروہ کرتے تھے پھرک جاتے تھے عباس

ہر بار مسدا دیتے تھے لے گیسوؤں والو ۱۳۶ کیا کہنا ہے، پھر بڑھ کے یہی ہاتھ بچھاو
رہو بار بڑھے جباتے ہیں، باگوں کو سنبھالو حلقہ ہے کڑی آنکھ زرد پوشوں پہ ڈالو

اب ہٹنے کی مہلت دہری جاں ان کو نہ دینا

ہرنت بھی کریں گرتو اماں ان کو نہ دینا

ہاں شیروں کے شیروں کا، یہی کام ہے شیرو ۱۲۷ بس آج لڑائی میں بڑا نام ہے شیرو
پنہ میں تمہارے سپہ شام ہے شیرو تم دونوں کا جد صاحبِ مصہام ہے شیرو

اک ٹمس تو اک برج شرافت کا قمر ہے

ماں کس کی ہے بیٹی، تو پدر کس کا پسر ہے

شہ کہتے تھے، بچے ہیں لڑیں ہائے کہاں تک ۱۲۸ لاکھوں سے لڑے دونوں میں طاقت تھی جہان تک
دوروز سے پانی نہیں پہنچا ہے، دکھاں تک اب پھیر کے کوئی انھیں لے آئے یہاں تک

سیر اب بھی یہ تشنہ وہاں ہونے نہ پائے

ہے ہے، مرے گھر میں یہ جواں ہونے نہ پائے

سیدانیاں دروازوں پہ تھیں کھولے ہوئے سر ۱۲۹ ہنسر کو لے کاہنی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشاں کیے مو، خیمے کے باہر پر دے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا مجھ بچے مرے کیا کہتے ہیں، دونوں

وہ کہتی تھی، لاکھوں سے دغا کرتے ہیں دونوں

وہ رُخ پہ نظر آتے ہی، آؤتے ہوئے گیسو ۱۳۰ وہ نیچے بجبل کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لیے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جھاڑو وہ ابر میں پھپھ چپ کے، بکل آتے ہیں مہر و

بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں

کس طرح پکاروں کہ بہت دُور ہیں دونوں

زینب نے کہا دونوں ہیں یک جا کہ جبار ہیں ۱۳۱ کی عرض یہ رو کر کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
لاکھوں ہیں مرد و اور وہ دو ماہ لقا ہیں منہ نہر سے پھیرے ہوئے سر گرم دغا ہیں

دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں، اب تو

ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

یہ مُسنے ہی ڈیوڑھی سے نہیں، حضرت زینبؓ ۱۳۲ فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
اب کچھ نہیں دوسواں بر آیا مرا مطلب تو بیویوں کو معصوم ماتم پر چلو اب
بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں

سجدہ تو کروں مُشکر کا درگاہِ خدا میں
یہ ذکر تھا جو طبلِ بجا فتح کا ناگاہ ۱۳۳ چلائے حرمِ لٹ گئی ہنتِ اسد اللہ
سجدہ کو مٹوئے قبلہ جھکیں زینبؓ ذی جاہ دوڑے طرفِ دشتِ وفاروتے ہوئے شاہ

تلواریں علمِ قاسم و عباس لیے تھے
ہم شکلِ نبی چاکِ گریبان کیے تھے
عباس نے غصے میں لعینوں کو ہٹایا ۱۳۴ بجلی سے بھی کچھ بڑھ کے گرا، تیغ کا سایا
پسپا ہوئے کفار کوئی تاب نہ لایا شبیر نے لاشوں کو تڑپتا ہوا پایا
آلودہ خوں دو مہِ کامل نظر آتے

گودی کے پلے خاک پر بسمل نظر آئے
سرتابہ قدم چور تھے زخموں سے، تنِ زار ۱۳۵ انگڑائیاں لینے سے رگیں کھینچتی تھیں ہر بار
پیکانِ سہ پہلو تھے کئی چھاتیوں کے پار تلواریں تھیں قبضوں میں مگر ہاتھ تھے بیکار
لب پہ یہ سخنِ محاشر والا نہیں آئے
دم ہونٹوں پہ آئے مگر آقا نہیں آئے

لاشوں کے قریب آکے پکارے شہرِ صفدر ۱۳۶ اے بھانجی، موجود ہے یہ بے کس دہے پر
یہ گرم زمیں، اور یہ گل سے تنِ انور رہتی سے اٹھا کر مرے زانو پہ رکھو سر
ماموں سے عجب وقت میں مُنہ موڑ رہے ہو

کرن آنکھوں سے دیکھوں میں کہ دم توڑ رہے ہو
اے عون و محمد یہ جفا تم نے اُٹھائی ۱۳۷ ایذا سے عطشِ سب سے سوا، تم نے اُٹھائی
راحت مرے گھر میں نہ دراتم نے اُٹھائی کیا کیا نہ معصوبت بہ خدا، تم نے اُٹھائی

مانع جو ہوئی ماں، سوئے تم پھر نہیں دیکھا
اس عمر میں تم سا کوئی حابر نہیں دیکھا

اے شیرِ جوانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے ۱۳۸ اے تیز زبانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے
اے مرتبہ دانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے اے تشنہ دہانو! مجھے طاقت تھی تمہیں سے

ساتھ اپنے جہاں سے مجھے لیتے نہ گئے تم

کاندھارے تاؤت کو دیتے نہ گئے تم

اکبر نے کہا عون کے بازو کو ہلا کر ۱۳۹ بھیتا تمہیں چلاتے ہیں شہِ اشک بہا کر
ماموں کو بچا کر بھی نہ تم برحمیاں کھا کر باتیں شہِ والا سے کرو ہوش میں آکر

لو گھر میں چلو بیبیاں سب غش میں پڑی ہیں

سرنگے پھوپھی خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑی ہیں

غم ہو کے یہ چھوٹے کو علمدار مچا کر ۱۴۰ اے تشنہ دہن! لے مرے جانی مرے پیارے
کیا تمہیں میں زباں ایٹھ گئی پیاس کے مارے چونکو کو عجب حال ہے ماموں کا تمہارے

ہاتھوں کو ذرا جوڑ کے کچھ بات تو کر لو

بیٹا شہِ والا سے ملاقات تو کر لو

من کر رہا ہوش میں آئے وہ دلاور ۱۴۱ سر رکھ دیے گھبرا کے شہِ دیں کے قدم پر
اٹکے تھے جو اکھڑے ہوئے دم سینو کے اندر دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر

فردوسِ معلّے کے مسافر ہوئے دونوں

کروٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

گودی میں موئے وہ جنہیں آغوش میں پالا ۱۴۲ آنکھیں تمہیں لہو اور جگر تھا تہہ و بالا
بہمن کی طرح گر کے جو تڑپے شہِ والا عباس نے تھا ما علی اکبر نے سنبھالا

رقّت کا تھا یہ جوش کہ تھرتے تھے شبیر

ہر مرتبہ لاشوں سے لپٹ جاتے تھے شبیر

عباس نے کی عمر میں یہ بادیدہ خوں بار ۱۴۳ خیمے سے نکل آئیں نہ سیدانیاں یک بار
لے چلے انہیں خیمے میں اب یا شہِ ابرار بہتر ہے کہ ماں دیکھ لے فرزندوں کا دیدار

لاٹے جو نہ جاتیں گے تو غم کھائیں گی زینبؓ

یہ قبر میں سوئے تو کہاں پائیں گی زینبؓ

یہ مٹتے ہی لاشے شہر والا نے اٹھائے ۱۴۳۱ عیسے کے قریب دونوں کو روٹے ہوئے لائے
 گل تھا کوئی جلدی صحت ماتم کو بچھائے لو آئے مشہد شاہ کی ہمشیر کے جہائے
 چھوٹے کو علی اکبر دل گیر لیے ہیں
 اک لاش کو خود گود میں شہر لیے ہیں
 زینب نے کہا کیوں مجھے دوسواں دکائے ۱۴۳۵ عیسے کو علی اکبر کے کیوں گود میں لائے
 لوگوں پر پیارے نے بڑے رنج اٹھائے صدتے یہ پھر بھی لاش کے لے آنے کے، جائے
 دو روز سے وہ سروروں تشنہ دہاں ہے
 اس بوجھ کی طاقت مرے بچے میں کہاں ہے
 ان دونوں نے گرجاں گنوائی تو گنوائی ۱۴۳۶ عیسے میں بیاہے مرے لال نے کیوں لاش اٹھائی
 میں ماں ہوں نہ صاحب مجھے یہ بات نہ بھائی اکبر مری اٹھارہ برس کی ہے کھائی
 دل سے نہ یہ داغ الم و یاس مٹے گا
 صدقہ اب آثاروں کی تو دوسواں مٹے گا
 بانو نے کہا کون سے دوسواں کی ہے جا ۱۴۳۷ عیسے ہم شکل نبی لاشوں کو لائے تو ہوا کیا
 شوق ہوتا ہے مظلوموں کی غربت پہ کلیجا ہے ہے وہ کوئی غیر تھے اے دختر زہرا
 گھر تک کوئی واماندوں کو پہنچا نہیں دیتا
 بھائی کوئی کیا بھائی کو، کاندھا نہیں دیتا
 ان دونوں کے عاشق تھے علی اکبر علی رؤ ۱۴۳۸ عیسے چھوڑا انھوں نے بھی، کبھی بھائی کا پہلو
 ایسا یہ نہیں غم کہ تمہیں آگہ سے آنسو بس تلخ ہوئی زندگی اکبر خوش خوش ٹھو
 کل تک تھے ہم آج کیلے ہوئے دونوں
 بھائی بھی وہ جو ساتھ کے کیلے ہوئے دونوں
 دونوں تھے اسی بھائی کے کرام کے طالب ۱۴۳۹ عیسے جانے وہی جس شخص پر گذریں یہ مصائب
 دوسواں کا یہ کون سا ہنگام ہے صاحب ہے ہاں ہوتے ہے علی اکبر کے صاحب
 ساتھ اب نہ کوئی جھڑے ہوئے ہاتھ ہے گا
 مشہد زادہ کو نہیں اُسے کون کہے گا

ناگاہ، شبِ مرش نشیں لاشوں کو لائے ۱۵۰ گل چڑ گیا، لوسرور دیں لاشوں کو لائے
 تم کو معصومانہم کے قریں لاشوں کو لائے ہمیشہ تھی جس معن میں وہیں لاشوں کو لائے
 دونوں کا ایشا تھا کہ فحش کر گئی زینب

ہر بی بی پر ثابت یہ ہوا مر گئی زینب
 ہوش آیا تو اکبر سے کہا، رانڈوں کو سمجھاؤ ۱۵۱ ہے نہ کرو صاحب، ایک لحظہ ٹھہر جاؤ
 عباس کی زوجہ سے یہ بولیں کہ ادھر آؤ کیا روتی ہو کپڑے علی اکبر کے بدلواؤ
 بانو ہیں کدھر آہ یہ کیا بے خبری ہے
 سب خوں سے مرے لال کی پوشاک بھری ہے

حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ ۱۵۲ کس طرح لڑے دونوں غلامانِ ہوا خواہ
 حضرت نے کہا، مدح میں قاصر ہے زباں آہ زینب مجھے یاد آگئی جنگِ اسد اللہ
 نانا کی طرح دونوں نواسوں نے و خاک
 بچوں کی نہ تھی جنگ، یہ قدرت تھی خدا کی

تینوں میں یہ تیزی، یہ صفائی نہیں دیکھی ۱۵۳ یہ ضرب، یہ پھرتی، یہ لڑائی نہیں دیکھی
 شیروں کی یہ پُر زور کلائی نہیں دیکھی اسد میں یہ ہلپل، یہ دُہائی نہیں دیکھی
 صقین و جمل میں بھی دن ایسے نہ پڑے تھے
 تم کوچ لو عباس تو نزدیک کمرے تھے

عباس نے کی عرض زباں لاؤں کہاں سے ۱۵۴ جو کر گئے یہ لال، وہ باہر ہے بیاں سے
 لڑتے تھے اسی طرح علی فوج گراں سے افسوس کہ یوں اُٹھ گئے یہ شیر جہاں سے
 تلواریں جب ان کی مجھے یاد آتی ہیں بھینا
 دو بجلیاں آنکھوں میں چمک جاتی ہیں بھینا

کیا عرض کروں ہائے محمد کی، لڑائی ۱۵۵ گویا کہ یہ دیکھے ہوئے تھا، تھک کی لڑائی
 بس مات تھی صقین کی سرحد کی لڑائی گل تھا کہ یہ ہے بازوئے احمد کی لڑائی
 دن پر جو چڑھا ہو، وہی جانے کہ یہ کیا تھا
 دُنیا میں علی آج جو ہوئے تو مرا تھا

یہ مُسنے ہی سُرخی سی، رُخِ زرد پہ آئی ۱۵۶ حضرت سے کہا آپ کا مدقہ ہے یہ بھائی
کونین میں عزت مرے دلبندوں نے پائی اب شاہد ہوئی ان سے ید اللہ کی جاتی
آقا مجھے پیارا آتا ہے اقبال پر ان کے

بیکس ہیں خدارحم کرے حال پر ان کے
فرما کے یہ ہیں ان کی بَلائیں کتنی باری ۱۵۷ شانوں کو ہلا کر کے یہ آہستہ پُکاری
مُرتے ہیں، امام دو جہاں، مدح تمھاری یہ کیا ہے، جو تسلیم کو اُٹھتے نہیں واری
صدے گئی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ ماٹھ تو کھڑے ہو

کچھ کج ہے غفلتِ عجب اے نیند کے ماتو ۱۵۸ باعث ہے یہ بچپن کا سب اے نیند کے ماتو
جو نگو مری خاطر سے اب اے نیند کے ماتو پھر سو تو آتی ہے شب اے نیند کے ماتو
پھر کیا ہے، جو بچپن کے یہ انداز نہیں ہیں
گردن ہے کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں ہیں

اب ضبط کی طاقت نہیں اُتان کو سنبھالو ۱۵۹ انگڑائیاں لو، بات کرو، نیند کو مٹالو
بیٹے میں اُلجھتا ہے دم اے گیسوؤں والو واری مجھے خدمت کے لیے پاس بٹالو
میں ہوں گی تو راحت سے تمھیں یاس نہ ہوگی
کیا گذرے گی منزل یہ جو ماں پاس نہ ہوگی

پہلا تو سفر اور نئے لوگ نئی راہ ۱۶۰ کس طور سے گذریں گی یہ تاریک شبیں، آہ
صدے گئی رستے سے بھی تم تو نہیں آگاہ پہونچائے تمھیں خیر سے فردوس میں اللہ
پُر ہول ہے رستہ، مجھے تشویش بڑی ہے
قربان ہو ماں، قبر کی منزل بھی کڑی ہے

لو کے کوئی رستے میں تو ڈریو نہ مری جہان ۱۶۱ ہاں کلمہ توحید پڑھے جہاں ہر آن
اقرارِ نجات میں نصاحت کا رہے دھیان دلبند ہو تم تین اماموں کے میں قسریان
کہنا کہ ملازم ہیں ولی ابنِ ہولی کے
ہم آتے ہیں اشکرے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

اے عون خیر دلازمے چھوٹے پسرے ۱۶۲ شب کو یہ اکیلا کبھی نکلا نہیں گھر سے
رستے سے نہ واقع ہے نہ غربت کے سفر سے محروم رہوں گی میں سدا خیر و خیر سے

وامندوں پہ ظاہر ہو یہ وہ بھید نہیں ہے

اے داتے خط آنے کی بھی اُمید نہیں ہے

بچوں کے یہ سن ہائے غضب، اور سفر ایسا ۱۶۳ لائے گا خیر کون کہتاں نامہ بر ایسا
بر باد نہ ہو یوں کوئی آباد گھر ایسا نظروں سے نہ پوشیدہ ہو، شمس و قمر ایسا
کس ناز و نعم سے یہ خوش اقبال پلے تھے
قبروں کے لیے ہائے مرے لال پلے تھے

اب کون مرے پہلوؤں میں سوتے گا بچو ۱۶۴ ترپے گا کلیمہ مرا دل روتے گا بچو
یہ داغ تو دنیا سے مجھے کھوٹے گا بچو دن جا کے شب آئے گی تو کیا ہوئے گا بچو

راحت کسی کروٹ کسی پہلو نہ ملے گی

مجاؤں گی، زلفوں کی جو خوشبو نہ ملے گی

دُنیا کو نہ دیکھا تھا کہ موت آگئی تم کو ۱۶۵ خیر سے نکلتے ہو، اجل پاگئی تم کو
ماں مددے ہو، جنگل کی ہوا بھاگئی تم کو اے گلاب، کس کی نظر کھا گئی، تم کو
ہے مجھے پوشاک شہانی نہ دکھاؤ
صدتے گئی اماں کو جوانی نہ دکھائی

مرتے ہوئے پانی بھی نہ مانگا مرے دُور سے ۱۶۶ پیاسے ٹوٹے فردوس بدھائے مرے گھر سے
بے آب تھے، اس عمر میں چوبیس پہرے سے دیکھا بھی نہ دریا کو توحبہ کی نظر سے

سہوا چوڑی آنکھ تو مُنہ موڑ لیا ہے

دُرتے تھے کہ اماں نے ہمیں منع کیا ہے

غصے ہوئی تھی تم پر میں واری مجھے بخشو ۱۶۷ ماں اب نہیں لوٹدی ہوں تمہاری مجھے بخشو
لب پر سخنِ عذر ہیں جباری مجھے بخشو صدے سے غشی ہوتی ہے طاری، مجھے بخشو

میں بھی تو یہ جانوں کہ دل افسردہ نہیں ہیں

لو کہہ دو بس اتنا کہ ہم آزرہ نہیں ہیں

یہ کہہ کے جو چھاتی پہ دو ہستہ رکھی مارے ۱۶۸ سینہ ہوا شق ہاتھ بھی نیلے ہوئے سارے
ہم کل نہی پاؤں پہ گر کر یہ پکارے بس والدہ اب روئیو لاشے پہ ہمارے

اب پیاس میں کب دم شمشیر پئیں گے
بھائی نہ رہے غلق میں ہم بھی نہ جیتیں گے

گھبرا کے وہ مخدومہ عالم یہ پکاری ۱۶۹ مرحباتے یہ ناشاد بھلا کے کے تمھاری
میں بیلے ہو تم لاشوں کے پاس آؤ نہ واری تم روو گے اس ڈر سے میں کرتی نہیں زاری
باتوں میں بھی کچھ بن کے پہلو نہیں بٹکے
آنکھوں سے دری دیکھ لو آنسو نہیں بٹکے

فرما کے یہ فحش ہو گئیں اور پھر ہوتیں ہشیار ۱۷۰ پوچھا کہ مر ہے علی اکبر مرا دلدار
بانو نے کہا شاہ سے بادیدہ خونبار اب فرق بصارت میں بھی ہے یا شہر ابرار
اب کی جو فحش آیا تو گزر جائیں گی زینب
لے جاتے لاشے نہیں مرجائیں گی زینب

یہ ماتم اولاد ہے کیوں کر اسے ٹالیں ۱۷۱ مرجائیں جنھیں دل کی طرح گود میں پالیں
اکبر کی سنیں یا جگر و دل کو سنبھالیں در آئی میں اک قلب میں دو تیروں کی پھالیں
بالائے جگر غم بیداد پھرے ہیں
دو غم کے پہاڑ ایک ضعیف پہ گڑے ہیں

یہ سنتے ہی لاشوں کو اٹھانے لگے سرور ۱۷۲ رائیں معن ماتم سے اٹھیں کھولے ہوئے سر
بانو نے کھڑے ہو کے اُدھر روک لی چادر چلائی سمجھ کر شہر مظلوم کی خواہر
شہر و ابھی کیوں داغ دیے جاتے ہو لوگو
ہے ہے مرے بچوں کو لیے جاتے ہو لوگو

دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی بیٹوں کا دیدار ۱۷۳ دونوں کی بھلائی مجھے لے لینے دو اک بار
چھوٹے کو بھی چھاتی سے لگائے یہ دل انگار مادر سے مکدر نہ ہوں یہ آئینہ زخار
گھر میں مرے کا ہے کو یہ پھر آئیں گے جنا کے
دینے دو کفن دونوں کو زہرا کی ردا کے

در تک گئیں لاشوں سے لپٹنے کو تلخے سر ۱۷۴ پر رائیوں نے جہانے نہ دیا نیچے کے باہر
 چلتائیں درخیمہ کے پردے کو اٹھا کر گاڑوئے کہاں بھائیوں کو اسے علی اکبر
 ڈر ہے کہ خضاب سے برے لال نہ ہو جائیں
 صدفے گئی لاشے کہیں پامال نہ ہو جائیں
 یہ وقت نہیں طول کا خاموش انتیں اب ۱۷۵ جتنے ہیں سخن فہم وہ عاشق ہیں ترے سب
 ہر دم ہے منایات محمد، کرم رب اب جلد وہ حاصل ہو، جو کچھ ہے ترا مطلب
 یہ حسن فصاحت ہے یہ شیریں سخن ہے
 پیری میں جواں ہے تو، فقیری میں غنی ہے

مرثیہ (۱۰)

جب رات کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی ۱ پرویس میں سادات پر آفت عجب آئی
فسریاد کنان رُوح امیر عرب آئی غل تھا کہ شبِ قتل شہ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غم جانکاہ دکھائے

رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

کافذ پہ لکھے کیا قلم اس شب کی سیاہی ۲ ہے چار طعن جس کی سیاہی سے تباہی
مرفعان ہوا بریں پلپاں بجز میں ماہی تربت سے نکل آئے تھے محبوب الہی
فسریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں

یشرب میں تزلزل تھا اواسی تھی نعت میں

مسدے سے ہوا رنگِ مرغِ ماہ کا کافور ۳ اختہ بھی بنے مرومک دیدہ بے نور
غم چھا گیا راحتِ دل عالم سے ہوئی دور تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اک محور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی

تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

شمعِ طرب محفلِ عالم تھی جو خاموش ۴ تھی رات بھی شیش کے ماتم میں سیہ پوش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے ملے اشکوں سے منہ دھوئی تھی زہرا

مقل تھا جہاں شاہ کا واں روتی تھی زہرا

تھا غارِ غم خیمہ شاہنشاہ والا ۵ آمدھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھکا نہ وبالا
مشمول نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا

خاک اُڑتی تھی منہ پر حرمِ شیرِ خدا کے

تھا چین بچیں فرش بھی جموں کوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا، اور درندوں کی صدائیں ۶ تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانے کہیں جائیں روتی تھی کوئی، اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے

جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے
بچوں کے پلکنے پر جسم کرتے تھے زاری ۷ غش ہو گئی تھی بالی سکینہ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیر کی پیاری یا حضرت عباس چلی حبان ہماری
افسوس کہ پانی تو قطرہ نہیں گھڑیں
اور آگ لگی ہے برے نئے سے جگر میں

تھی سب سے سوا، بنت علی، مضطر ویتاب ۸ فق ہو گیا تھا شام سے منہ، صورت مہتاب
برنگاں سے رنج پاک پہ تھی، بارشِ خوں ناب تلوار کلیجے پہ چلے جب، تو کہناں تاب
اک کرب تھا، سمل کی طرح جانِ حزیں پر
امٹتی تھی کبھی اور کبھی گر تھی زمیں پر

کہتی تھی کبھی، آج پیسہ نہیں ہے ہے ۹ حال اپنا دکھاؤں کے، حیدر نہیں ہے ہے
بیٹی پہ فلک ٹوٹا ہے، مادر نہیں ہے ہے شبیر مصیبت میں ہے، شبیر نہیں ہے ہے
دیکھا نہ سنایا جو ستم آج ہے لوگو
نازوں کا پلا پانی کو محتاج ہے لوگو

درپیش ہے کل فوجِ ستلگر سے لڑائی ۱۰ یاں تھوڑے سے پیائے ہیں، ادھر ساری خدائی
بے سر دیے رن سے نہ پھرے گا مرا بھائی ہو جائے گی حیدر کے بھرے گھر کی صفائی
اس غم سے سدا اشکوں سے منہ دھوتی تھیں اماں
کل دن وہ ہے جس دن کے لیے روتی تھیں اماں

تھے دوسرے خیمہ میں ادھر سبطِ پیغمبر ۱۱ دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قائم تھے، اور اک پہلو میں اکبر اکبر کے ادھر لختِ دلِ زینبِ مضطر
شبیر محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباس علی سناے بیٹھے تھے ادب سے

مرگرم تھے مرجانے پہ سب شلہ کے انصار ۱۲ عباس سے یہ کہتا تھا وہ قتل کا مددگار
تم رہو ذرا نیک نہ ناموس سے ہشیار ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ ثغفار
بے درینوں کو راحت جری منظور نہیں ہے

شبِ جنوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے
یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی ۱۳ اے چاندِ یلہ اللہ کے شبِ دوپہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی دلِ یارِ خدا کرنے لگا، چشمِ بھر آئی
فرمایا بڑا احسن ہے بیداریِ شب کا
اے تشنہ لبِ وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخِر ہے نمازیں بھی ہیں آخر ۱۴ بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مُسافر
ہر وقت ہے ربِ دو جہاں حاضر و ناظر اجران کے مضاعت ہیں جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کہی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اس کا رہے دردِ سفر ہو کہ حضر ہو ۱۵ موجودِ سجدے لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دکھ میں کہ راحت میں بسر ہو تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سر ہو
عشقِ محفلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معتشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چوے لبِ سوا با جو سینے پہ لگیں تیسیر ۱۶ دمِ عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر تکبیر کا نعرہ ہو زبانِ پردمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صد آہ کی بٹکے
ہر رنگ میں بُو اُغت اللہ کی بٹکے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے ۱۷ اٹک اٹکوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھرتے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے سجادے وہیں لاکھ دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوتیں لشکرِ اللہ و نبی میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احمدی میں

قیح کہیں تھی کہیں سجدے کہیں زاری ۱۸ تھا صوتِ حسن سے کوئی قسر آن کا قاری
کرتا تھا کوئی عسفن کہ یا حضرت باری اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری

حسرت سے شریک شہدا کیجیو یا رب

تو جو صلہ صبر، عطا کیجیو یا رب

ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار ۱۹ مرنے کے لیے آئے ہیں یاں جھوڑ کے گھر بار
یہ بندہ بیکس ہے معیبت میں گرفتار کر رحم کہ ہے ذات تری راحم و غفار
فاقوں کے سبب جہنم کی طاقت میں کمی ہے

تجربے سے طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے

بیکس ہیں، مسافر ہیں وطنِ دُور ہے، گھر دُور ۲۰ ہنغمہ سے ہمیں گھیر ہے یہ لشکرِ مقہور
تیروں سے ہوں غریباں کہ تیغوں سے بدنِ خور احمد کے نواسے سے حبدانی نہیں منظور

پھر ٹھٹھ کسے دکھلائیں جو سردار کو چھوڑیں

کیوں کر ترے مقبول کی سردار کو چھوڑیں

مردوں کے لیے سنگ ہے تلواروں سے لڑنا ۲۱ راحت ہو کہ ایذا، ہیں جینا، ہیں مرنا
تو چلے تو مشکل نہیں کچھ سر سے گزرنے اے نعل کے مددگار، مدد جنگ میں کرنا
فاقوں میں ہزاروں سے دعا ہو تو مزا ہے

کچھ حقِ نمک ہم سے ادا ہو تو مزا ہے

کرتے تھے مناجات ادھر یا دور و انفار ۲۲ پڑھتے تھے مناز شب ادھر سید ابرار
تھی نیستِ قیح بتوں جگر افکار آوازِ مہکاخیمے سے اُنے لگی یکبار
اکبر سے اشارہ کیا ٹڑکڑ کہ یہ کیا ہے

کی عرض پیو بھی جان کے رونے کی مدد ہے

یوں تو کئی راتوں سے وہ ہیں مضطرب و بیتاب ۲۳ راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدہ پُر آب روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب

نعلیں کہیں چپا در پُر نور کہیں ہے

اُس وقت سے بسل کی طرح چین نہیں ہے

سب بیاباں ہیں زور ہیں بچوں کو لیے پاس ۲۴ ایک ایک کو اندیشہ ہے ایک ایک کو دوسواں
جو پوچھتا ہے وجہ کو کبھی ہیں بعد یا اس لوگو مجھے شبیر کے بچنے کی نہیں اس
مانگو یہ دعا غیب سے بیکس کی مدد ہو

مدد تے کرو مجھ کو کہ بلا صحتی کی رو ہو
ان کا تو یہ احوال ہے، اماں کا یہ عالم ۲۵ اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہ تھی اک دم
اشغری کی بھی ہے فکر، سکینہ کا بھی ہے غم شش ماہ کا بچہ بھی ہوا جاتا ہے بے دم
گودی میں اٹھائیں اُسے یا اس کو سنبھالیں
دور روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں

روا کی ہیں عابد کے سر ہلنے کبھی جا کر ۲۶ گھوڑا امین شہر پہ کبھی گرتی ہیں اگر
قصر ان کی ہوا دیتی ہیں غش میں اُسے پاکر بہلاتی ہیں، بیٹی کو کبھی اشک بہتا کر
وہ کہتی ہے تا صبح یوں ہی روؤں گی اماں
بابا ہی جب آویں گے تو میں سوؤں گی اماں

بتلاؤ شہ جوق و بشر کیوں نہیں آتے ۲۷ اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے
آزادہ ہیں کچھ مجھ سے، ادھر کیوں نہیں آتے کیا آج وہیں سوئے، گھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی نسر یا دیکھی بابا نہیں ٹھنٹے
حضرت مرے رونے کی صدا کیا نہیں ٹھنٹے

رو کر علی اکبر نے جو کی شہ سے یہ تقریر ۲۸ پڑھتے ہوئے تسبیح گئے، حضرت شبیر
دیکھ مجھ نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تھوہ قدیموں پہ محبت سے بڑی دوڑ کے ہم شیر
یتاب جو پایا بہت اس تشنہ دہن کو
شبیر نے پٹا لیا چاتی سے بہن کو

فرمایا بہن تم نے بنا یا ہے یہ کیا حال ۲۹ نہ سر پہ عبا ہے نہ چادر ہے، نہ ڈومال
ماتھے پہ ہارنگ ہے کچھ ہوتے ہیں بال بیٹو نہیں، جیتا ہے ابھی فاطمہ کا لال
دم تن سے حاکمٹ کے رنل جاتے گا زینٹ
رو کچھ جب روئے کا وقت آئے گا زینٹ

جیتا ہوں میں اور آہ ابھی سے یہ تلاطم ۳۰ یہ کرب، یہ دکھ درد، یہ زلزلہ، یہ تغلم
ہوتے ہیں مرے ہوش و حواس آتے ہوئے گم خنجر کے تلے دیکھو گی کس طرح مجھے تم
بس صبر کرو جی سے گذر جائیں گے بچے
تڑپو گی تم اس طرح تو مر جائیں گے بچے

تلوار کسی نے ابھی تولی نہیں مجھ پر ۳۱ سینہ ابھی تیروں سے مشتبک نہیں خواہر
گردن پر کسی نے ابھی پھیرا نہیں خنجر مر جائے گا سبائی تھیں ثابت ہوا کیونکر
ہر چند کہ ساعت نہیں ملتی ہے قضا کی
بچ جاؤں تو کیا دور ہے قدرت سے خدا کی

زینب نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے ۳۲ سبائی تھیں اللہ اس آفت سے بچائے
خلاق مجھے عابد کی بیٹی نہ دکھائے سبائی کی بلالے کے بہن خلق سے جانے
وہ اس طبیعت کو بھلنے نہیں دیتا

بے چین ہے دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتا
اتنا ہے سکیٹنے کی یتیمی کا مجھے دھیان ۳۳ ہر وقت بھر اٹھ کر نظر آ جاتا ہے، ویران
سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا سامان
بازو مرے گئے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردائیچنے لیے جاتا ہے کوئی

منہ دھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر ۳۴ تو چاکہ گریباں نظر آتے ہیں پیہر
اماں کبھی چلاتی ہیں یوں کھولے ہوئے سر بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
کیا لیٹی ہے بستر پہ گدھر دھیان ہے زینب
شیر اسی رات کا مہمان ہے زینب

یہ ذکر ابھی تھا کہ سکیٹنے نے پکارا ۳۵ سونا تو گیا آپ کے ہم سہرا ہمارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیںد آتی ہے بیٹی کو سلا جائے بابا
بس ہونگیں باتیں بادر آیتے بابا

حضرت نے کہا میں تیری آواز کے قسریں ۳۶ اللہ تم اسب تک نہیں سوئی ہو مری جاں
عزبت میں کہتاں راحت و آرام کا سماں بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ نہ رو یا کرو بی بی

پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی
کیا ہوتے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں ۳۷ مجبور ہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جاتیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمہیں ہم کہیں پاتیں بی بی کہو پھر جاتی یہ کس طرح سلا تیں
جنگل میں بہت قافلے ٹٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں چورے ساتھ وہ ٹھٹ جاتے ہیں بی بی

جب مری کم ہم بھی چھٹے تھے یونہی ماں سے ۳۸ سوتے تھے لیٹ کر یونہی خاتون جہاں سے
کوٹھ لٹن کا ہوا سنے آنکھوں کے جہاں سے ماتم سے ملیں وہ نہ بکاسے نہ فغاں سے

یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لیے ہیں
ماں باپ زلمے میں سلا کس کے جیسے ہیں
رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند ۳۹ کوٹھ آج پھر کہہ توکل جائے گافرزند
ہوتا ہے قلعہ فرقت اولاد میں وہ چند کیا زور ہے بندے کا جو مرضی خداوند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ ب کوٹھ کریں گے
اس زیت کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ صد آتی اذواں کی ۴۰ گلدستہ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی
اک دم میں بہاؤ اور ہوتی باغ جہاں کی تلوار چل گلشن انجم پہ خنداں کی
مہتاب ہوا گم فلک نیلو فری سے
پتھو لا تلخ خورشید نسیم سحری سے

گرمی کی سحر اور وہ پتھو لوں کا مہکتا ۴۱ مرفان چین کا وہ درختوں پہ چمکتا
انجم کا وہ چمپنا کبھی اور گہ چمکتا وہ سرو ہوا اور وہ ہنرے کا لہکتا

میں دھن دھن سے شبنم شہ دیں پر
ہاتھیں بکارتیں نہ تو کھنڈیں پر

مبلوہ وہ دمِ صبح کا وہ نور کا عالم ۳۲ دلچسپ مدانویت و شہنائی، وہ باہم
سُرخِ وہ شفق کی، اُفتق چرخ پہ کلم وہ گل کے کُودوں پہ دُر افشانیِ شعبم
خُشکی میں بھی سردی سے ترائی کا سماں تھا

پر مالکِ گلزارِ جنانِ تشنہ وہاں تھا
لشکر میں ادھر مورچے بند سی کی ہوئی دھوم ۳۳ یاں فرسز ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
پیچھے توجہ امت تھی اور آگے شہرِ مظلوم صفت بستہ ملائک میں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ماحذ و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تا باباں تھے بہتر مہرِ نوماہ کے ہمراہ

خیر تھا فلک، آپ قمرِ دوستِ ستارے ۳۴ تائے بھی وہ ماروں کو فلک جن پہ اتارے
غم ہو گیا تھا، پر فلکِ مشرق کے مارے کہتی تھی زمیں، آج ہے طالع کو ہمارے
خورشید نہیں روشنی نیتِ ریں ہے

خودِ رش کو دھوکا تھا یہ میں ہوں کہ زیں ہے
جو صفت ہے وہ ایک طرح ہے قرآنِ مبیں کی ۳۵ دیوار ہے قبلہ کی طرف، کعبہ دیں کی
کیا خوب جماعت ہے یہ اربابِ یقیں کی افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمیں کی
کس طرح شہنشاہ سے وہ فوجِ حبدا ہو
مشکل ہے کہ دریائے کہیں موجِ حبدا ہو

اُس دم تھی یہ آوازِ پس پرودہ قدرت ۳۶ اے قدسیو دیکھو مرے بندوں کی عبادت
نہ پیاں کا مشکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت یہ زہد، یہ تقویٰ، یہ اطاعت، یہ ریاضت
کونین میں یہ ماحبِ اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

کس عجز سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے ۳۷ دیکھو مرے محبوب کے ناصر ہیں یہ بندے
مظلوم ہیں بیکس ہیں مسافر ہیں یہ بندے تھوڑے نہ ہوں کس طرح کے شاکر ہیں یہ بندے
مصدق ہیں دل سے مرے ان سب کو دلا ہے
ان کا وہ میلہ ہے، جو رسولوں کو بلا ہے

پرسش نہ لحد میں نہ حساب ان کے لیے ہے ۴۸ یہ لائقِ رحمت ہیں، ثواب ان کے لیے ہے
موتی سے جو ہے صاف، وہ آب ان کے لیے ہے میں جس کا ہوں ساقی، وہ شراب ان کے لیے ہے
اس نخلِ ریاضت کے ثمر ان کو ملیں گے
جو عرض کے نیچے ہیں وہ گہراں کو ملیں گے

فارغ جو مملوۂ محسری سے ہوئے دیں دار ۴۹ پوشاک پہنے کو اٹھے سید ابرار
فرمانے لگے حضرت عباسؓ علمدار ہاں غازیو اب تم بھی جو جنگ کے ہتھیار
قصر باں تمہیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو گنو، گلشنِ جنت کے سفر پر

آبادۂ شکر کُتار ہے کل سے ۵۰ ہونا ہے تمہیں آج، ہم آغوشِ اجل سے
درمیش ہے جنگ و جدل اس فوج کے دل سے آقا بھی کوئی دم میں نہکتے ہیں محل سے
ہاں صفتِ شگنو، وقت ہے نہرت کی دعا کا
کُلتا ہے پھر یہ اسلم فوجِ خدا کا

ہم لوگ اسی روز کے مشتاق ہیں، کب سے ۵۱ اب ہوگی ملاقات شہنشاہِ عرب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں شب سے صفِ باندھ کے آؤ، در دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمہیں خلعت، نور آج ملیں گے

اس مژدہ کو سنتے ہی مسیح ہوئے غازی ۵۲ اصطل سے آنے لگے حباروں کے، تازی
شیرِ صفت، جنگاہ تھا، ایک ایک نمازی نعرے تھے کہ قصرِ بان شہنشاہِ محبازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمنِ خلدِ بریں کا
خیمہ میں تلاطم تھا و داغِ مشہرِ دین کا

تھے گردِ محرمِ بیچ میں وہ عاشقِ حق تھا ۵۳ مانندِ سرِ رنگِ ہر اک بی بی کا فاق تھا
بانو سے دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا زینبؓ یہ تڑپتی تھی کہ حضرت کو قلعی تھا
شبیر کے پہلو سے نہ ہنسی تھی سکینہ
بڑھتے تھے تو دامن سے لپٹی تھی سکینہ

شہ کہتے تھے بنی ہمیں اب جانے دو گھرے ۵۴ سینہ مرا شق ہوتا ہے، لپٹو نہ پدر سے
وہ کہتی تھی سایہ جو یہ اٹھ جائے گا سرے ہے میں تجھیں ڈھونڈ کے لاؤں گی کدھر سے
بینی کا روا آپ کے کوئی نہیں بابا
شب بھر میں ہی خوف سے سوئی نہیں بابا

سمجھاتے تھے حضرت کہ میں مدتے درہی پساری ۵۵ میدان سے ابھی آئیں گے ہم تو کئی باری
وہ کہتی تھی میں آپ کی مظلومی کی واری سماں نظر آتا ہے یتیمی کا ہمساری
در پیش لڑائی نہیں گر فوج شقی سے
کیوں آپ سفارش درہی کرتے تھے بچو بھی سے

آپ کے جانے سے تو ثابت ہے نہ آنا ۵۶ کیوں کہتے تھے زینب! اسے چھاتی پہ سٹلانا
بأنو مرے پیچھے، نہ سکینے کو رلانا پانی جو میسر ہو تو، پیاس اس کی بجھانا
بہلا تیرو جب رو کے مجھے یاد کرے گی
تڑپوں گا لحد میں جو یہ فسر یاد کرے گی

میں سننتی تھی عابد سے جو کچھ کی تھی وصیت ۵۷ اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرت
ہے ہے یہ درہی عزیز یہ صدمہ یہ مصیبت لے لو مجھے ہمسرا، گوارا نہیں فرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو اس دابرِ عن سے
کوئی درہی گردن تو باندھے گا رسن سے

نادان کی ان باتوں پہ گھبرواتا تھا سارا ۵۸ ماتم میں کسی دل کو نہ تھا، صبر کا یارا
حضرت کو بھی فرقت تھی نہ بیٹی کی گوارا ڈیوڑھی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُٹارا
جس دم وہ چٹختی جیتے ہی جی مر گئے شپٹر
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شپٹر

جس دم در دولت پہ اسیر اُم آیا ۵۹ پیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا، لشکر بہم آیا کس مولت و اقبال و حشم سے ظلم آیا
جاتی تھی لچکنے میں منیا عرش تک اس کی
خورشید کو پنجہ میں لیے تھی چمک اس کی

آپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور ۶۰ دیکھیں یہ بھاسا یہ فتن ہوتا ہے کس پر
 کھجور کے تو ہے نام پڑا لاری لشکر عباس کو دیں گے شہر دیں منصب جعفر
 اک عشق ہے اس شیرے سلطانِ اُمم کو
 بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں، گاہِ عسلم کو
 زینب کے پسر مشورہ یہ کرتے تھے باہم ۶۱ کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
 تاجِ خدا چاہتے، گو عمر میں ہیں کم عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
 واقع ہیں سبھی حیدر و جعفر کے شرف سے
 حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے
 دادا بھی علمدار ہے، نانا بھی علمدار ۶۲ ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
 کہتا تھا برا عرض کا موقع نہیں رہتا ہمارا ہیں بادشاہ کون و مکان مالک و مختار
 عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
 بچکے رہو، اہل نہ کہیں سن کے خفا ہوں
 مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام ۶۳ مٹ جائیں نشانِ بس ہی عہدہ ہے یہی نام
 یہ سرہوں نشانِ قدم شاہِ خوش انجام عزت رہے بھائی، یہ دعا ہے سحر و شام
 آقا جے چاہیں عسلم فوجِ خدا دیں
 مشتاقِ اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں
 روتی تھی جو پردے کے قرینِ زینبِ دلگیر ۶۴ سب اس نے مفصل یہ سنی، بیٹوں کی تقریر
 فضا سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر دونوں کو اشارے سے بلا لے کسی تدبیر
 کچھ کہنا ہے سن لیں اے فرصت انھیں گر ہو
 عباس نہ دیکھیں نہ شہر دیں کو خسر ہو
 یہ کہتی تھی زینب کہ خود آئے وہ نکو کار ۶۵ چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبِ ناچار
 کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار اس وقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار
 سب سے نہ کہ مادرِ عقوبت پر وہ کھڑی ہے
 گھر نشا ہے میرا، تمہیں منصب کی پڑی ہے

القد بڑا عزم کیا، باندھ کے تلوار ۶۶ بکوا! تمہیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زہرا
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جلاؤں گی بیزار کچھ کہو نہ ماہوں سے خبردار! خبردار

کیا دھسل تمہیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر مٹنے، جو گئے پاسِ علم کے

کچھ اور ہی تیور میں علم نکلا ہے جب سے ۶۷ تم کون ہو جو آگے بڑھے جلتے ہو سب سے
استادہ ہو، جا کر عقب شاہ، ادب سے عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے شب سے
اس امر میں خاطر نہ کریں، اور کسی کی
میں خوش ہوں بجائیں وصیت کو علی کی

دور روزے بجاتی پر مرے ظلم و ستم ہے ۶۸ تم فکرِ علم میں ہو مجھے سخت الم ہے
چھوٹے سے ہیں قدر بن بھی تمہارا ابھی کم ہے کفیل اس کو نہ سمجھو یہ محمد کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شر ذی حباہ سے کہنا

کہنا بھی تو نصرت کے لیے شاہ سے کہنا

مانا کہ پہونچتا ہے تمہیں منصبِ جعفر ۶۹ آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھ کر
چھوٹا مرا سببان بھی ہے بیٹوں کے برابر عاشق کا تو عاشق ہے، برادر کا برادر
بگڑوں گی نگہ گر کوئی اسلوب کرو گے
عباس سے کیا تم مجھے محبوب کرو گے

زینب نے عت با باندہ جو کی اُن سے یہ گفتار ۷۰ یوں کہنے لگے، جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے، کبھی تکرار مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں، شرِ ابرار
نصرت کے لیے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

زینب نے کہا لے کے بلائیں کہ سردھارو ۷۱ بس اب برادر دل شاد ہوا ہے مرے پیارو
ماں حدفے گئی، سرد قدم شاہ پہ وارو ہو عید مجھے گر مترو و شکر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازل کا
دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زور علی کا

مہمے گئی سُن لو کہ میں کہتی ہوں جتا کر ۷۲ تم پہلے فدا کیجیو سرِ شہ کے قدم پر
میدان میں زخمی ہوئے مگر قائم و اکبر پھر تم بے فسر زندہ نہ میں دونوں کی مادر
جب دل ہوا ناراض تو فسر زندہ کہاں کے
کس کام کا وہ لعل جو کلام آئے نہ ماں کے

ان میں سے اگر رن کی طرف ایک سیدھا را ۷۳ زہرا کی قسم مُخہ نہ میں دیکھوں گی تمہارا
جس وقت سنوں گی نہ سران دونوں نے وارا اُس وقت تمہیں ہو گا ہراد و دودھ گوارا
بے جاں ہوئے بعد ان کے تو ماتم نہ کروں گی
دیکھو جو مردوں کی بھی تو ناراض مردوں کی

ہیں دونوں بھتیجے بڑے پیارے بڑے محبوب ۷۴ تم ان پہ تصدق ہو، یہی ہے مجھے مطلوب
جینا نہیں بہت کسی صورت، کسی اسلوب بے سر دیے دودھ اپنا میں بخشوں تمہیں، کیا خوب
ایذا جو اٹھاؤ گے تو راحت بھی ملے گی
جب آئیں گی لاشیں تو یہ دولت بھی ملے گی

دکھو کہے دیتی ہوں خبر دارا خبر دار ۷۵ جیتے جو بڑے دودھ نہ بخشوں گی میں زہرا
شیروں کے یہ ہیں کام کھینچے جس گھڑی تلوار رکھ دیوں گلا بڑھ کے نہ خبر بخوں خوار
توڑی ہیں مغیں جنگ میں جب کھیت پڑے ہیں
جنت کے لشکر سے علی یوں ہی لڑے ہیں

اعد اکو بڑے دودھ کی تاشیر دکھاؤ ۷۶ ابلالِ حُسن شوکتِ شبیر دکھاؤ
جعفر کی طرح جو ہر شمشیر دکھاؤ تنِ تن کے ید اللہ کی تصویر دکھاؤ
خوشیدِ امانت سے قربت میں قسریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے، حسیں کے حسیں ہو

جعفر سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو ۷۷ حیدر سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
خیزار ہو، کزار ہو، مہندر ہو دلیرو خضر نام ہو، خضر ہو، خضر ہو دلیرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیزر کی طرح کونے کا در توڑ کے آؤ

خستہ دق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو ۷۸ بچے اسد اللہ کے ہو جان پہ کھیلو
تیغوں میں دھنوا چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو کوٹنے کو تر تیغ کرد، شام کو لے لو
دو اور جہلا آئینہ تیغ سرب کو

لو روم کو قبضے میں تو کتبوں میں حلب کو
خاقان کا رہا تخت نہ قیصر کا رہا تاج ۷۹ ہاں غازیو، چین و حبش و زنگ سے لو، باج
چڑھنا ہے لڑائی پہ جواں مردوں کو معراج گیتی نہ وبالا ہو وہ تلوار چلے آج

یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بریں
جس طرح علیؑ بعد ظفر آئے تھے گھر میں
میلے نہ ہوں ہوں تیور یہ سپاہی کے ہنر ہیں ۸۰ چمکے ہیں بس اُنکے ہی جدھر ہیں بس اُدھر ہیں
گر عطر میں ڈوبے ہی گئے خون میں تر ہیں محبت میں معاصی ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں

عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چمکے ہیں
یہ سن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر ۸۱ کس پیارے مُنہ دونوں کا تکتے لگے سرور
اکبہ نے یہ کی عرض اے سبطِ پیغمبر تیار ہے سب قبلہ کونین کا لشکر
جلدی ہے لڑائی کی اُدھر فوجِ بستم کو
ارشاد ہے ہو وہ بڑھے لے کے علم کو

شہ بولے کہ عباسؑ دلاور کو بلاؤ ۸۲ پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
عاشق کو، مددگار کو، یاد رکھو بلاؤ جلدی مرے حمزہؑ مرے جعفر کو بلاؤ
یہ آؤج، یہ رتبہ، یہ چشم اس کے لیے ہے

زیب اس سے علم کی ہے، علم اس کے لیے ہے
سب تکتے لگے صورتِ عباسؑ فلکِ جہا ۸۳ نازل ہوا خود آؤج پہ اپنے علمِ مہا
معین و حاصل ہے نشانِ اسد اللہ البیدہ تھا پرچم، تو پھر رہا تھا ہوا خواہ

جہاں اُگتی تھی مُنتے ہی اس خوشخبری کو
پنہ بھی اشارے سے بلاتا تھا جری کو

خوش ہو کے یہ بتو کو چمکے علی اکبر ۸۴ جلد آئے یاد تک کو فرماتے ہیں سرد
حافظ ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ مخدر اوش لو کیا شہ نے مسلم بھائی کو دے کر

رکھے اسے کاندھے پر یہ ہے آپ کا عہدہ

لو بھائی مبارک ہو تمہیں باپ کا عہدہ

بوسہ دیا عباس دلاور نے مسلم پر ۸۵ تسلیم کی اور رکھ دیا سرشہ کے قدم پر
کی عرض کہ قمر بان اس الطاف و کرم پر سوسر ہوں تو صدمتے ہیں شہنشاہ اُمم پر

ادنیٰ جو ابھی تھا اُسے اعلیٰ کیا مولا

قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

اس چتر فلک قدر کا سایہ مرے سر پر ۸۶ اس دھوپ میں ہو گا یہ پھر پر مرے سر پر
یہ آبر مرے سر پر یہ طوبیٰ مرے سر پر قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پر

سلطانِ دوعالم کی غلامی کے صلے میں

سب اوج یہ نعلین اٹھانے سے ملے ہیں

حضرت نے کہا روکے یہ کیا کہتے ہو پیارے ۸۷ حاضر ہے لکھنؤ بھی کام آئے تمہارے
حق یہ تمہارا تھا سو پہونچا تمہیں بارے مالک ہو تمہیں ہم تو ہیں اب گورکنارے

مخادلی میں جو کچھ وہ بندہ ہو نہیں سکتا

بھائی برا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

یہ کہہ کے بڑھے سردور دیں جانبِ توسن ۸۸ ہتیار لگاتے ہوئے پہنچے ہوئے جو شہن
اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن اللہ سے دنیا، غارتزیں ہو گئیں روشن

وہ پاؤں رکابوں کے لیے باعش مشوئے

خورشید کے قدموں کے تلے دوسرے تو تھے

رائوں کے اشارے سے لگا کوئٹہ، شہدیز ۸۹ اسوار کے دل کا تھا اشارہ اسے مہینز
گرمائے جو شہدیز نے تازی کو کیا تیسرے اعدا پہ چلا غول سواروں کا، جٹو ریز

ایک ایک جوانِ عربی رشکِ ملک تھا

اللہ کے لشکر کا علم سر بہ فلک تھا

کیا فیضِ سوری تھا کہ زرد ریزی سب راہ ۹۰ طالع تھا اور مہر اور ہر تھا علم شاہ
ابین و دغور شید تھی، فوج شہِ ذی جہاہ پنچے پہ تہبلی تھی، کہ اللہ ہی اللہ

بالا تھی چمک، مہر متور کی چمک پر

خواس کی زمیں پر تھی، منیا اس کی فلک پر

ایک ایک جواں، زیور جنگی کو سنوارے ۹۱ نیزوں کی چمک اور وہ سجدوں کے طرارے

جغشہ کے جگر بند، یہ اللہ کے پیارے رستم سے ہر اک جنگ کرے مشیر کو مارے

سیاق ہو مر حب سا، تو مشیر سے ماریں

ارجن سے کماندار کو، اک تیر سے ماریں

کم سہن کئی لوگوں کا جدا غول تھا سب سے ۹۲ سوئے بھی نہ تھے، دلورہ جنگ میں، شب سے

مکے ہوئے باگوں کو شہِ دیں کے ادب سے اعدا کی طرف دیکھتے تھے، چشم غضب سے

ہتیار جو باندھے تھے تو کیا تن پہ کھلے تھے

سب میچے تو لے ہوئے مرنے پہ ٹٹے تھے

وہ چاند راتھ، اور وہ گورے بدن، اُن کے ۹۳ شرمندہ ہوں غنچے بوی، وہ نازک دہن اُن کے

یوسف کی طرح، عطر فشاں پر پہن اُن کے مرکز وہی کپڑے ہوئے آخر کفن اُن کے

کیا سخن، عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے

آقا پہ فدا ہوئے کو سب ایک زباں تھے

عمریں تو کم و بیش، پہ سب گیسوؤں والے ۹۴ اک غول میں تھے چاند کئی، اور کئی ہلے

ذی مرتبہ سیدانیوں کی گود کے پالے غنچہ تھا وہ سب، اک شہر محلِ رُوئے حوالے

ان تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے

اس گلشن یک رنگ کے مختار یہی تھے

مقتل کو جو پُر نور کیا، عسکرِ دیں نے ۹۵ دیکھا طرفِ چرخِ محارت سے زمیں نے

اوپر نہ کیا سرفک، ماہِ جبیں نے کی قرش پہ حسرت سے نظرِ قرش بریں نے

اٹھ اٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرے

خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرے

کھولا جو پھر پیسے کو علمدارِ حبسری نے ۹۶ ٹوٹے گلِ فردوس، نسیمِ سمسری نے
تاروں کو اُتارا، فلکِ نیلوفر نے پرچم جو ٹھٹھلا کھول دیے بالِ بڑی نے
عیشی نے پیکارا کہ نثار اس کے چشم کے
خورشید نے مندر رکھ دیا پنچے پہ علم کے

ترتیبِ صفِ فوج کا جس دم ہوا استلام ۹۷ باندھی علی اکبر نے صفِ لشکرِ اسلام
ظاہر جو ہوئی شانِ جوانانِ گلِ اندام کوٹے کے نشانِ جھک گئے، کانپی سپہِ شام
الذریعے شوکتِ شرفاؤِ نجبہ کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

ناگاہ بجا طبل، بڑھا لشکرِ سفاک ۹۸ تاجِ پرخ گیا، غلغلہ کو سسِ شغبِ ناک
فسر یار سے قسرناسی ہلا گئیں اظلاک تھرا گیا آوازِ دہل سے کمرہِ خاک
نوبت تھی زبس قتلِ امامِ مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

وہیں شور تھا باجوں کا ادھر نعرہٴ تکبیر ۹۹ ایک ایک جری جھومتا تھا قول کے شمشیر
ناگاہ ٹوٹے فوجِ خدا آنے لگے تیسر عباس علمدار نے دیکھا رخِ شبیر
کی عرض کہ لڑنے کو شہر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ ۱۰۰ ہفتاد دو تن یاں ہیں، ادھر سیکڑوں گمراہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے گل کے شہنشاہ یہ شیرِ نستانِ علی ہیں، تو وہ رو بہ
لاکھوں ہیں تو کیا ڈر ہے شجاعانِ عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

فرمایا کے فاتح سے ہے سارا ہر لشکر ۱۰۱ پانی نہیں ملت کہ لبِ خشک گریں تر
بہتر ہے اگر پہلے کئے تن سے ہر اسر غازی نے کہا شبیرِ گر سنہ ہیں، یہ صفِ
حملوں سے اٹھ دیں گے پرے فوجِ عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے پیا سے ہن لبو کے

حضرت نے کہا خیر! الزو فوجِ ستم سے ۱۰۲ معلوم ہے سب آج جُدا ہو دیں گے ہم سے
 دُنیا سے نہ مطلب ہے نہ کچھ جاہ و حشم سے کٹ جائے گا اپنا بھی گلا، تیغِ دو دم سے
 مقبول ہیں وہ جو مری امداد کریں گے
 اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے

جس دم یسّنی، قبلہ کونین کی گفتار ۱۰۳ جانباز بڑے فوج سے چلنے لگی تلوار
 تھے پیاسوں کے حملے غضبِ حضرتِ قتار چوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے تلوار
 کون آنکھ ملا سکتا تھا، شیروں سے عرب کے
 جب کرتے تھے نعرے قدم اٹھ جاتے تھے سب کے

لڑتا تھا غضب، ایک کے بعد ایک وفادار ۱۰۴ دن چڑھتا تھا یاں گرم تھاواں موت کا بازار
 سر بیچتے تھے، جنسِ شہادت کے طلبگار بڑھ بڑھ کے خسریدار پہ گزرتا تھا خمیرِ دار
 پس پہلے ہم ایک ایک کی جاں اس کی پڑی تھی
 عقبی کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

آیا جو عزیزوں کے لیے موت کا بیغام ۱۰۵ فرزندوں نے جھکے بڑے رن میں کیے نام
 اولادِ عقیل آپ بھی مشیر کے جب کام لڑنے کو گئے مُسلم بیس کے ٹھکل اندام
 تھا حشرِ پُناہ دیاں بہتی تھیں لہو کی
 بچوں نے الٹ دی تھیں صفیں فوجِ عدو کی

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار ۱۰۶ بیتاب تھے یاں زینبِ ناشاد کے دلدار
 منہ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار ہم جاتیں گے بعد ان کے ٹوٹے لشکرِ گرفتار
 جی جاتیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں

ایسا نہ ہو قاسم کو حضورِ اذن و غنا دیں
 کچھ ان سے کہا جاتے تھے سرورِ ذی شان ۱۰۷ جو غل ہوا مارے گئے مُسلم کے دل و جان
 لاشے بھی اھر آچکے، جب خون میں غلطان پھر ہاتھوں کو جوڑا کر بیٹے رخصت میدان
 شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
 ان دونوں نے سر رکھ دیئے ماموں کے قدم پر

حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہوڑ خصمت ۱۰۸ کیا کہتے ہو ٹٹو ادوں میں ہمیشہ کی دولت
ماہ ہو تھیں اس کا، تھیں اس کی بغاوت چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تمام کے رقت

چھوٹے نہیں ہم آپ ابھی پوچھ لیں سب سے

اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تفسیر ۱۰۹ اُن دونوں کا ٹٹو دیکھ کے رونے لگے شبیر
فسر مایا چھڑاتا ہے تھیں بھی فلک پیر اچھائیں رضا مند ہوں جو مر مٹی ہمیشہ

وہ سیدہ پاک تو اسی ہے نبی کی

نیاض کی ہمیشہ ہے بیٹی ہے سخی کی

یہ سن کر مجھے آخری تسلیم کو ذی حباہ ۱۱۰ خورشید کے آگے نہ تو بن گئے دو ماہ
کی سوئے فلک دیکھ کے شبیر نے اک آہ دوشیر چلے گھوڑوں پر چڑھ کر سوئے جنگاہ

ماں ڈیوڑھی سے چلائی کر خصمت ہو مبارک

سما کر شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

سلطان دوم عالم نے خلق کیا واری ۱۱۱ تم جلتے ہو یا حباتی ہے دوا لاک سواری
پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری لو دور سے لیتی ہوں بلا تیں میں تمہاری

مدتے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے حباؤ

شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے حباؤ

تسلیم کو گھوڑوں سے مجھے دونوں وہ گل رو ۱۱۲ دل ماں کا یہ اُمڈا کر پیگنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے، آٹو پھر دیکھنے پانی نہ انھیں زینب خوش خٹو

میدان کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر

پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

میدان میں عجب شان سے وہ شبیر آئے ۱۱۳ گویا کہ بہم حیدر و جعفر نظر آئے
فل پر گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے

یوسف سے فزون محسن گرامنایہ ہے اُن کا

یہ محبوب بیاباں میں نہیں، سایہ ہے اُن کا

وہ چاند سے منہ اور وہ گیسوئے معتبر ۱۱۳ وہ بدر سے رخسار زہے قدر ستار اور
 سب شان ید اللہ کی سب شوکت حیدر چتون وہی، غصہ وہی، سبارے وہی تیور
 یہ وہ بد بے کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
 دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا
 تن تن کے جوشان اپنی دکھاتے تھے وہ ذی جاہ ۱۱۵ چپان سے لگا لیتے تھے دونوں کو ید اللہ
 شمشاد سے قامت و دراز اور نہ کوتاہ کھیلے ہوئے تیغوں میں فنِ جنگ سے آگاہ
 ناخن سے دلیروں کے سب انداز و طاقے
 بچے تھے مگر بچتے نہ فرسامِ خدا تھے
 تھے حسن میں ان دونوں کے آئینہ رُؤ ایک ۱۱۶ پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
 شان ایک، شکوہ ایک، جورنگ ایک، تو بُو ایک دل ایک، سپر ایک، جد ایک، لہو ایک
 اور ان سا کوئی غریب سے تاشرق نہیں ہے
 دو گز سے ہیں اک سب کے کچھ فرق نہیں ہے
 پڑھنے لگے اشعارِ رجز جب وہ دلاور ۱۱۷ اللہ ری فصاحت فہما ہو گئے ششدر
 ہر بیت تھی دشمن کے لیے تیغ و سپر ہر مصرعہ برجستہ میں تھی تیز بے غنبر
 وہ کون جواب ان کا کہ دم بند تھا سب کا
 وہاں قافیہ تھا تنگ شجاعانِ عرب کا
 غلبہ نسب میں جو عہد کا سیا نام ۱۱۸ سب پڑھنے لگے مل علیٰ صاحبِ اسلام
 لگے جو بڑے نام ملے کے کہ وہ کُلف نام دل ہی گئے تھرانے لگا روم سے تاشام
 جعفر کا جو کچھ ذکر کیا بعد علی کے
 مجھے کو علمِ جنگ گئے سب فوجِ شقی کے
 آواز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شہیر ۱۱۹ ڈنکے پڑے چوٹ لگی چلنے لگے تیسر
 اس وقت بڑے بھائی نے کی جھوٹے تقریر تلوارِ علم کیجئے اب کس لیے تاعصیر
 کہتے توجہ ہوا کے ستاروں پر جہاں
 ہزاروں میں ہم تپ گنداروں پر جہاں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر، نہیں بھائی ۱۲۰ تم جان ہو، دشوار ہے دم بھر کی بھائی
ہو جاتی ہے، اک آن میں ہر صفت کی صفائی کر دیتے ہیں سر، کون سی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں توئی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے

سرتن سے اتر جائے، مگر ساتھ نہ چھوٹے

نانا کی طرح، فوج پہ حملے کریں، آؤ ۱۲۱ تلواروں میں تن تن کے جلو، برچیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہیں، زور دکھاؤ ہم سینہ سپر تم پہ ہوں، تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پر رستم کا بھی منہ پڑنے کے گا
جب دو ہونے اک دل تو کوئی لڑنے کے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کر، بہتر ۱۲۲ بس کیخچ لیے نیچے، دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لڑنے لگے لشکر نیزوں کے نیساں میں، در آتے وہ غضنفر

برباد کیا، رو میں سواروں کو دبا کے

رہو ابھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

ان چھوٹی سی تلواروں کے تھے کاٹ بڑا لے ۱۲۳ تھیں کھنیاں پہنچوں سے ہڈا ہاتھوں سے بھالے
مثل اپنی جملے تھے جو بے مثل رسالے تھے جہانزہ ان سب کا یہی دیکھنے والے

نازا اپنے ہنسر پر تھا شجاعان عسرب کو

نیزوں کو قسمل کر کے ندارد کیا سب کو

موت آئی اُدھر نیچے دونوں جہدہر آئے ۱۲۴ جب ہاتھ بڑھا پاؤں پر کٹ کٹ کے سر آئے
گر سینے تک آئے تو کبھی تا کسرا آئے خالی نہ پھرنے جس پہ گئے، خون میں بھرا آئے

ہر نیچہ بکلی تھا ستمگاراؤں کے حق میں

ڈوبے ہوئے تھے دوبرہنوں کی شفتی میں

اٹھتی تھی نہ ڈرے کسی خون خوار کی گردن ۱۲۵ سر خود کا ٹھک جہا تانھا، تلوار کی گردن
دو چار کے منہ کٹ گئے، دو چار کی گردن اسوار کا سر اڑ گیا، رہوار کی گردن

دو نیچے بکلی سے گزرتے تھے کمر سے

اُدھے ہوئے جاتے تھے لعین جان کے ڈر سے

دو چوٹی سی تیغوں سے قیامت نظر آئی ۱۲۶ معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی
سرکھنے کی، اعدا کے ملامت نظر آئی وہ کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی

بے وجہ نہ پھر جاتے تھے منہ اہل جفا کے

دریا کے تھپڑے تھے، ملائیے تھے قہنا کے

گردن سے بڑے کاٹ کے پسیر بھل آئے ۱۲۷ جوشن کو دکھاتے ہوئے جو ہر بھل آئے

مبار آئینہ میں تیر کے باہر بھل آئے مساہون سے دو تار برابر بھل آئے

مساہب کے نیچے کبے جھکے نہیں دیکھا

بھلی کو بندھے پانی میں رکھتے نہیں دیکھا

ہر غول میں غلطاں و تپاں تھے سرو پسیر ۱۲۸ دستانے نکھیں تھے، کہیں ڈھالیں، کہیں مغفر

جب نیچے ان دونوں کے اٹھتے تھے برابر منہ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے رستگار

رو کے انہیں طاقت یہ نہ تھی پسیر و جواں کی

صورت نظر آنے لگی تیغ دو زباں کی

غارت تھی وہ محنت جس سے دغا کر کے پھرے وہ ۱۲۹ دو ہاتھ میں سو سو کوفن کر کے پھرے وہ

سرواڑوں کے سر تن سے جدا کر کے پھرے وہ ہر غول میں ایک حشر پنا کر کے پھرے وہ

غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جہم نہیں سکتے

سرکھنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

گھوڑے تھے چلاؤ، کبھی یاں تھے کبھی واں تھے ۱۳۰ بھلی میں تو پھرتے تھے پرائیگھوں سے نہیں تھے

یاں تھے جو شب بکدرو تو اُدھر گرم مٹاں تھے بھلی تھے کسی جا تو، کہیں آبِ روں تھے

ہو سکتی تھی بھلی سے یہ شریعت نہ ہرن سے

جھوٹے تھے ہوا کے کہ بھل جاتے تھے سن سے

بے آب تھے دو دن سے پہ جانداز تھے گھوڑے ۱۳۱ ہر ترسب اڑ جانے پر تیار تھے گھوڑے

اس پار کبھی تھے، کبھی اُن پار تھے گھوڑے نقطہ تھے وہ سب فوج کو پُر کار تھے گھوڑے

دس ہیں جو مر جاتے تھے ٹاپوں سے ٹپل کے

بڑھ سکتا نہ تھا، اک بھی احاطہ سے اجل کے

ٹٹنے ہوئے سینوں کو جدھر جاتے تھے دونوں ۱۳۲ تلواروں کی موجوں سے گزر جاتے تھے، دونوں ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے، دونوں سب ہوتے تھے پسپا تو ٹھہر جاتے تھے، دونوں

اُسی ہوتی صفت دیکھ کے ہنس دیتا تھا بھائی

بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا بھائی

دُم لے کے جو گھوڑوں کو اڑاتے تھے وہ جرار ۱۳۳ اعدائے رستوں کو بھگاتے تھے وہ جرار شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرار دو کرتے تھے یکتا جیسے پاتے تھے وہ جرار

شیروں نے جو مارا بھی تو رو داروں کو مارا

جب آنکھ ملی چُن کے نموداروں کو مارا

جمعیت لشکر کو پریشاں کیا، دُم میں ۱۳۴ جو فوج کی جاں تھے، انھیں بے جاں کیا، دُم میں تلواروں سے جنگل کو، گلستاں کیا، دُم میں سرکات کے خونخواروں کو غلطاں کیا، دُم میں

بے دست تھے غلموں کو، جو بے دین سیے تھے

بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لیے تھے

دولاکھ کو دونوں نے کیا تھا سہ و بالا ۱۳۵ تیغ ایک کی چلتی تھی، تو اک بھائی کا بھالا اک بڑھ گیا، گر ایک نے گھوڑے کو بکالا دُم اُس نے لیا، اُس نے لڑائی کو سنبالا

یک جا فرس تیز قدم ہو گئے دونوں

جب بھیڑ بڑھی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا ۱۳۶ دُم بھر میں پیادوں کو پامال کر آیا جب شیر سا پہونچا وہ اُدھر، یہ اُدھر آیا جہاں آٹھی بھائی کو، جو بھائی نظر آیا

بچ بچ کے بکلتے تھے جونیزوں کے تلے سے

اک بھائی بیٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

کچھ بھائی سے بڑھ کر جو غنا کرتا تھا بھائی ۱۳۷ بچ جانے کی بھائی کے دعا کرتا تھا بھائی حق بھائی کی اُلفت کا ادا کرتا تھا بھائی ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی

تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر

کیا خوب لڑے متلک اللہ برادر

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بھائی آداب ۱۳۸ بھائی میں بھگادوں ابھی ان کو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب سینے میں چرا دل نہیں، آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ حقیقی کیا نہیں اس آب رواں کے
تاؤں میں غلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں مدتے رہے گلفام ۱۳۹ ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پتہں جہام غلش ہم کو بھی آجائے گا، پانی کا نہ لونا نام
آنکھیں تو ستمگاریوں کی تیغوں سے لڑی ہیں

چپکے رہو اماں درِ خیمے پہ گھڑی ہیں
اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل ۱۴۰ روکیں ہیں کیا تاب لعینوں کی ہے کیا دل
پہل باندھ لیں لاشوں کے ابھی ہم سر ساجل بتلایئے، پھر نہر کے لے لینے سے حاصل
دیکھو نہ ادھر پیاس سے گولا لاکھ تعب ہے
اماں ہمیں گرد و دھندہ بخشیں تو غضب ہے

انگ انگھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب ۱۴۱ ہر دم ہے رنما مستردی ماور ہیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محبوب منظور یہ تھا فسر کا، بیکے کوئی اسلوب
دیا کو بھی دیکھیں گے نہ اب انگھ اٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہر والا کو پلا کے

جھفسر کے جو پوتے ہیں تو حیدر کے نواسے ۱۴۲ کچھ ہم علی اکبر سے زیادہ نہیں پیاسے
یہ کہتے ہی روتے لگے، پھر اہل جفا سے فسر یاد کہ بچوں پہ گرمی فوج تفسا سے
خوں سر کا بہا سٹھ پہ تو گھبرا گئے دونوں
دولاکھ کی تیغوں کے تلے آگئے دونوں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ ۱۴۳ پر وے سے کھڑی تھی تھی زینہ، سوئے جنگاہ
عباس سے کہتے تھے تڑپ کر شہر ذی جہا اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیوں کر مقتل ہو دل اس رخ و محن کا
گھر لٹا ہے بھائی جری نادار بہن کا

اس بی بی کے فاقوں کے میں پلے ہوئے یہ اول ۱۳۳ دولت ہے یہی اور یہی حثمت و اقبال
 سات آٹھ برس کے ہیں ابھی کیا ہے سن و سال سب ہاتھ ملیں گے جو یہ نکل ہو گئے پامال
 تازہ یہی دو پھول ہیں جھٹکے کے چمن میں
 مرحلے گا باپ ان کی خبر سن کے وطن میں
 رو کر دم رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار ۱۳۵ میں شاہ کا دم ہوئے یہ دونوں ہیں نمک خوار
 آگاہ معویات سفر سے نہیں زہر اے دختہ زہرا مرے بیٹوں سے خبردار
 میں رکھ نہیں سکتا ہوں کہ ماموں پر فیدا ہیں
 اب تو یہی دونوں مرے پیری کے عصا ہیں
 شوہر کا تڑپنا اسے کچھ بھی نہ رہا یاد ۱۳۶ ہے مری اُفت میں کئی زینب ناشاد
 یوں بھائی پہ مدد تے کوئی کرتا نہیں اولاد ہم دیکھتے ہیں اور بہن ہوتی ہے برباد
 روئے گی وہ بیٹوں کو تو سمجھائیں گے کیوں کر
 شہ زینب دلگیر کو دکھلائیں گے کیوں کر
 عباس نے کی عرض، کلیمہ ہے دوپارا ۱۳۷ ان کو تو کسی کی نہیں، امداد گوارا
 زخمی ہوئے نہ مجھ کو نہ اکسیر کو پکارا جاتے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
 حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو
 چلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو
 حضرت نے کہا صاحبِ غیرت ہیں وہ دونوں ۱۳۸ تختِ جگر شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
 فرخامِ نستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں والدِ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
 دو لاکھ تو کیا ہیں جو کہ دروں میں گھریں گے
 بے جان دیئے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھرے گے
 بڑھنے لگے میدان کی طرف قائمِ ذی حجابہ ۱۳۹ اکبر نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
 ہے دونوں کی فرقت کا، مجھے مسدود نہ جانکاہ لاکھوں میں ہیں تنہا پوچھی اتلی کے پسر، آہ
 ریتی پہ کہیں مگر نہ پڑیں برچیاں کھٹاکر
 میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں امداد کو بھیجا کر

گھبرا کے درخیمہ سے زینب یہ پکاری ۱۵۰ سرنگے میں بکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پساری بتلاؤ کہ میں ان کی ہوں عاشق کہ تمھاری

میدان کی طرف قائم بے پر بھی نہ جاتیں

تلواروں میں عباسی دلاور بھی نہ جاتیں

زہرا کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان ۱۵۱ بھائی پر تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارمان
وہ آئے تو دوسو اس سے دل ہوگا پریشان مددے کو نہیں پھر کے لاتے ہیں میں قربان

خود روؤں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی

لاٹے بھی اٹھانے کے لیے جانے نہ دوں گی

میدان میں ہے کیا اور بجز نیندہ و شبیر ۱۵۲ مرحباؤں کی زخمی ہوئے گرفتارم دلگیر
دل کس کا چھدے تم کو لگائے جو کوئی تیر سمجھاؤ میں مددے گی کیوں روتے ہیں شبیر

باقی ہے اگر زینت تو پھر آئیں گے دونوں

غم کس لیے بکھا ہوگا جو مرجائیں گے دونوں

شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لیے آہ ۱۵۳ میں جوڑتی ہوں ہاتھ میں اب روئیں نہ رلند
ہے شرم کی کیا وجہ میں کوئندی وہ شہنشاہ سو ایسے ہوں بیٹے تو نثار شہر ذی حباہ

ممتاز ہے فدیہ ہے جو زہرا کے پسر کا

شان اس کی بڑے فخر ہو جو جد و پدر کا

باپ ان کا اگر ہوتا تو وہ سر نہ کٹاتا ۱۵۴ زہرا کے کلیجے کے عوض بر چھیاں کھاتا
بیٹوں کو یوں ہی میری طرح نذر کو لاتا اپنے کوئی عمن کو نہیں دل سے بھلاتا

جو پاس ہے جس کے وہ عطائے شہر دیں ہے

کہہ دے جے ماں جائے کہ حق کس پہ نہیں ہے

بیٹوں سے ہوتی مگر تو ہوتی آج حبدائی ۱۵۵ سر پر مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دوست اولاد لٹائی تو لٹائی کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی مٹی کھائی

کیوں روؤں میں دنیا میں جو دل بند نہیں ہیں

کیا اکشر وائل غم مرے فسر زند نہیں ہیں

یہ ذکر ابھی تھا کہ سہنگار پُنگارے ۱۵۶ لو شاہ کی ہشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے وہ لوٹتے ہیں خاک پڑ دو عرض کے تلوارے

پامالی کو ان دونوں کی اسوار بڑھیں گے

بچوں کے سراب کٹ کے نشانوں پر پڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھمرانے لگے حضرت عباس ۱۵۷ گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیر بعد یاس
مرکھولے ہوئے بیباں دیوڑھی کے جوتھیں پاس سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے اس

ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نجف پر

زینب کو چلوے کے بس اب ماتی صفت پر

ہے کاجو اک شور ہوا راندوں میں برپا ۱۵۸ زینب بھی ہنسی چوڑ کے دروازے کا پے وا
چپقتی ارے چپکے رہو، غل ہے یہ کیسا بھائی ہیں سلامت، مجھے کیوں دیتے ہو پُرسا

ہے نہ گرد و ماس، گھبرا میں گئے شبیر

پھر کون ہے زینب کا جو مہاجتیں گئے شبیر

تم روتے ہو کس واسطے میں تو نہیں روتی ۱۵۹ دامان مرو بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی
دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی دولت کوئی ماں جاتے سے پیاری نہیں ہوتی

قائم رہے اقبال محمد کے خلف کا

بس نام بھرے گھر میں نہ لؤ ماتی صفت کا

سر اپنہ نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے دسوا س ۱۶۰ اک شب کی دہن گھر میں ہے اس کا بھی نہیں پاس
شبیر تو سر پر میں جو بیٹوں سے ہوتی یاس اکسیر بری امید ہے، قاشم ہے بری اس

اب تھلد میں نانی کے فریں جاتیں گے دونوں

کیا پیٹنے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

باتیں یہ کہیں سب سے پر سنبھلا نہ دل زار ۱۶۱ تڑپا یہ کلیبہ کہ گری خاک پہ اک بار
دلیں لاشوں پہ روتے ہوئے پونچے شہر ابرار جہاں کوئی سامت کے بٹے وہ جگر انگار

کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے

گودی کے پٹے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

نُسخِ زرد تھے اور خاک میں اکودہ تھے گیشو ۱۶۲ جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مرنے سے وہ ابرو
تلواروں سے ٹکڑے تھے، وہ پتھر سے بازو مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیسرے پہلو
پھٹتا تھا جگر آنکھ نہ ٹھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پر زبانی نکل آئی تھیں عطش سے

ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ ہیمسٹر ۱۶۳ ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے شہرِ مہدر
چھوٹے سے بڑے نے کہا یہ ہوش میں ہو کر بالیں پہ حضور آئے ہیں، چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم، سیدِ ذی حباہ کو دیکھو
مرے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

نن کے یہ مداخلش سے جو چوٹ کا وہ دل انگار ۱۶۴ دونوں نے رکھا سرِ قدم شاہ پہ اک بار
اکبر سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار دشمن ہیں بہت قبلہ عالم کے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کسائیو بھائی
سرِ پیش جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے جو وہ پیارے ۱۶۵ بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سرِ پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شہرِ پکارے ماموں سے بچرتے ہوئے قسربان تھاہے
پھر کی نہ کوئی بات، سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

حضرت کے جو رونے کی مداخلش میں آئی ۱۶۶ رائدوں نے ادھر ماتی صفت گھر میں بچھائی
زینب نے کہا ہائے غضب روتے ہیں بھائی ففسہ یہ پکاری کہ دہائی ہے دہائی
لو چاک گریبان کئے آتے ہیں شبیر
معمونوں کی لاشوں کو لیے آتے ہیں شبیر

بیٹی صفت ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر ۱۶۷ سیدانیوں نے اٹھ کے ادھر کھول دیے سر
لاشوں کو لیے آئے جو گھر میں شہرِ مہدر زینب کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فسر مایا کہ لو محنتِ جگر آئے تمہارے
لو دودھ انھیں بخشو پسر آئے تمہارے

شہر نے جب دودھ کا زینٹ سے لیا نام ۱۶۸ ہر چند کیا ضبط، پہ تھڑا گیا اندام
دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام آپ ان سے رضا مند ہوں یا شاہ خوش انجام
فرمایا دل ان دونوں سے واللہ خوشی ہے

میں ان سے خوشی ہوں، مرا اللہ خوشی ہے
عاشق تھے مرے اور مرے غم خوار تھے دونوں ۱۶۹ بچے تھے مگر قادیق الاقربا تھے دونوں
اس وقت میں ماموں کے مددگار تھے دونوں حشید کی طرح صفدر و جزار تھے دونوں
موت آئے کہ داغوں سے دل اب بھر گیا زینٹ

دونوں یہ نہیں مر گئے، میں مر گیا زینٹ
افسوس کہ ان دونوں کی، دیکھی نہ جوانی ۱۷۰ میں کیا کہوں کیا صاحب ہمت تھے یہ جانی
ہوتی ہے بہت زنجیروں کو تشنہ دہانی پر ہم سے دم مرگ بھی مانگا نہیں پانی
مجھے کہ گرفتار بسم آج ہے ماموں

وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہے ماموں
ہمشیر سے یہ کہہ کے جو روئے شہر ابرار ۱۷۱ بس آگیا فرزندوں کی ہمت پر لے پیار
تھرتاتی ہوئی خاک سے اٹھی وہ دل نگار پاس آن کے لاٹوں کی بھلائی میں گئی بار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلنے لگی زینٹ
مٹھ خون بھرے چہروں سے تلنے لگی زینٹ

دیکھا جو لہو بچوں کا چھاتی اُسٹ آئی ۱۷۲ نزدیک تمام جلتے یہ اللہ کی حبائی
پر فاطمہ کے صبر کی شان اس نے دکھائی سب سے یہ کہانیاں گئی میری کماٹی
بچے مرے قسرباں ہوئے، احسان خدا کا

اے بیبیو مدقہ ہے یہ مشاہد شہدا کا
رو کر شہر والا نے کہا ہمدقے میں تم پر ۱۷۳ دم بھرا نہیں رو لو کہ یہ جہان ہی خواہر
بانو نے اشارہ کیا، اے سبط پیسہ قسربان گئی آپ بس اب جایئے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینٹ
یہ ماتم اولاد ہے، مر جائیں گی زینٹ

روتے ہوئے خیمے سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ ۱۷۳ فرزندوں کو چلاتے لگیں زینب ذی جاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ غمِ بزم کو نہیں آہ صدتے گئی جاؤ شر کو نین کے ہمسراہ
زخمی ہوئے شبیر تو جان اپنی میں دوں گی

اچھا میں تمہیں دونوں سے ماں جائے کو لوں گی
لو نیچے کا ندھو پہ دھسواے مرے پیارو ۱۷۵ اتنے ہوئے شبیر کے ہمسراہ سداوارو
گو پیاسے ہو دو دن کے یہ ہمت کو نہ ہارو یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اتارو
اتھ بیٹھو! میں صدتے گئی اتنا نہیں سوتے
اس طرح تو جاگے ہوئے دولا نہیں سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی فاضل ۱۷۶ بچو! تمہیں کیا سن کے کہیں گے شرِ عادل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں، صورتِ رسل شہادو یہ زلفیں کہ الجھتا ہے مراد دل
کیا غش میں پھوڑے سونے کا نقشہ نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں ہوتا

پھر دونوں کے سر زانو پہ رکھ کے یہ بھکاری ۱۷۷ لواب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری
بے ہوشی میں کچھ مجھ کو خبر تھی نہ تمہاری اب آنکھوں سے ٹپ ٹپ جاتی گی یہ موتیں پیاری
دُنب کو نہ دیکھا کہ اجل آگئی بچو!
ہے یہ یہ تمہیں کس کی نظر کھا گئی بچو!

بچو! تمہیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا ۱۷۸ حسرت رہی ماں نے تمہیں دولا نہ بنایا
پیدا ہوتے جس دن سے تمہیں چین نہ پایا دیکھی نہ جوانی کہ پیامِ اجل آیا
ہے ہے چین دہریں بچو لے نہ پہلے تم
جب فصلِ بہاری کے دن آئے تو چلے تم

میں روتی تھی در پر مجھے سمجھانے گئے تم ۱۷۹ دروازے پہ دم بھر کے لیے آنے گئے تم
ہے ہے دہنیں بھئی مجھے دکھلانے گئے تم پیاسے تھے مگر جانبِ دریا نہ گئے تم
جیوتی ہے وہ ماں جس کے گزر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تمہیں کہ مرجانے کے دن تھے

خاموش ایسے اب کہ تڑپتا ہے دل زار ۱۸۰ کافی ہے رلانے کو تری درد کی گفتار
 اس جس کا گرجا نہیں کوئی خسریدار فیتا ہے لیکن شرِ مظلوم کی سرکار
 افسردہ نہ ہو غمِ پُراں امید کھلے گا
 نکل جائیں گی آنکھیں وہ جہلہ تجھ کو ملے گا

مرثیہ (۱۱)

جب حضرت زینبؓ کے پسر مر گئے دونوں ۱ تھا شور کہ پیلے لب کوڑ گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑا کر گئے دونوں دربار محمدؐ میں برابر گئے دونوں
نہرا کی طرح عاشق اولاد تھی زینبؓ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؓ

دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی ۲ نے روئی، نہ ماتم کیا، نہ خاک اُڑائی
منہ سے نہ کہا یہ کہ کئی کس کی کائی پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
بھی نہ کہ ٹوٹیلے یہ پیارے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاٹھ مارے گئے کس کے

فرزند دل سے ماں کو کوئی ہوتا نہیں پیارا ۳ جن بیٹوں کی عاشق تھی انہیں بھائی پہ وارا
بے دم ہوتے دو دل پہ دم اس نے نہ مارا پوچھا نہ کہ جنت کی طرف کون سدا رہا
چادر نہ گری سرے نہ ہیں آئی جبیں پر
دو شکر کے سجدے کیے جھک جھک کے زمین پر

پوتے کے لیے آئیں جو سب بیبیاں باہم ۴ فسر مایا بھرے گھر میں مناسب نہیں ماتم
ہے نہ کہ دھاجیو کچھ مجھ کو نہیں غم مانگو یہ دعا خلق میں بھائی کا رہے دم
کونین میں رہتے رہے پیاروں کے بڑے ہیں
میں جانتی ہوں آج وہ پروان چڑھے ہیں

کچھ قائم و اکبر سے سوا ان کا نہ تھا پیلہ ۵ کیوں روؤں سلامت رہی دونوں بڑے دلدادہ
اسو ایسے پسر ہوں تو نثارِ شہر ابرار میں شاد ہوں رحم ان پر کہے ایندھ غلدار
جب تک نہ وہ مارے گئے تھے مجھ کو قلع تھا
حق بھائی کا مجھ پر تھا تو ان پر برا حق تھا

تھی مجھ کو بڑی فکر کہ کیا ہوگا اہی ۶ پر دونوں نے جوابات کہی تھی وہ نہا ہی
مرتے نہ پسر آج تو تھی ماں پہ تب اہی میں کہتی تھی جو ہوتا تھا میدان کو راہی

سردینے کورن میں نہ شہر جن و بشر جائیں

میں نے تو دعا کی تھی کہ پہلے ہی مرجائیں

کہتے ہیں بڑا نام کیا خوب وفا کی ۷ ہر ضرب پر خود قبضہ عالم نے شہر کی
سستی ہوں اُلٹ دی تھیں مغنی اہل جفا کی میں ایسی نہ تھی کچھ یہ عنایت ہے خدا کی

ہاں صاحب بہت تھے وف کر گئے دونوں

حق دودھ پلانے کا ادا کر گئے دونوں

مرنا مجھے دونوں کا مبارک کرے اللہ ۸ پائیں نظریں شکر کیں پر شہر ذی حباہ
کاشم کو تو قسمت نے دکھایا مجھے نوشاہ اب دھوم سے اپنے علی اکبر کا کروں بیاہ

تم روؤ نہ ماں ہو کے میں روئی نہیں لوگو

اکبر سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو

جب مرچکے زینب کے پسر فوج ستم میں مہم اور گلشن ہستی سے گئے باغ ارم میں
تاہیک جہاں تھا نظر مشاہد اہم میں زینب نے بڑا حال کیا بیٹوں کے غم میں

چلائی تھی دولت بڑی سب لٹ گئی لوگو

پر دیں میں فرزندوں سے میں بچٹ گئی لوگو

ان باتوں پر زینب کی حسرت کرتے تھے ماتم ۱۰ میدان میں مبارز طلبی کرتے تھے اعظم
کچھ مشورہ تھا اکبر و عباس میں باہم قاسم کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم

پر شدت برگیرے نہ یارا تھا سخن کا

نہد ماں کا کبھی دیکھتے تھے نگاہ دلہن کا

مادر کا اشارہ تھا کہ کیا قصد ہے واری ۱۱ چپکے رہو گھو گھٹ میں دلہن کرتی ہے زاری
کہتا تھا پسر جان چپا سے نہیں پیاری کچھ آپ غار میں کریں اب ان سے ہماری

اکبر کو نہ مشیر کہیں اولیٰ و فدا دیں

جی جیائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

زخمت کا سنہ منہ سے بھگتا نہ ہمارے ۱۲ فرزند بھوپتی جان کے دنیا سے بدھارے
کچھ منہ سے نہیں بولتیں یہ شرم کے مارے خوریں ہمیں غزفوں سے یہ کرتی ہیں اشارے
کیا دیکھتے ہو پیار سے صورت کو ڈوبن کی

اب سیر کرو اٹھ کے شہادت کے چمن کی
ہر چند نہیں دل کو فراق ان کا گوارا ۱۳ مجز خواہش تقدیر کچھ اس کا نہیں چارا
والشہ کہ مدد سے کلیجہ ہے دوپارا کس وقت میں افسوس ہوا بیاہ ہمارا

کیا راحت و آرام میں جلدی خلل آیا
باتیں بھی نہ کی تھیں کہ پیام اجل آیا
فق ہو گئی ماں سن کے یہ فرزند کی تفسیر ۱۴ بانو نے کہا ہائے مری بچی کی تقدیر
ناہوش تھی گھر گھٹ میں ڈوبن صورت تصویر دولا کا سنہ سن کے کلیجے پہ لگا تیسر

چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ منہ سے نہ بھلا مگر آنسو نکل آئے
جوں شمع ٹکی آتش غم فسق سے تا پا ۱۵ رنگ اٹھنے لگا چاگیا چہرے پر رنڈا پا
تصویر بنی غم کی ڈوبن بن کے سراپا پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا
پوشاک سے پیدا تھا کہ رنڈا سالہ ہے تن میں
کٹنے سے یہ ثابت تھا کلائی ہے رسن میں

آنکھوں کو رنڈا پے کا نظر آگیا سا ماں ۱۶ سینے پہ چلی وصل میں تیغ غم جبرائیل
خود ہو گئے سب ٹوندے ہوئے بال پریشاں ماتھے سے ستاروں کی طرح بکڑ گئی افشاں
وہ رشک جہن غم سے جو سر گرم فعل تھی
ہر کہ میں سہرے کے بھی پتھروں پہ غزوں تھی

غم تھا کہ کوئی دم میں یہ مسند ہوئی خالی ۱۷ اب سر پہ رنڈا پے کی بلا چرخ نے ڈالی
کچھ منہ سے نہ کہہ سکتی تھی وہ ناز کی پالی یہ ہونٹ چبائے کہ اڑی پان کی لالی
پڑتے تھے شاہ لکھنؤ سے غلام ہو کر
وہ جلتی تھی وہ مہندی لگے ہاتھوں کوئی کر

زانو پہ مجھ کا جب تانا تھا سر شرم کے مارے ۱۸ سینے سے بھل جاتے تھے آہوں کے شرارے
وہ کہتی تھی اب ناگ سے نندہ کوئی آناکے رور وکے سکینے سے یہ کرتی تھی اشارے
ہیں تاش کے جوڑے کو بس اب آگ لگا دو

سادے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لاکے پنہا دو
کھولوائے کنگنے سے بس اب ہاتھ اٹھایا ۱۹ کیوں ہائے یہ کنگنا، مجھے اماں نے پنہایا
بیٹی کو رنڈا پے کی مصیبت میں پنہایا کیا ان کا بچاڑا، جو دہن مجھ کو بنایا
مر جانے کی رخصت کے طلبگار ہیں مجھ سے

سو نیا تھا جنہیں وہ بھی تو بیزار ہیں مجھ سے
اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کسا چاہئے زیور ۲۰ کالی مخنی بریں ہو، اور نیلی سی چپا در
مسند مجھے اور خاک کا بستر ہے برابر قیمت میں لکھا تھا کہ پھروں شہروں میں دور
کیا کہتے مقتدر تھا عجب واہ ہمارا
جنت کے مسافر سے ہوا بیاہ ہمارا

دو لعل نے جو دیکھا کہ دہن غم سے ہے مفطر ۲۱ چلنے لگے سینے پہ غم و درد کے خنجر
اک آہ صبری، زرد ہوا چہرہ انور ٹھک کر کہا، زانو سے اٹھاؤ تو ذرا سر
للتد نہ روو تمہیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

اب پھر کے نہیں آنے کے ہوتی ہے جدائی ۲۲ حسرت ہے کہ آواز بھی تم نے نہ سنائی
تقدیر نے، آئینہ میں صورت تو دکھائی پھر شان نہ اس معصوم رخ کی نظر آئی
لب بند ہی رکھے، در گفتار نہ کھولا
ان ترگی آنکھوں کو پھر اک بار نہ کھولا

کچھ بات کرو ہم سے کہ فرصت ہے بہت کم ۲۳ راحت سے، خوشی سے جو گذر جائے کوئی دم
اک گن میں صحبت یہ کہاں اور کہاں ہم ہو جائے گا شادی کا مکان، خانہ ماتم
نندان مصیبت تھیں رونے کو بٹے گا
اور گوشہ تربت ہمیں سونے کو بٹے گا

تولہ روئے سے دہن جسم مرا ہووے گا صد چاک ۲۴ ٹوٹیں گے مدد آن کے یاں بیاہ کی پوشاک
بھر جائے گی بس مانگ میں مندلی کے عوض خاک کنگن نہ نکلے گا کہ رسن باندھیں گے سفاک
خنجر مری گردن سے کوئی دم کوٹے گا
رند سالہ نہ تم کو، نہ کفن ہم کوٹے گا

ہم چوڑے تنہا نہ تمہیں گھر سے نکلتے ۲۵ سایے کی طرح پاس سے اک آن نہ ملتے
بس گل سے گت پائے سدا انگھوں کو ملتے کیا کیجئے ہیں تیسر چپا جان پر چلتے
سو بارہوں مدتے تو نہ حق ان کے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے ۲۶ عتو تو اکیلے ہیں ادھر فوج گھڑی ہے
دُنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے دل پاس تمہارے ہے ادھر جان لڑی ہے
کیا جانئے کیا وقت اجل ہووے گی مشکل
رخسرت میں اب دوگی تو صل ہووے گی مشکل

یک جان ستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے ۲۷ مُنٹا ہوں میں عباس کو رخصت کی طلب ہے
یاں پاس محبت ہے تو واں جائے ادب ہے فُرت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تعقد کر دوں سر کو
اُلفت تو ادھر کھینچتی ہے، موت ادھر کو

چلتی ہیں زہرا مرے گلِ پیر ہن آؤ ۲۸ سہرا مجھ دکھلانے کو بہنِ حسن آؤ
بابا کی صدا ہے کہ مرے صفتِ مشکن آؤ اس بیاہ کی غفلت کو، بنا کر کفن آؤ
بُجھتا ہے سہرا آج محمد کی لحد کا

اے لال یہی وقت ہے عتو کی مدد کا
جس وقت سنی درد کی تقریر یہ ساری ۲۹ تا دیر تو بولی نہ دُہنِ شرم کی ماری
دُکھانے رکھا پاؤں پہ جب سرمئی باری آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہن ساری
سبھی میں یہ بس عجب کو نہ سمجھائیے صاحب
کیا زور مرا غنیمت چلے جایے صاحب

ہے آپ کو منظور مرا راند بنانا ۳۰ راس آیا نہ صاحب کو مجھ بیاہ کے لانا
آتا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا رو کوں تو کہو گے، مرے کہنے کو نہ ملتا
ایسا تو کہے جاؤ کہ کب ہوگی ملاقات

دو لہانے کہا، حشر میں اب ہوگی ملاقات
گنبد رانے کہا میں تمہیں داس پاؤں گی کیوں کر ۳۱ وہ بولے کہ آنا طسرت چشمہ کوثر
ہوگا وہیں پیاسا شہر مظلوم کا لشکر زہرا بھی وہیں ہوں گی، وہیں ہوں گے پیمبر
صفت ہو گئی فرشتوں کی دربار ارم تک
خوری تیں پہنچاں گی فردوس میں ہم تک

فرما کے یہ مسند سے جو اٹھا وہ خوش اقبال ۳۲ بولی نہ وہیں کچھ پہ ہوا ماں کا مجب حال
چٹائی کہ مرنے کو چلا ہائے مرا لال نسیا دے مجھ راند کی کیستی ہوئی پامال
پر دس میں چھوٹے چلے جاتے ہیں دہن کو
اے بی بیو رو کو کوئی فسر زند حشر کو

داس پڑے کو زینب کے جوئے جمع حرم سب ۳۳ غل پڑ گیا لو اور قیامت یہ ہوئی اب
گنبد را کو رنڈا پے سے بچا لیمبو، یارب بیٹا نہ گیا اٹھ کے لگی پیٹنے زینب
بیٹی کے لیے غم سے موی جاتی تھی بانو
بچے کو لیے گود میں تھرتاتی تھی بانو

سب خیمہ قاشم میں جو آئے ہر دل زار ۳۴ دو لہانہ نظر آیا انھیں باندھے ہوئے اختیار
رضعت ہوا مادر سے یہ کہہ کر وہ دل انگار اس وقت رہی آپ فدا میں سے خبردار
جو بات مناسب ہو وہ سمجھاؤ ان کو
لاش کتے جو میری تو نہ دکھلاؤ ان کو

ڈیوڑھی پر یہ تقریر کھڑے تھے سرور ۳۵ عباس سے فرمایا کہ اے حبیبی برادر
قاسم سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقتدر رائد اب ہوئی ایک رات کی بیاہی بری دختر
اب میر ہو کیوں کر دل مضطر ہے ہمارے
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

بس اتنے میں قدموں پر گرا آن کے نوشاہ ۳۶ کی عرض کر مرنے کی رضا دیجئے اللہ
لپٹا کے گلے لے مشیر نے کی آہ فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمہ جانکاہ

پر غمیز چچا بیکس و مجبور ہے میٹا

حباً وہی اللہ کو منظور ہے میٹا

میں دیکھتا تھا تم کو جو یاد آتے تھے بھائی ۳۷ گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
ماتم بھی دکھایا ہمیں شادی بھی دکھائی تم مرنے چلے اور ہمارے اجل آئی

کیا جانتے تھے ہاتھ سے ہیں کھوئیں گے تم کو

تم ہم کو نہ روؤ گے ہمیں روئیں گے تم کو

مرنے چلے جب شان سے چلنے کے دن آئے ۳۸ ملتے میں پٹے دھوپ میں جلنے کے دن آئے
مر جلتے تھو سبزے کے گلنے کے دن آئے رت پھر مٹی جب پھولنے پھلنے کے دن آئے

افسوس مزا عالم فانی کا نہ دیکھا

کچھ تم نے ٹر بارغ جوانی کا نہ دیکھا

صدتے ہو چچا پاس تو آؤ مرے پیارے ۳۹ بیتاب ہے دل، گرد پھروں گا میں تمہارے
وہ پاؤں پہ حضرت کے ٹھکانا شرم کے مارے لپٹا کے گلے سے شہر والا یہ پٹکارے

دے مبرا لہی کہ قسید آئے جگر کو

اُمت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

بیٹی کے رشتا پہ کا بھی کچھ عجب کو نہیں غم ۴۰ خوشنود اگر تو ہے تو شادی ہے یہ ماتم
ہے لکھت رزا زخم جگر کا مرے مریم مقبول مری نذر ہو اے خالقِ عالم

ہر چند کہ ہدیہ ہے یہ کیا اور میں کیسا ہوں

سو بارجیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

یہ کہہ کے کیا چاک بیتیجے گا گریباں ۴۱ خسر مایا کفن ہے یہی پوشاک مری جاں
ماں ڈیوڑھی سے چلاتی کہ اللہ نگہاں کس شان سے گھونٹے پہ چڑھے قائم دی شان

مقتل میں جو پیغم کی طرح نعرہ زن آئے

تھا شور کہ بھائی کی مدد کو حشرن آئے

۳۲ مطلع سونگ ایک عید ہوئی مرنے کی اس غنچہ وہی گو
شیراز چلا تیغ برکت خیمے سے دن کو اعدائے کہا دیکھ کے اس رشک چمن گو

نور حسن چہرہ زیبائے عیاں ہے

ہم شوکت و شان اسد اللہ یہ جواں ہے

۳۳ شمع حرم لم یزل تنقاد بالآپایا یہ کہناں ماہ و دو ہفتہ نے اُجلا
نشانے پر کمان بر میں زرد ہاتھ میں بھالا ایک سخن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
نقشہ کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا

عالم کے رقع میں نہیں ایک ورق ایسا

۳۴ تھانوی و شوکت سے عینوں کا جگر آب لڑنا تو گجا آنکھ دلانے کی نہ تھی تاب
چہرے کی لطافت پہ تعجب کی گل شاو آب غیرت سے اڑا جاتا تھا رنگ رخ مہتاب

حق نے رخ روشن کو جب نور دیا تھا

خورشید نے بھی شرم سے منہ پھیر لیا تھا

۳۵ حیران تھا شکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے گیسو ہے کہ ہالہ ہے جس میں ہے کہ قر ہے
یہ ابروؤں کی بیٹ ہے یا سخن کا گھر ہے پلکیں ہیں کہ سوختہ شہباز نظر ہے

یاں دیدہ آہو بھی ٹکا ہوں سے گرے ہیں

انگلیں ہیں کہ دو شیر نیتاں میں گھرے ہیں

۳۶ بولا کوئی بے درد کہ لڑاکا ہے یہ جانباز نکلا ہے نہ سبزا نہ میں ہیں ابھی آغاز
تیور میں مگر شیر کی چتون کا ہے انداز برگشتہ ہے اس سے فلک تفرقہ پرواز

آتی ہے مہک بیاہ کے پھولوں کی بدن سے

کس وقت میں دولا کو چھڑاتا ہے ٹولہن سے

۳۷ گذری جو شب عقد تو قسمت نے لڑایا ۳۷ جلے تھے خوشی میں مگر آرام نہ پایا
قسمت نے اُسے سندھ شادی سے اٹھایا مرنے کے سوا اور ہے کو نہ بن آیا

دیجھا ہے ٹولہن کو جو محبت کی نظر سے

ب دیکھتے ہیں مجھے کو حسرت کی نظر سے

حسنِ حسن و شانِ حسین ہے نمودار ۴۸ کیا بیاہ کے جوئے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
ہے دستِ خانی میں عجب شان سے تلوار کرتی ہے زرہ خوبی اندام کو اظہار
باندھا ہے کر بندہ شہرِ عقدہ کشا کا

عالم ہے سر پر حسنِ سبز قبا کا
فانوس میں ہے شمع کہ ہے رختِ بدن میں ۴۹ رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ شمع ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا

کیا گزرے گی اس ماں پر یہ فرزند ہے جس کا
رخسارہ روشن ہیں کہ دو آئینہ نور ۵۰ ٹھہرے نہ بھی جن کی مغا پر نظرِ محور
بینی کی ضیا پائے کہاں شمعِ سرِ طور گر لب کو کہیں لعل تو یہ عقل سے ہے دور
وہ سنگ ہے پھر سنگ میں گویائی کہاں سے
گویائی بھی یک سو یہ میسائی کہاں سے

خنجروں کی پائے لب ایسے دہن ایسا ۵۱ باتوں میں مزہ قند کا مشیریں سخن ایسا
ہے عکس سے ملبوس گلانی بدن ایسا قل تھا کہیں دیکھا نہیں گل پر ہن ایسا
انداز سراپا ہے عجب لطفِ بلا ہے
جنت کا چمن مانے آنکھوں کے کھلا ہے

یوسف نے یہ ترکیب یہ صورت نہیں پائی ۵۲ یہ بو یہ صباحت یہ ملاحیت نہیں پائی
ہے سر بھی خوش قد یہ قامت نہیں پائی گل نے یہ لطافت یہ نزاکت نہیں پائی
گلدستہ عالم ہے کہ مجموعہ ہے تن کا
دولہا کا پسینہ ہے کہ ہے عطرِ دہن کا

آنکھیں وہ غزلانِ خن جن پہ تصدیق ۵۳ رخسار وہ نازک کہ چمن جن پہ تصدیق
لب ایسے کہ سو لعلِ بین جن پہ تصدیق دانت ایسے کہ درہائے عدن جن پہ تصدیق
دانتوں سے لڑائے کوئی موتی کی لڑی کو
ہو جاتیں گے یا قوت کے نگ کوئی گھڑی کو

دیکھیں تو صفائی کو ذرا صاحب انصاف ۵۴ یہ شمع بجتی ہے کہ ہے گردِ شفتان
شانوں کی ہے شوکت سے عیاں شانِ حسنِ صاف ہاتھوں کے ید اللہ سے پوچھے کوئی ادھات

پنچے کے لیے ہیں، نہ کلاتی کے لیے ہیں
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کے لیے ہیں

ہر چند کہ ملبوس میں مستور ہے سینہ ۵۵ روشن صفتِ روشنی طور ہے سینہ
ظاہر ہے کہ اک آئینہ نور ہے سینہ اللہ کے اسرار سے معمور ہے سینہ

نے بدر میں یہ نور، نہ یہ مہر میں صوبے
نیک تو ستارا ہے، گریباں مہر تو ہے

باریک ہے کیا ذہن میں، وصع کمر آئے ۵۶ سورنگ سے باندھیں اے جو شے نظر آئے
یہ فکر رسا جائے کہاں اور کدھر آئے ممکن ہی نہیں، یہ کہ عدم کی خبر آئے

واں پیکِ خسرو حکم رسانی نہیں دیتا
یاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

ثابت قدمی میں کوئی اس کا نہیں ہمسر ۵۷ تل جاتے زمین پر یہ نہیں ہٹنے کا، صغدر
ہے اس کے لیے کاغذ سے کم، کوہ کا لشکر جانباز ہے، تختِ جگر حیدرِ صغدر

زور ان کا کسی جنگ میں گھٹنے نہیں دیکھا
پچھے قدم اس کا کبھی ہٹنے نہیں دیکھا

اتنے میں رجب پڑھنے لگے قاسم نوشاہ ۵۸ آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ ید اللہ عتوہیں حسین ابن علی سیدِ ذی جاہ

میں تختِ دلِ فاطمہ کا تختِ جگر ہوں
پانی میں جسے زہر دیا، اُس کا پسر ہوں

دادی شرفِ آشیہ و مریم و سارا ۵۹ خود نور سے اپنے جسے خالق نے سنوارا
میں ہوں فلکِ عز و شرافت کا ستارا روشن ہے نسب، صورتِ خورشید ہمارا

حیدر سے جدا ہیں نہ پیغمبر سے جدا ہیں
قرآن سے ثابت ہے کہ ہم نورِ خدا ہیں

سب جلتے ہیں پختہ پاک کا رتبا ۴۰ اُدُم سے کیا پہلے، خدا نے انہیں پیدا
کی شیرِ خدا نے مددِ حضرتِ موسیٰ تھا طور پہ بھی، نورِ محمد ہی کا جلوا
داخلِ سخن اپنا یہ تعلیٰ میں نہیں ہے
روشن ہے کہ تکرارِ تجلیٰ میں نہیں ہے

عالم میں بزرگ اپنے نمودار رہے ہیں ۴۱ اسلام کی رونق کے طلبگار رہے ہیں
ہر جنگ میں سر دیئے کو تیار رہے ہیں مشکل میں رسولوں کے مددگار رہے ہیں
کام آتے ہیں ہر دکھ میں یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھٹا جس نے لیا نام ہمارا

ہم صاحبِ شمشیر ہیں ہم شیرِ جری ہیں ۴۲ ہم بندۂ مقبول ہیں، عصیاں سے بری ہیں
دُنیا سے کوئی دم میں عدم کو سفری ہیں کیا سمجھیں جو وہ مستِ نئے بے خبری ہیں
دیوے گا خدا داد جو بیداد کرو گے
بھولے ہوا بھی تو یہ بہت یاد کرو گے

جانِ دولِ زہرا کے عبث درپے جاں ہو ۴۳ کس سمت کو بیکے ہوئے پھرتے ہو، کہاں ہو
افسوس کہ جو مصعبِ ناطق کی زباں ہو سب پانی پیتیں اور وہی تشنہ وہاں ہو
ہیں سیکڑوں تسفیں علم اک جان کی خاطر
دُنیا میں یہی ہوتی ہے ہمنان کی خاطر

ستید نے جو کی ہو کوئی تفسیر تو کہہ دو ۴۴ جوڑا ہو کہاں میں جو کوئی تیر تو کہہ دو
چیمینی ہو کسی شخص کی جاگیر تو کہہ دو اُمت پہ کبھی کھینچی ہو شمشیر تو کہہ دو
تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے
اس مابروشا کرنے سدا مبر کیا ہے

آباد تھے مرجانے پہ سب ہمد و یاد ۴۵ فرمایا کہ اُمت سے لڑائی نہیں بہتر
تا بوقت پہ بابا کے لگے تیر جو ستر لے جا کے انہیں دفن کیا ماں کے برابر
کیا مبر ہے دو بجانے بے جان پڑے ہیں
میں دن کی طرح آج بھی خاموش کھڑے ہیں

تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہیں جنگ سے جاری ۶۶ باعث ہے فتنہ کہ ہے انتہا نہیں پیلری
ہے غیظ ہمارا، غضب ایزد باری جب سر مل سے رکتی نہیں تلوار ہماری
جن روزوں میں دلوں سے ہرے جنگ نشین تھی

دہشت سے بنی جان کی جانوں پر بنی تھی
وہ ظاہر و اظہر ہوا اگر معسر کہ آرا ۶۷ معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
آگاہ ہو، کس طرح کہو عسرو کو مارا مصہام کا ایک وار ہوا کس کو گوارا
واللہ اگر اک دم کو وہ مصہام عسلم ہو

ہر روح کو اُس دم ہویں ملک عدم ہو
سردار اُم، محرم اسرار محمد ۶۸ مہر و اسد اللہ کا، دلدار محمد
دلدار و دل آرام مددگار محمد مدد و ملک مالک سرکار محمد
سرور کہو اسلام کا اُس مالک نکل کو

آرام دو اک دم دل سردار رسول کو
کس کا اسد اللہ سا ہوا والد مرحوم ۶۹ حلالِ جہم مالکِ شکر ظاہر و معصوم
صدر دوسرا، رحم دل و شہرِ مہوم آسودہ ہو ہر سالک و گمراہ و محسوم
معصوم کا دلدار ہو سالار اُم ہو

اولاد کا، اس عالم و عادل کو آلم ہو
اس طرح کا والا ہم اس طرح کا سردار ۷۰ اس طرح کا عالم کا محمد اور مددگار
وہ معذر الہام احد محرم اسرار وہ اصل اصولِ کرم داور و دوار
جامیل، اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا

مارا، اگر اس کو اسد اللہ کو مارا
قبضے پہ اگر ابنِ علی ہاتھ دھرے گا ۷۱ دیکھیں گے کہ سینے کو سپر کون کرے گا
اک دم میں یہ میدانِ ستم، خوں سے بھرے گا جو تیغ سے نکالے گا دہشت سے مرے گا
شکر کو آنت دس گئے انھیں قیظ جب آیا
تیغ اسد اللہ تھینچی اور غضب آیا

اُن کا تو ہے کیا ذکر اگر حکمِ دغا دیں ۷۲ واللہ علامِ نہن کے ابھی تم کو پہنچا دیں
مُسرِب اسد اللہ کا اندازہ دکھا دیں نوسو کے سرگندوم میں تھیں پہلے آزاد دیں
دکھن میں سے میں آیا ہوں جرأتِ ہری دیکھو

سین دیکھو مر اور شجاعتِ ہری دیکھو
کیا دیر ہے منہ پر ہری شمشیر کے آؤ ۷۳ دیکھوں تو بھلا کچھ ہنسِ جگ دکھاؤ
بوللا پسر سعد سواروں سے کہ جباؤ ہاں قائمِ نوثاد کا سرکاش کے لاؤ

وامداد کا دو داغِ امامِ مدنی کو
ٹھنڈا کرو تینوں سے چراغِ حسن کو
باتوں پر نہ جاؤ، سخن ان کے ہیں اثر دار ۷۴ پیچھے نہ بیٹے پاؤں دمِ جنگِ خبردار
پہل پاتیں گے اس سرو کے کانٹے سے تبر دار سر لائے گا جو اس کا کر دیا گائے سروار

نیزوں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو
شمشیر نہ کھائے تو اسے تیسرے سے مارو

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی یک بار ۷۵ تینوں کی اٹھی موج میانِ صفتِ گفتار
ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رن میں نمودار بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیسروں کی بوجھار
بیٹھا وہ جسری تیغ بہ گفتِ اہلِ جنائیں

بھلی سی لگی کووند نے ڈھالوں کی گھٹائیں
اک برقِ اہلِ فوجِ ستمگار پہ آئی ۷۶ تیغ آئی کہ آفتِ سرِ گفتار پہ آئی
آرٹی گیا اس کو بھی جو تلوار پہ آئی دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی
راکب نہ گزرا تھا ابھی شہرِ رنگ کے نیچے
یزین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

جو جنگ کے قابل تھے ہوئے وہ نہ مقابل ۷۷ تھراتے تھے سینوں میں جگر کا پتہ / تھے دل
تلوار کا پانی تھا کہ تھا زہرِ ہلاہل کیا رشتے کہ خود قتل ہوئے جاتے تھے قاتل
مہلت نہ ٹھہرنے کی نہ دم لینے کی مہلت
بل جاتی تھی ہاں راہِ دم لینے کی مہلت

نو شاہ نے پائی تھی عجب ہمت عالی ۷۸ حملہ کیا جس صفت پہ وہ صفت ہو گئی عالی
تلوار نے آفت سرِ مختار پہ ڈالی لڑنے کے لیے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ یحییٰ پر

دو ٹکڑے نظر آئے برابر سر زیں پر
اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صفتِ اول ۷۹ دُؤ ہاتھ چلے تھے کہ اُدھر پڑ گئی ہلچل
اعداء کا گٹ زور پٹھا ڈھالوں کا بادل سرکٹ تھے یہ برجیوں بھالوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھرے تھے
اک نیزہ سران کو گھوں کے گٹ گٹ کے گرے تھے

سب سے یہ گماندار کہ رخ جنگ سے پھیرا ۸۰ چلائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا فیض سے نو شاہ کی آنکھوں میں اندھیرا نسرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
میں دست بہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

تھا مضطر و حیراں پر سرِ سعد ستگر ۸۱ پیہم یہ خبر دار خبر دیتے تھے اگر
سرداروں کے سرکٹ تھے پسپا ہوا لشکر دریا تلک آپہونچا ہے فتنہ دلِ شہر
اس شیرِ غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بھل کو تو روکا نہیں جاتا

کس طرح سے اس جاعقہ کو دار کور و گیس ۸۲ کس ڈھال پہ شمشیرِ شر بار کور و گیس
سو بھلیاں گرتی ہیں اگر اک دار کور و گیس تلوار کور و گیس کہ وہ رہوار کور و گیس
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے

اک برقی جہنم ہے تو اک سیلِ فنا ہے
گھبرا کے کہا اُس نے کہ ازرق کو بلالا ۸۳ آیا وہ جفا کا ڈسنبھالے ہوئے بھالا
بولایے عسکر ہو گیا لشکر ت و بالا گھوڑے کو مگر تو نے پرے سے نہ نکالا
جا کر کوئی اس صفت و جزو کو ملے
نزدیک ہے اگر کسی سردار کو مارے

ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ وزر و انعام ۸۴ سردار کے کام اگر شجاعوں کا یہ ہے کام
 شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے ناشام دُعا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا بڑا نام
 شور آبِ دم تیغ کا اس کے لب جو ہے
 گریاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے
 سارا جی لشکر ہے ترے نام پہ مرقوم ۸۵ ہے چار طرف آج شجاعت کی تری دھوم
 رستم سے ہوا جنگ کے فن ہیں تجھے معلوم تو جانتا ہو بے سدا پسرِ ستیزِ مسموم
 داماد کا غم دے شہِ آوارہ وطن کو
 دیکھا نہیں سر پہ تیرا شب کی دُہن کو
 یوں کہنے لگا میں بہ جبین ہو کے وہ مغرور ۸۶ لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
 اس فوج پہ تو گو کہ حکومت پہ ہے مسمور یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
 مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
 ہو جباؤں کا بدنام شجاعانِ عرب میں
 مجھ سا کوئی عالم میں نہیں اور جواں مرد ۸۷ ہوں رستم و سہراب کا ہم آدرو
 جلاؤں فلک کا ہے مرے خون سے مٹھ زرد پنگوں جیسے میدان میں زمیں سے نہ اٹھے گرد
 پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیتو کو ماروں
 شرم ہو اگر اک گزہ گراں دیو کو ماروں
 تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب ۸۸ پنجے میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
 چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو تر تاب تلوار کو کھینچوں تو جگرِ شیر کا ہو آب
 اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
 میدان میں جیتیں آئیں تو ہاں جنگ کروں میں
 بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان ۸۹ یہ شیر کا فسر زندہ ہے لڑکانہ اسے جان
 رہتا ہے بڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان جانباز ہیں مگر کبھی نہیں چھوڑتے میدان
 جب تیغ کھینچے ان کی تو سرتن سے جدا ہیں
 یہ ہاشمی و مطلبی قہسبرِ خدا ہیں

انگھان کی جھپکی نہیں لاکھوں سے دم حرب ۹۰ نے خوفِ بھلائی کو نہ رنج و الم و کرب
نوروں کے نہ سوداؤں نہ ان لوگوں کی بگ حرب ایسا کوئی جبار نہیں مشرق سے مغرب

سر لاکھوں اتر جاتے ہیں چڑھتے ہیں جورن پر

تلواریں بھی کھلتے ہیں تو ہنس ہنس کے بدن پر

اس شیر کے فرزند کے فرزند ہیں یہ شیر ۹۱ اللہ نے بھی ہے جسے عرش سے شمشیر
تلوار کھنچی ان کی تو لاشوں کے ہوئے ڈھیر یہ سب سے زبردست ہیں اور ان سے ہیں سب زیر

ہم لوگوں کی ہے موت؛ جو زندہ ہیں یہ غازی

مگر تیغ نہ ہوا شیر درندہ ہیں یہ غازی

انگھان سے دم جنگ بھلائی نہیں جاتی ۹۲ بگڑیں تو کوئی بات بنائی نہیں جاتی
فائقوں میں بھائی ہاتھوں کی صفائی نہیں جاتی مڑے سے ہیں مغرب ان کی اٹھائی نہیں جاتی

بعضے جو حسینی ہیں تو بعضے حسنی ہیں

تلوار کے مالک ہیں قیامت کے دھننی ہیں

سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے ۹۳ سوار کو پتے سے بھلانے نہیں دیتے
لٹنے میں میر چہرے پہ لانے نہیں دیتے بھاگیں تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے

یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈیٹ کر

شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

گو طفل ہیں پر تیغ زنی ارث ہے ان کا ۹۴ یہ بطن سے مادر کے جری ہوتے ہیں پیدا
جانباز ہیں ایسے کہ نہیں حیلان کی پروا بڑھ بڑھ کے ہزاروں سے دغا کرتے ہیں تنہا

طفل میں جو لڑکوں کے لیے کام چلی گئے

گھوڑا لے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے

ارزق نے کہا اگر میری راست ہے گفتار ۹۵ پر میں تو نہ لڑکے پہ کبھی کیسیں گوں گا تلوار
قتل اس کا ہے منظور تو ہیں میرے پس چار روئیں تن و زور آور و نام آور و جرار

ملہ رہے ہر ایک میری طرح جنگ کے فن کا

سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزندِ حشش کا

یہ کہہ کے بڑے بیٹے ظالم نے کہتا جا ۹۶ ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
 تو زور میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا یہ سن کے جفا جو نے لیا ہاتھ میں نیسا
 جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو بھل کے
 بھل گئے ہوئے بولے کہ چلا منہ میں اہل کے

بچنے لگے طبل و دف و نقارہ و قرنا ۹۷ گڑکا ہوا، نکلے وہ جوان، ہو چسے مرنا
 دیتا ہے شجاعوں کو مزانوں میں بھرتا ہاں تا با ابد نام رہے آج وہ کرنا
 غیرت کی ہے جا، نام بزرگوں کے بڑے ہیں
 یاں شمر و عمر و ان مشہر مظلوم کھڑے ہیں

نیز نے کا سبتگار نے آتے ہی کیا وار ۹۸ قاسم اُسے رو کر کے پکارے کہ خبردار
 پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفا کار، بھل سی ادھر سے بھی چلی تیغ شہر ربار
 روکے کہے ظالم بھی یاں تھی کبھی واں تھی
 نیزے کو جو دیکھا تو نہ بوڑھی نہ سنائی تھی

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر ۹۹ خالی دیا اس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
 دو لہانے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر دتلے بھی، سامد بھی، گرے تیغ سے کٹ کر
 نے تیغ نہ چنب، نہ کلائی نظر آئی
 اک ہاتھ میں ہاتھوں کی مفاہ نظر آئی

سہ سے گرا خود ہٹا وہ جو جھبک کر ۱۰۰ تھے بال بڑے، کھل گئے چہرے پر تلک کر
 قاسم نے پیتا اسے پنجے میں لپک کر سر سے ہوا او بچا تو دیا گھوڑے پہ پتھر
 سمجھا تھا وہ کچھ چہرے نے کچھ اور دکھایا
 گردش نے زمین کی نیا دور دکھایا

ازرق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا ۱۰۱ دن چشم ستار میں کالا نظر آیا
 سب کو رخ قاسم کا اُجالا نظر آیا یہ چاند نظر آئے، وہ ہالا نظر آیا
 حیرت تھی قوت پہ تلک ابن حسن کی
 اس زور سے ہٹا کہ زمیں ہل گئی رن کی

اک بھائی کے مرتے ہی بڑھادوسرا بھائی ۱۰۲ اُس نے بھی لڑائی میں بہت حبان لڑائی
 مُہلت نہ مگر ہاتھ سے نو شاہ کے پائی آیا وہ ادھر سے کہ ادھر سے اجل آئی
 ڈھونڈا کیے قائم بھی کہ کیا ہو گیا دشمن
 اک برق سی چلی کہ فنا ہو گیا دشمن

فسر زندِ سوم فوج سے نکلا صفت شیر ۱۰۳ تھا بجائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
 دھول سے رہی رت و بدل نیزوں کی تاویر تھا گر چہ زبردست پہ قائم نے کیا زیر
 دار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اس کا بچا کر
 رہ جاتا تھا غصے سے وہ ہونٹوں کو چب کر

لب پر جو ادھر بے ادبانہ سُمن آیا ۱۰۴ سُنتے ہی ادھر غیظ میں ابنِ حسن آیا
 اس وقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا بالائے دہاں نیزہ دندان شکن آیا
 جاں بہرِ سفر تن کی سراسر بکل آئی
 نیزے میں زباں چھد کے قلعے بکل آئی

نیزے کو دبایا تو فرس سے ابھر آیا ۱۰۵ سیدھا جو کیا ہاتھ تو بالائے سر آیا
 پھلی سا پھر بے میں تڑپتا نظر آیا قائم نے کہا نخلِ دغا میں ٹھہر آیا
 تلوار کو اُمت کے جو سردار پہ کھینچا
 خلاقِ دو عالم نے اُسے دار پہ کھینچا

چوتھے کی طرف دیکھ کے قائم یہ پکارے ۱۰۶ تو آ کہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
 تلوارِ علم کر کے چلا طیش کے مارے تھے دُشمن ادھر جنگِ ید اللہ کے مارے
 فرصت بھی نہ حربے کی ملی دشمن دیں کو

اک ضرب میں دو کر کے کیا چار نعین کو
 چاروں پھر اذوق کو نظر آئے جو بے دم ۱۰۷ اک آگِ عنابر میں بھرنے لگی اُس دم
 طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصتِ قائم باندھا کر نخس کو زنجیر سے محکم
 بیٹے ہوئے سر بر جو نہ قتالِ حرب سے
 آنکھیں پوئیں دو کاسہ خوں جوشِ غضب سے

آیا وہ بستگار سچے اسلمہ تن پر ۱۰۸ شانے پہ کہاں، رخ پہ جھلم، فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورت اثر در بر میں تو زردہ اور کمر نخس میں مختبر

کھن غیظ سے منہ میں سخن سخت زباں پر

اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عٹاں پر

نیزہ صفت مار زباں منہ سے نکالے ۱۰۹ ترکش تھا کہ باہنی میں نظر آتے تھے کالے

تلوار کا منہ ایسا کہ فولاد کو، کھالے ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے

گر زایا، فلک خاک کا پیوند ہو جس سے

چار آئینہ، وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے

اور زیر زردہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر ۱۱۰ خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جم دھر

زنجیر سے باندھے تھا کمریوں وہ بستگر حلقے میں ہو جس طرح لیے کوہ کو اثر در

وہ رشک تہمتن تو فرس پیل دماں تھا

اسوار نہ تھا، کوہ پہ اک کوہ رواں تھا

چنگ اڑ کے رن میں صفت دیو پکارا ۱۱۱ کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا

قائم نے صدادی، کہ یہ ہے کام ہمارا آفت ہے جو بیٹوں کی تو ہو مہر کہ آرا

ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا

تو ازرق شامی ہے، میں پوتا ہوں علی کا

شبیر نے ازرق کو جو آتے ہوئے دیکھا ۱۱۲ بس بیٹھ گئے تمام کے ہاتھوں سے کلیجا

فسر مایا بڑا قہر ہوا آہ کر دوں کیا وہ دیو، یہ کمزور، وہ سیراب یہ پیاسا

گر تاجہ فلک گود کے پالے پہ ہمارے

اب بیچ بڑا گیسوؤں والے پہ ہمارے

یارب مرے قائم کو اس آفت سے بچالے ۱۱۳ بیکس کو بستگر کی ضرب سے بچالے

کبر اکور نڈاپے کی معصیت سے بچالے بچے جانے جو تو اپنی عنایت سے بچالے

آمنت پہ فدا کر چکا اولاد بہن کی

یہ نعل مرے پاس امانت ہے حسن کی

یہ کہہ کے جو بیتاب ہوئے شاہ خوش اقبال ۱۱۳ غل پڑ گیا لو باغ محسن ہوتا ہے پامال
 زہرا کی بیہوشیوں نے کھول دیے بال ماں خاک پر یہ کہہ کے گری ہلتے ہرے لال
 پیٹی جو دہن سر کو تو گھبرائی سکینہ
 روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی سکینہ

یاں ہونے لگی قاسم و اذرق میں لڑائی ۱۱۵ نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خدائی
 اذرق کی تو کرتا تھا مسر مدح سرائی اکثر کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے ہرے بھائی
 اب گھوڑے کی ٹاپوں تلے پامال ہے اذرق
 تم شیر کے فرزند ہو کیا مال ہے اذرق

پہلے سے میدان میں پھرنے لگے مرکب ۱۱۶ کہہ کر دیا نوشاہ نے واؤ اس نے کیا جب
 بندھتا تھا کوئی بند نہ بننا تھا کوئی ڈھب جرات میں یہ اللہ یہ تھے اور وہ مرجب
 اُٹھتے تھے تشق گرو کے میدان بلائیں
 چنگاریاں اُڑتی تھیں سانوں سے ہوائیں

نیزوں کی ہوئی رد و بدل ان میں برابر ۱۱۷ تھک تھک گئے پسا نہ ہوا وہ نہ یہ سر پر
 گھوڑے بھی تگ و پو سے پسینے میں ہو گئے تر تھے غیظ میں نوشاہ تو غصے میں رہ کر
 وہ گونجتا تھا شیر کی مانند اُدھر سے
 یاں یا اسد اللہ کے نعرے تھے جگر سے

قاسم پر اٹھاتا تھا وہ جب نیزہ خونخوار ۱۱۸ بگرتے تھے کیجے کو پکڑ کر شہر امداد
 اُٹھتے تھے سنبھل کر تو یہ چلاتے تھے ہر بار عورتوں کے سر بان مری جان نمبر دار
 طاقت تو نہ ہوئی تھیں تشنہ دہنی سے
 سینے کو پچائے رہو نیزے کی آئی سے

نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں ۱۱۹ جن سے نہ بچیں رستم و مہراب کی جانیں
 ملے تھے پہ شانوں سے نہ گر گئیں تھیں کمانیں لڑو کہ گریں خاک پہ نیزوں کی ستائیں
 تم لاد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی لڑو کہ
 غصے سے قہاں ہوتے تیغوں کو پکڑو کہ

قائم کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر ۱۲۰ مشہور ہے دست ملک الموت یہ شمشیر
 خالی گئے نیزہ و گرز و تبر و تیر اے طفلِ مشن اب نہ بچے گا کسی تدبیر
 دو ٹکڑے کر دیا گاتھے کیتائے جہاں ہوں
 تو مور سے کزور ہے میں پیل دماں ہوں

قائم نے کہا تول کے شمشیر دو دستی ۱۲۱ اک دم میں نیزہ زور رہے گا نہ یہ مستی
 پہونچائے گی دوزخ میں تجھے کفر بدستی دیکھیں کہے ہو آج بسندی کہے پستی
 حاکم جو ادھر ہے تو ادھر شاہ نجف ہے
 شیطان ترا حامی ہے ہذا میری طرف ہے

بنی کھا کے سترنگار نے غفے سے کہا ہاں ۱۲۲ قائم نے کہا اے یہی گو ہے یہی میدان
 بولایہ اٹھائیخ کو وہ دشمنِ ایمان لے وار مار روک تو اے کو دک نادان
 تھی پاس سپر پھر بھی نہ اس وار کو روکا
 نوشاہ نے تلوار کو تلوار پہ روکا

چمکے وہی تیغ جو دشمن کو بتاتی ۱۲۳ ہٹنے کی بھی مہلت نہ سترنگار نے پائی
 اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی ظالم نے سپر سر کے پچانے کو اٹھائی
 احسن کا غل فوج کی انبوہ سے اٹھا
 معلوم ہوا ابر سیہ کوہ سے اٹھا

جاشِ صدا دیتے تھے تلوار بڑے قرباں ۱۲۴ کس شان سے کرتے ہو دغا وادہری جاں
 وہ دیو ہے ضربت کے پچانے کا رہے دھیاں ہر وقت کا موقع ہے بڑھے جاؤ نہ اس آں
 زور پر دم شمشیر کے آنے دو لعین کو
 جاتا ہے کہاں مار لیا دشمن دیں کو

یاں مغز دشمن پہ گئی تیغِ سپر ۱۲۵ مغز کو جو کاٹا تو بڑھی کاسہ سر سے
 بجلی سی چمک کز ادھر آئی جو ادھر سے گردن تھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے
 کیا ہاتھ جنت کار کو نوشاہ نے مارا
 جنتِ شور کو رجب کو یہ اللہ نے مارا

بجلی سی اٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر ۱۲۶ لکار کے قائم نے کیا نصیب
یاں خاک پہ سجدے کے لیے جھک گئے مشیر شادی سے ہوا مرغِ رخِ اکبر دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباس علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

زہرا کی صدا آئی کہ دُعا تیرے واری ۱۲۷ اور گردِ پھری رُوحِ حسن کی کئی باری
ماں دیوڑھی سے لے لے کے بلبائیں یہ پکاری قائم تیرے شربان یہ ماں درد کی ماری
میں کر چکی تھی سیدِ ذی جاہ کے صدقے
پھر اتھیں قسمت نے فید اللہ کے صدقے

زینب کا جو تھا حال بہت غم سے پریشاں ۱۲۸ پھولی نہ سہائی یہ ہوئی خرم و شاداں
بانو نے کہتا جا کے دہن سے کہ مری جاں نو شکر کا سجدہ کرو مشکل ہوئی آساں
زہرا کا ترے فسق پہ دامن رہے بیٹی
تو تا صدوی سال سہاگن رہے بیٹی

ماں خلق میں آباد تجھے چوڑے مرجائے ۱۲۹ دُعا تیرا قائم رہے تو خلق میں مکہ پائے
روتا ہوا تجھ کو کبھی اللہ نہ دکھلائے ہنستا ہوا میدانِ شہادت سے بنا آئے
بکھلتے ہوتے بر میں گلِ امتیہ کو دیکھوں
مسند پر قرآنِ مد و خورِ شید کو دیکھوں

بیٹی تھی دہنِ شکل جو رانڈوں کی بنائے ۱۳۰ تھا سوچ کر کیا دیکھتے تقدیر دکھائے
مردے جو خوشی ہونے کے قسمت نے سنائے یہ دل میں ہوئی شاد کہ آنسو نکل آتے
دُعا نہیں آئے گا یہ ہرگز نہ خبر تھی
گھونگٹ سے کبھی ماں پہ کبھی در پہ نظر تھی

کچھ کہتے ہیں، ہیں شادی و غم خلق میں تو ام ۱۳۱ معلوم نہ تھا یہ کہ بچے گی صفتِ ماتم
دُعا پہ اُدھر ٹوٹ چڑا لشکرِ ظلم تیغوں میں گھمے برجیاں چلنے لگیں پیہم
تیرے لئے ہے سچے سچے پلے جبیں پر
کٹ کٹ کر ہے ہر لمحے کے زمیں پر

زخموں کا لگا خونِ رکابوں سے لپکنے ۱۳۲ طاقت گئی رٹنے کی، لگا ہاتھ بچکنے
پانی کے لیے تن میں لگی رُوح پھوٹنے مزد مڑے سوتے خیرہ لگے یاس سے تنکے

سینے پہ بسناں، گرز لگا کا ستہ سر پہ

تیورا کے بھجکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

عتو کو صدادی کہ چچا جان خبر لو ۱۳۳ ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
دُنیا میں کوئی دم کا ہوں جہاں خبر لو تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو

ذرتِ حیدر کی یہ توقیر ہوئی ہے

پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

آوازِ حسن آنے لگی ہائے لال ۱۳۴ سبزے کی طرح گل کو ہرے کرتے ہیں پامال
گہرائی اذہر کھول دیے گوندے ہوئے بال دَوڑے طرفِ فوج شہنشاہِ خوش اقبال

داماد کا ماتم تھا، کمرِ ضعف سے خم تھی

تیغِ دو زبانِ دستِ مبارک میں علم تھی

امداد کو بھگا کر جو لگے دھونڈنے سرور ۱۳۵ پامال بے قاسمِ نوشاہِ سراسر
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر رو کر پسرِ فاطمہ نے پیٹ لیا سر

دیکھا جو حسن کو تنِ صد پاش سے بپٹے

چلائے حسینِ ابنِ علی لاش سے بپٹے

رو کر کہا ہمدتے ہو چچا مُنہ سے تو بولو ۱۳۶ کیا حال ہے اے ماہِ لقائمُند سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا مُنہ سے تو بولو گراٹہ نہیں سکتے تو بھلا مُنہ سے تو بولو

مادر کو بڑا داغ دیے جاتے ہو قاسم

بیٹی کو مری رائد کیے جاتے ہو قاسم

یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی ۱۳۷ مُنہ کھول کے حضرت کو زباںِ خشک دکھائی
خدمتہ عاتق نے یہ آواز سنائی میں سارے کوثر ہوں ترے واسطے لائی

پنی لے اے اے لعل کہ تر مُنہ خشک گلا ہو

وادِی ترے سونگے ہوئے ہونٹوں پہ فغا ہو

لب بند کیے قاسم نوشاہ نے یک بار ۱۳۸ یعنی نہ بیوں گا کہ ہیں پیاسے شہر ابرار
دنیائے سفر کر گیا وہ آئینہ رخسار لاش اُس کی چلنے کے شہر بیکس و بے یار

ڈیوڑھی پہ جو پہنچے تو کہا دیکھ کے سب کو

وہ آئے ہیں دولہا تاج تاجیں شب کو

ہے ہے بنے قاسم کا ہوا شور جو در پر ۱۳۹ بانو نے کہناٹ گئی نوگوڑی دُخستہ
فسر زند کے لاشے سڑے پلٹنے لگی ماور سریشی ڈوڑی بشہ مظلوم کی خواہر

پھر کون رہے بنت علی جب نکل آئے

خیمے میں دلہن رہ گئی اور سب نکل آئے

اک شور اٹھا ہاتے غضب مر گئے قاسم ۱۴۰ سب خون میں سرتابہ قدم بھر گئے قاسم
شہر بولے کہ برباد ہمیں کر گئے قاسم پیاسے درے گھرے لب کوثر گئے قاسم

لو خیمے میں لے جاؤ تم اس رشک چین کو

شرم آتی ہے میں منہ نہ دکھاؤں گا دلہن کو

ڈیوڑھی سے جو خیمے میں شہر بحر و بر آئے ۱۴۱ روتے ہوئے شرم سے گردن کو جھکائے
آغوش میں تھے لاشہ نوشاہ اٹھائے اکسب بھی تھے ہر لو پر را شک بہائے

خاموش آئیں اب نہیں طافہ ہے بیاں کی

حالت کہوں کس شہر سے شہر کون و مکان کی

مرثیہ (۱۲)

پھولا شفق سے چرخ پر جب لالہ زار صبح ۱ گھزار شب خزاں ہوا، آئی بہار صبح
 کرنے لگا فلک، زرا غم نثار صبح سرگرم ذکرِ حق ہوئے، طاعت گزار صبح
 تھا چرخِ اخگری پیہ رنگ آفتاب کا
 کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں مغلّاب کا
 چلتا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بہ دم ۲ مرقانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
 وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا بیجِ دھم سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ بہت، نہ کم
 کھا کھا کے اوس اور بھی سبز ہوا
 تھا موتیوں سے دامن صحرانہ ہوا
 وہ نورِ صبح اور وہ صحرانہ سبزہ زار ۳ تھے طائروں کے غول درختوں پر بے شمار
 چلتا نسیم صبح کا رہ کے بار بار گو گو وہ تسمیوں کی، وہ طاؤس کی پکار
 واسے درخت، باغ بہشتِ نعیم کے
 ہر شور وں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے
 آمد وہ آفتاب کی، وہ صبح کا سماں ۴ تھا جس کی منہ سے وجد میں طاؤس اُسمان
 ذروں کی روشنی پر بستاروں کا تماگن نہر فرات بیج میں تھی مثلِ کہکشاں
 ہر نخل پر ضیائے سر کوہِ طور تھی
 گویا فلک سے بارش بارانِ نور تھی
 اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرِ جدی ۵ کوہوں تھا سبزہ زار سے صحرانہ زردی
 ہر خشک و تر پہ تھا گرم بحسبِ سردی بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
 روکے ہوئے تھی نہر کو، آنت رسول کی
 سبزہ ہر تھا خشک تھی کمیّتِ بتوں کی

وہ پھولنا شفق کا، وہ مینائے لاجورد ۶
خمنل سی وہ گسیا، وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہولے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے، نہ گرد

دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا

سردی جگر کو دیتا تھا، سبزہ گچھار کا

تھا بس کہ روز قتل شر آسمان جناب ۷
نکلتا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ حلقہ بھی فحالت سے آب آب
دوتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر جناب

پسیا سی جو تھی سیاہ غذا، تین رات کی

ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتل شاہ ۸
ہر شو جہا رہا تھا مہینِ شہرِ روم سیاہ
گیتی کا تہلکہ تھا، یہ تھی کثرتِ سیاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گذرِ طائرِ بنگاہ

سب مستعد تھے قتل شر کائنات پر

طوفانِ آبِ تیغ اٹھا تھا فرات پر

اک صفت میں برہمچویں کی چمک تھی کہ الخذر ۹
لپکا رہے تھے ڈانڈ، سوارانِ غیرہ شر
وہ بوڑیاں جو سنگ کے دل میں کریں گذر
انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر

تھا اک گلا تو خمبر بے پیر کے لیے

وہ برہمچیاں تھیں سب تنِ شبیر کے لیے

نادک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے ۱۰
چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو، تان تان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے
دُم لیں گے جسم شاہ کو تیروں سے چھان کے

ہرگز کریں گے پاس نہ احمد کی آل کا

رہتی پہ خوں بہناتیں گے زہرا کے لال کا

جب بندھ چکیں مہین تو علم کھل گئے تمام ۱۱
غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شرِ انام
حلقے میں اہل بیت کے روتے تھے یاں امام
بپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام

بکھراتے سر کے بال حرمِ ساتھ ساتھ تھے

چٹکے میں شاہِ دین کے سکینے کے ہاتھ تھے

زینبؑ ہلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال ۱۲ نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
سینہ مجبور چاک گریباں شکستہ حال کہتی تھی مجھ پر رحم کراے فاطمہؑ کے لال
پوچھے گا کون ساتھ مجھے گا جو آپ کا
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا

زینبؑ کے اضطراب پر شہ روتے زار زار ۱۳ فرمایا اے سہی تری لغت کے میں نثار
یاد آگیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم مجھے خیال ہے
بعینا حسینؑ مجر صادق کا لال ہے

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم ۱۴ کھائیں گے تیرے ظلم لہو میں بھریں گے ہم
خلق اپنی زیرِ خیمہ قاتل دھریں گے ہم امت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اٹھاؤ فاطمہؑ کے نور عین سے
ہوئی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

یسن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر ۱۵ لپٹ لیا گلے سے سہن کو بہ چشم تر
رو کر کہتا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا چکر زینبؑ خدا کے واسطے پیو نہ اپنا سر
خامان حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

فرما کے یہ سکیٹنے کے منہ پر نگاہ کی ۱۶ گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
بولی بھلائیں لے کے وہ رخسارِ شاہ کی سمجھی میں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ کر کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے تھریں جھوڑ کے

معلوم ہو گیا کہ نہ اب آئیے گا آپ ۱۷ چھاتی پہ سونے والے کو تڑپائیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب پائیے گا آپ میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرتا قبول ہے
اچھا سدا رو گمراہ مرنا قبول ہے

مٹھ چوم کر یہ کہنے لگے شاہ خوش خصال ۱۸ صدقے عقیق لب پر ترے فاطمہ کمال
معلوم ہے حسین کو بی بی تمہارا حال کیوں کر نہ روؤں میں کہ قلع ہے مجھے کمال
ان برگِ محفل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو

سولھا پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو
تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ ۱۹ ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبگیر کو رلاؤ بی بی دعا کے واسطے نتھے سے ہاتھ اٹھاؤ
حق سے کہو بتول کے جانی پہ رسم کر
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رسم کر

ناچار شر کی گودی سے اُتری وہ رشکِ محور ۲۰ روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمین پہ روشنی آفتابِ نور پڑھنے لگے درودِ رفیقانِ ذی شعور
چھو اداوب سے پائے امامِ انام کو
ختم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

حق کے ولی، مصاحبِ سرور انس و جن ۲۱ کوئی جوان، کوئی متوسط، کوئی مُسین
فاقوں میں باحوا س لڑائی میں مطمئن کہتے تھے روزِ قتل، ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو

قربان ہوں حسین پر رن میں، تو عید ہو
وہ گورے گورے جسم، قبائیں وہ تنگ تنگ ۲۲ جن کی صف کو دیکھ کے ہوا آئینہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پر زیاں سلج جنگ جرات کا تھا یہ جوش، کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھاتے ہوئے آستین کو

اکا ابھی کہیں، تو اُلٹ دیں زمین کو
تھے اک طرف عزیز شرِ آسمان وقار ۲۳ تھا جن کی چاہ میں دل پوشت بھی بے قرار
جلیں باز، سرفروش، بہادر و فاشعار ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چمند باغِ دہر کو کیا کیا بلا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

خلق و مرقوبِ حَسَنیٰ اُن پہ ختم تھی ۲۳ حُسن اُن پہ ختم، مَخلِ بدن اُن پہ ختم تھی
زور اُن پہ ختم، تیغِ زنی اُن پہ ختم تھی ہر معرکے میں صفتِ شِکسٹی اُن پہ ختم تھی
غازی تھے، صفتِ شِکسٹی تھے، بڑی تھے، دلیر تھے

جس میں علیؑ رہے، اُسی بیشہ کے شیر تھے
اُن سب گلوں میں، اک علیؑ اکبرِ مَخلِ بدن ۲۵ تھا جس کی جامہ زہبی کا شہرہ چمن چمن
رخسارے بہم تھے، جو گیسوئے پُر شِکسٹی حیراں تھے سب کہ مل گئے کیوں کر مِلتِ ختم
مُرخِ تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو فورے تو، یمن بھی قریب تھا

کہتے تھے مُسکرا کے پدر سے یہ، دم بہ دم ۲۶ عرصہ ہے کیا سوار ہوں، اب قبلۂ اُمم
آبادۂ وفا ہے، اُدھر لشکرِ ستم دشمن اگر بہت ہیں، تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نام و برقِ تیغ سے جل جاتیں، تو سہی
دبِ دَب کے مورچوں سے نکل جاتیں تو سہی

کہتے تھے اشکِ بھر کے امامِ فلکِ جناب ۲۷ مدد تھے بڑے جلال کے، اے میرے آفتاب
دور و ز سے ملا نہیں، میرے چمن کو آب جی بھر کے دیکھ لوں علیؑ اکبرؑ ترا شباب
طاقت نہیں کلجے میں شیروں کے داغ کی
پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قصرِ بانِ احتشامِ عسکدارِ حقِ پُر وہ ۲۸ لرزاں تھا جس جری کے تہور سے دشتِ دُکوہ
سردارِ مغدروں کا، دیروں کا سرگردوہ حمزہ کا دبدبہ اسد اللہ کی سُرگدوہ
دل کا پتے تھے دیکھ کے تیورِ دلیر کے

گو یا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے
اک مومِ ہراغِ مغلِ شہر تھا جلوہ گر ۲۹ روشن تھے جن کے چہرہ انور سے دشتِ دُور
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ سر شیر نر
جراتِ نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
شعلہ چھٹا تھا سبزِ عمامے کا، دوش پر

تلوار تول تول کے دست و جفاقی میں ۳۰ کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کویدر بیضا، صفائی میں اختہر کی ضرور کھاتا تھا کنگٹا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے، تار نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں، آئینہ ماہ کو

تھے پہلے حشیں میں زینب کے دونوں لال ۳۱ گویا قسربین بدر تھے دو نجم بے مثال
کاندھوں پہ نیچے نظر آتے تھے، دو ہلال ظاہر تھا چہتوں سے ید اللہ کا جلال
نودس برس کا سن تھا، مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے، شیر تھے

دونوں یتیم حضرتِ مثل تھے کیا عقیل ۳۲ حاضر تھے باوہ، عقب سرور جلیل
اپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قلیل ہم کو فیوں کو ماریں گے، عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہب ابن زیاد پر

مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا ۳۳ یہ ظلم اک غریب پر بے کس پر یہ جفا
لے جا کے بام پر سر انور کیا جدا خندق میں تن کو پھینک دیا، اوجھبتا
ایسی کبھی وکیل پر، آفت پڑی نہیں
مستے ہیں ہم کہ لاش ابھی تک گڑی نہیں

اس فوج میں یقین ہے کہ ہووے وہ رؤسیا ۳۴ مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
منت پہ ان غریبوں کے، مطلق نہ کی نگاہ سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لے سنگ دل نے آہ
پائیں ابھی تو کشتہ تیغ و دو دم کریں
ہم بچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلِ عذار ۳۵ جو صدرِ رزیں پہ مہدرِ رحمت، ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مکوں پہ چلے سب رفیق و یار آگے بڑھے مسلم لیے عباس نام دار
پھولا ہوا چین تھا امامِ اُمم کے ساتھ
تھا اُٹھی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

اللہ رے فیض جلوۂ ابنِ شہرِ نعمت ۳۶ رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جلاتِ صفت بس یک بیک بجادِ ہل جنگ اُس طرف

جیت کر ز گئی دل اوتادِ ہل گئے

تیرِ ستم کمانوں کے چٹوں سے دل گئے

شکر سے تب بڑھا پسِ سعدِ چند گام ۳۷ چلتے ہیں رکھ کے تیر پر سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک ٹوٹے امام

ہے شاقِ مجھ کو خلق میں جینا حشین کا

کیا شاد ہوں دہن ہو، جو سینہ حشین کا

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک، ہٹا شریہ ۳۸ یک بار فوجِ شہ پر چلے دس ہزار تیسر
بے جان ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر لاشوں پہ ان کے روئے امامِ فلکِ سریر

افتادہ خاک و خون میں وہ اہل تمیز تھے

یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

جس وقت خاتمہ رفتار کا ہوا، بے خمیر ۳۹ تھے پھر تو سب عزیز، نہ تھا اس میں کوئی غیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیمان پہ وحش و طیر کرنے لگے عزیز بھی، ملکِ عدم کی سیر

ما تم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے

تینوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

راہی ٹوٹے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر ۴۰ نکلے دغا کو زینبِ ذی جاہ کے پسر
مانند شیرِ حق کیے چلے ادھر اُدھر کٹ کٹ کے نیچوں سے گرے برکتوں کے سر

اُنہیں مہینِ جدھر وہ دم جنگ پھر پڑے

آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھلے گر پڑے

ناگاہ گھر میں اُن کے فضا نے دی خبر ۴۱ لو کام آئے زینبِ ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں، اکسبر و عباس نامِ دُر روتے ہیں بھانجوں کے لیے مشاؤ بھر و بُر

رن سے سین کے بیٹوں کو شبیرِ لائیں گئے

صفتِ ماتی بچاؤ کہ لاشے اب آئیں گئے

دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل بہ اشک و آہ ۴۲ آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشکِ ماہ
مردوں کو بھانجوں کے اٹھلائے گھر میں شاہ سر پیٹے اہل بیت رسولِ فلکِ پناہ

زینبؑ مگر نہ روئی ادب سے امام کے

چپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب ۴۳ غیرت کا جوش آگیا قاسم کی ماں کو تب
کل ل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب ہم شکلِ مصطفیٰ کہیں مرنے نہ جائے اب

اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی

میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اُنھی وہ خوش خصال ۴۴ قاسم کو اپنے پاس بلایا بہت مدظل
رو کر کہا کہ اے حسنؑ مجتبیٰ کے لال کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال

جاری ہیں اشکِ خوں برے چشم پر آب سے

زینبؑ تھے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر ٹٹ رہا ہے فاطمہؑ زہرا کا ہائے ۴۵ دشمن وہ دوست ہے جو نہ میں دکھ میں کام آئے
فیوض نے یوں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے کیا قبر ہے کہ بھائی کا جانا نہ مرنے بجائے

گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے

منہ دیکھنے کو کیا تھیں پالا ہے شاہ نے

سب مرچکے امامِ دو عالم کے اقسر با ۴۶ باقی ہے کون اکبر و عباس کے ہوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں نہ لقا سران کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا

تم بھی نجل رہو گے سدا جگہ کے سامنے

شہر مائیں گے حنین بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد ۴۷ کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یلو
جلدی دہن سے مل کے سدا ہارو پئے جہاد قصر بان ہو چاہے یہی ماں کی ہے مراد

بسیا ہاتھیں بر آئی ہر اک آرزو مری

اب وہ کرو کہ جس میں رہے اکبر و مری

مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ شگفتہ ۴۸
جس میں ہزار ہوں تو چپا کر گریں زشار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں دستِ گلزار
زخمت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار

دل میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
رود کا چپائے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم
اب بھی اگر نہ دیں گے رفا سسرور اُم ۴۹
اتل مزارِ گشتہ ستم کی ہمیں قسم
زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عباس ہوں کہ اکبر عالی وقار ہوں

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دہن کے پاس ۵۰
فسر مایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
آنکھوں میں اشک اور دیکھ میں دلِ اُداس
سب مر گئے عزیز شہنشاہِ حق شناس
بستی تمام ٹٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ غرا خانہ ہو گیا

کس سے کہیں جو حالِ دلِ دردناک ہے ۵۱
اس زندگی پہ جیت ہے دنیا پہ خاک ہے
تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اب کوئی دم میں دلبرِ زہرا ہلاک ہے
آئی تب اہی آلِ نبی کے جہاز پر
فرغ ہے شامیوں کا امامِ محباز پر

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد ۵۲
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد
آفت میں آج ہے پسرِ فنیغِ محمد
صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہو دے رد
راہنی رضائے حق پہ بعد آرزو رہو

حیدر سے ہم بٹول سے تم سرخرو رہو
واللہ قتل ہوں گے جو عباس نام ور ۵۳
مرجائیں گے تہرپ کے شہنشاہِ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلقِ کٹانے کے واسطے
ہم کیا پلے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے

سوچتھیں، گلانہ کٹائیں تو کیا کریں ۵۴ فریادِ فاطمہ کی منداہیں سنا کریں
رجعت کرو تو فوجِ ستم سے دغا کریں کھولو جو لعل لب، تو گہر ہم فدا کریں

صاحب ہمیں سپردِ عروس اجل کرو

مشکل کشا کی پونی ہو، مشکل کو حل کرو

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور ۵۵ پاس اب نہ آسکیں گے، کہہ دیتے ہیں تم سے دُور
آنکھوں پہ ہیں پتیلیاں رقت کا بے وفور نرس کے پھول ہاتھ سے ملنا یہ کیا ضرور

جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے

ملبل، جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے، کیا حجاب ۵۶ ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حجاب

ایسی رواروی میں، ٹھہرنے کے کب تک تاب کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب

رستہ ہے پر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو

منزل بہت کڑی ہے یہ، جلدی روانہ ہو

اک دم کی بھی نہیں تو، بدائی ہے تم سے شاق ۵۷ کیا کیجیے نصیب میں تھا صدمہ فراق

لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق بولو زباں سے کچھ، کہ نہ رہ جائے اشتیاق

چپکی یوں ہی رہو گی تن پاشش پاشش پر

کیا بین بھی کرو گی نہ دو لہا کی لاشش پر

جب بیٹھے کلام تو، جی سننا گیا ۵۸ دل پر چھری چلی، کہ، جگر تھر تھرا گیا

منہ پر دھن کے صاف زبڑا پا سا چھا گیا ۵۹ جوشِ بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا

دُور لھا کو اتنی بات سنا کر، اک آہ کی

صورت بتاتے جاؤ ہمارے برباہ کی

سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے دن سے تم ۵۹ پیسا سا گلا کٹا کے بلو گے حسن سے تم

سوؤ گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم اچھا سلوک کرتے ہو صاحبِ مطن سے تم

اک رات کی بھی پہ جھایوں ہی، چاہیے

اے شمعِ بزمِ مہر و فطایوں ہی، چاہیے

فراؤ کیا کریں، جو نہ روئیں بہ درو دیاس ۶۰ نہ باپ کی، نہ بھائیوں کی نہ چچا کی آس
مہان ہیں جہاں میں کوئی دم وہ حق شناس سونپا تھا آپ کو، سو رہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون، پھر ہو گئے سب کے کٹ گئے

تم کیا کرو! نصیب ہمارے الٹ گئے
میں کون ہوں، بھلا جو کہو گی کہ تم نہ جاؤ ۶۱ راضی ہیں ماں تمہاری، تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اجاڑ ہو چکا، جنگل کو اب بساؤ بنجھ جائے گا، ہمارے زہد اپنے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے، رن میں تین پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے، صاحب کی لاش پر

باتیں یسین کے روتے تھے قاسم بہ حال زار ۶۲ ہن من بٹارن کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ، اسے میرے گلغزار موقع نہیں ہے دیر کا اٹھو یہ ماں نثار

کیا جانے ہو گا قبر میں کیا حال، باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع، اٹھا دلبر حسن ۶۳ برہم ہوئی وہ بزم، وہ صحبت، وہ انجمن
نس پڑ گیا کہ لگتی ہے اک رات کی دھن اس وقت سب دوڑا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیوی، زن بیوہ کے لال کی

جاتا ہے سرکٹانے کورن میں یہ رشک ماہ ۶۴ لویں نے دودھ بخش دیا سب میں گواہ
دنیا میں یادگار رہا، حشر تک یہ بیاہ دورانڈ میں ایک جاہوں، یہ تھی مرضی الہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دھن کی عزیز ہوں
کل تک کی ساس آج سے اس کی کینز ہوں

جب خیر حسین سے نکلا حسن کا لال ۶۵ دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بہ صد لال
بس گر پڑا قدم پہ، یہ کہہ کر وہ خوش خصال مطلع ثانی دیجیے رضائے حرب مجھے، بہر ذوالجلال

چلائی ماں کہ سبط ہمیں نہ روکیو
شہر نے دی صدا کہ، برادر نہ روکیو

پہلے کے اس کو چھاتی سے بولے شہر اُم ۶۶ پیارے تمہارا داغ بھی دل پر نہیں گے ہم
یہ پیش دپس ہے، منزل ہستی میں، کوئی دم تم آگے چند گام تو ہم پیچے دو قدم
کچھ غم نہیں، جو راہ ہے خجری دھار پر

ہر دم خدا کا فضل ہے، اس خاکسار پر
یہ کہہ کے دل قلق سے، بھرا آیا جو ایک بار ۶۷ روئے مثالِ ابر، شبِ آسمان وقار
ترا نسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار تسلیم کر کے قاسمِ گلِ رُو ہوا سوار
دو لہا کے نورِ رخ کی ضیا، چرخِ چمک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

پہونچا جو دم گاہ میں، وہ غیرتِ قمر ۶۸ نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا، ادھر ادھر
بولے مدد کوئی فرشتہ ہے یا بشر غورِ شید غادری کی بھی، خیرہ جہاں نظر

الذری چمک رُخ پر آبِ قتاب کی
سہرہ بنا ہوا ہے کرنِ آفتاب کی

کیوں وصلِ لب میں طلاوتِ پاکب ۶۹ ہے مدحِ خواں کو قندِ مکر ز نائے لب
شیرِ لبوں کے ہیں، لبِ شیریں فدائے لب دیکھے یہ لب، تو یوسفِ مصری، چبائے لب

ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طریق پر
دھونا زباں کو چاہیے آبِ عقیق پر

دماںِ محطِ نور کے ہیں، گوہرِ خوش آب ۷۰ براقِ اس قدر ہیں، کہ ہے برق کو حجاب
ان سے مقابلہ کی نہیں، اختروں کو تاب بتیس موتیوں کی یہ ثمرن ہے انتخاب

حیراں ہے چشمِ حور، ظہورِ ان کا دیکھ کر
دماںِ درود پڑتے ہیں، نورِ ان کا دیکھ کر

گاہِ جبِ بزمِ ۷۱ تسمِ جری ۷۱ عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں، ہم میں ہے زورِ غضبِ فری ہم سے ہے آوجِ پایہ اورنگِ مصدئی

شہرہ ہے حرب و ضربِ شبِ خاص و عام کا
مکہ ہے ششِ جہت میں ہمارے ہی نام کا

جد ہے برا امیر مرہ، شمنہ نجف ۷۲ ضرغام دیں، معین رسولانِ ماسلف
دادی جنابِ فاطمہ زہرا، ہی ذی شرف عمو حسین، صاحبِ لولاک کا خلف

میں پارہٴ دل حسنِ خوش خصال ہوں

ہیرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

اُس کا پسر ہوں اے سپہِ مصر و روم و شام ۷۳ گلزارِ فاطمہ کا ہے جو سرو سبز نام
والشہداس کا تختِ جگر ہوں میں تشنہٴ کام تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام

جان اس کی ہوں میں جس کو نہ جاگیرِ جبرلی

پہلو میں مصطفیٰ کے نہ جس کو لمحہٴ ملی

ہاگاہِ فوجِ شام سے تیسرے تم چلے ۷۴ تیر و سنان و نیزہ و خنجر ہم چلے
قاسم بھی یاں سے کیچ کے تیغِ دودم چلے اعدا پہ چھیڑ کر، فرسِ خوش قدم چلے

پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں

دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اٹھیں، کہ دن شبِ دہجور ہو گیا ۷۵ لائقِ جو برقی تیغ ہوئی، نور ہو گیا
حیراں ہر ایک، ظالمِ مقہور ہو گیا چہروں کا رنگِ خوف سے کافور ہو گیا

آئی ہنسی اجل کو بھی، اس طرح مر گئے

گھوڑوں پہ تن چڑے رہے، اور سڑتے گئے

تھا ابنِ سعد شوم کو، اُس دم بہت ہراس ۷۶ فرقِ سلاح، ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوجِ نہایت ہے بے حواس تو جا کے لڑ، تو قتل ہو شاید یہ جی شمس

رگڑتا ہے بر چھپیوں سے نہ درامِ کند سے

جلدی سناں پہ، اس کو اٹھا لے سمند سے

کہنے لگا بحر کے وہ باصدِ غرور و لاف ۷۷ تو آپ بے حواس ہے، تقصیر ہو معاف
یہ امرا بے امیر، شجاعت کے ہے خلاف ہاں تب لڑوں، اگر علی آئیں پے مصاف

فرق آئے گا، نہ میری کبھی آن بان میں

لڑ کے سے لڑ کے نامِ مشادوں جہان میں

ڈرتے ہیں صبح جری، مری جنگ جہاں سے ۷۸ رستم کا زور، آگے مرے کم ہے زال سے
ڑکتی نہیں یہ تیغ، تھمتن کی ڈھال سے ناداں ہوں کیا، لڑوں میں جو اس خورد سال

بیٹوں کو میرے بھیج کے چاروں دلیر ہیں

جنگ آڑنا ہیں، سُو رہیں، صفدر ہیں شیر ہیں

لکھا ہے چار تختے، پسر ازرق پلیس ۷۹ دشمن تو آل پاک کے، شیطان کے مرید
بولایہ ان کو دیکھ کے، وہ پسر ویزید ہاں جا کے، اُس یتیم کو جلدی کرو شبید

رلاؤ قبر میں حسن دل ملوں کو

بیوہ بنا دو دختہ سبط رسول کو

یہ چاند مجبئی کا ہے، خوں میں اسے ڈباؤ ۸۰ تلواریں مارو، زنج کرو، برچھیاں لگاؤ
انعام دوں، یہ جنگ اگر فتح کرے، آؤ سہرے سمیت کاٹ کے دوٹھا کے سر کو لاؤ

خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو

سراس کا نذر دیکھو تمہیں، ہیہ شام کو

نکلا یہ بات مٹتے ہی، اُن میں سے ایک یل ۸۱ پیچھے چلی شہر ہر کے ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے، ہودی نے کھا کے، بل ہاں لے حسن کے لال، خبردار ہو، سنبھل

کام آئے کچھ تو نام شہر ذوالفقار لے

پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار ۸۲ امداد، وقت جنگ ہے، شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہیں، سپر حفظ کردگار اور خیرہ سر، اجل تری گردن پہ ہے سوار

دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے

آگوئی وار کر، جو ارادہ وفا کا ہے

یہ سنتے ہی کہاں کو اٹھا کر، بڑھا شہر ۸۳ چلے میں تین پھال کا، جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیز دست، حسن کا مہ منیر بجلی سی آئی کوند کے، شمشیر بے نظیر

یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی

جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرنے سے نابکار ۸۳ بولے کمر میں رکھ کے، یہ شمشیر آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ، او خط اشار پکڑا کہاں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار

چلے جو کھینچنے لگے، کرکش کو تاک کے
رستم کی فوج چپ گئی، توڑنے میں خاک کے

پٹلی سے چھوٹ کر، جو چلا تیر بے اماں ۸۵ قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کہاں
پہنچتی ہے کب خدنگ اجل سے کسی کی جاں نکلا وہ تیر توڑ کے سینہ کے استخوان
اک دم میں دی شکست، خطا کو ٹوا بنے

فل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں محتاج بنے

مرکبے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں ۸۶ نکلا اُدھر سے تب پس پرانی لعین
نیزے کو تو تاتا ہوا منسرد و خشک گئیں ابرو پہ نکل، نگاہ میں قہر، اور جبین پہ چین
ہمراہ اُس کے تیغ بجف سو سوار تھے

اور اس طرف مدد کو شہر ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند ۸۷ بھلی سا کوند نے لگا دو لٹا کا بھی سمند
نیزہ اڑا کے نیچے سے، کی یہ صدا بلند کیوں تو نے دیکھے نیزہ مشکل کشا کے بند

یہ سن کے اُس نے ڈھال کو چہرے پہ لگایا
پتلی کو بے حیا کی، سناں میں پرو لیا

بے کار، کوڑ بھوکے ہوا جب وہ خیرہ سر ۸۸ پٹلی میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمین نے، کہ فی التار والشفق جا تو بسی، ہے برادر یعنی ترا چہ دھر

جز موت، کچھ شقی کو، نہ اُس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قفسِ جہنم نظر پڑا

جھپٹا برادرِ سوم، اُس کا بہ کتر و فسر ۸۹ تالے ہوئے وہ گرد گراں سرکہ اللہ
یاں بہر حفظ، دستِ یاد تھے سپر تیغ دودم کو، شیر نے ٹولا بچا کے سر

یوں دو کیا، غموں سرِ نابکار کو
جس طرح تیغ تیز اڑا دے چنار کو

مرتے ہی اُس کے فوج سے چوتھا پس بڑھا ۹۰ قاسم پکڑے، ادیل خود سر، کہ صر بڑھا
سننے ہی یہ، وہ تیغ دوم، کھینچ کر بڑھا جھنجھلا کے، مجتبیٰ کا بھی تختِ جگر بڑھا

لڑتا وہ کیا کہ تیسرا جہل کا نشا نہ تھا

اک ہاتھ میں نہ سر تھا، نہ بازو نہ شانہ تھا

بے جاں بچھے نہ ہر میں، بیٹے جو اُس کے چار ۹۱ ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار مثلِ تنورِ منو سے نکلنے لگا، بخار

جیبِ قبا کو، مثلِ کنن پھاڑتا ہوا

نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

شانے پر تھی شفی کی وہ دڑو لٹا نک کی کماں ۹۲ ارجن بھی جس سہم کے گوشے میں ہونہاں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بریں، کہ الا ماں دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخوان

کہتی تھی یہ زہر، بدن بد خصال میں

جکڑا ہے پیلِ مست کو لہے کے جال میں

آمد شفی کی دیکھ کے ٹھہرا گئے امام ۹۳ عباس نامور سے یہ رو کر کیا کلام

لو بھائی جنگِ بوچکی، قصہ ہوا تمام آیا سونے یتیم حسن، موت کا پیام

ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پیکار کے

مانگو دعا سروں سے علمائے آثار کے

یہ کہہ کے قبلہ دُوبہرے سلطانِ کائنات ۹۴ درگاہِ کبریا میں دعا کی، اٹھا کے ہات

لے خالقِ زمین و زماں، ربِ کائنات ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو لے بجات

تو حافظِ جہاں ہے، کریم و رحیم ہے

یارِ ب۔ بچا لے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

فصہ پکاری، خیمے میں اگر بہ چشمِ تر ۹۵ لوگو تھیں، یتیم حسن کی بھی ہے، خبر

آیا ہے لڑنے ازرقِ ملعون و خیرہ شر کھو لو سروں کو، اسے حرمِ شاہِ بحر و بر

عباس روتے ہیں، علی اکبر اُداس ہیں

ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبی بے حواس ہیں

نکلا یہ سب گمنام سے کہ ہے ہے حسن کے لال ۹۶ زینب نے اٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
 سینے میں ہل گیا دل بانو سے خوش خصال چلائی ماں گذر گیا، کیا میسر انونہاں

عابد کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا

قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

چلائی رو کے زوجہ جہان نوجواں ۹۷ یارب ہے تو یتیم حسن کا بھابھاں

سن کر یہ غل دِلہن کے بھی آنسو پھڑکے رواں لے کر بلائیں، ساس پکاری، کمیری جاں

خالق کرے گارحم، نہ آہ و بکا کرو

دو لہا پہ آہنی ہے، میں صدقے دعا کرو

اس اضطراب میں جو سنا، ساس کا سخن ۹۸ زانو سے سر اٹھا کے ہوئی قبلہ رو دلہن

آہستہ کی عرض کہ، اے رب ذوالمنن دشمن پہ فتح یاب ہو، تختِ دل حسن

روٹنے لگے ہیں آتش دہن تیری راہ میں

لکھ میرے ابن عم کو، تو اپنی پناہ میں

یابِ درد بنے ہوئے گوری ہے ایک شب ۹۹ دو لہا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب

اب تک تو سرم سے نہ ہلائے تھے میں کلب پر کیا کروں کہ اب ہے مری رُوح پر تعب

شبیر کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے

دو لہا سے پہلے بجکواٹھالے تو خوب ہے

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ ۱۰۰ جو آگیا پیام، رنڈا پے کا یا اللہ

یہ عقد تھا کہ موت تھی، ماتم تھا، یا کہ بیاہ بعد ان کے ہو گا خلق میں کیوں کر مرنا نہا

اٹھوں جہاں سے دلبرِ شبیر کے سامنے

عورت کی موت تو بیجا شوہر کے سامنے

فوجیں ادھر دھاکی چلیں، سوئے آسماں ۱۰۱ کل کما کے اس طرف یہ پکارا وہ بدزباں

رستم بھی ہو تو گھنچ نہیں سکتی مری کماں جوشن کو توڑتا ہے مرا تیسرے بے اماں

ہے اُس کی فتح ساتھ ہوں میں جس رئیس کے

شرم کیا ہے دیو کو، چٹکی میں پیس کے

قائم نے دی مدد کہ بس اب کر زبان کو بند ۱۰۲ اللہ کو غرور و متجربہ، ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا، ہم کو سر بلند نیزے کا بند باندھ، کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

کیا زور تیرا، اور تری ضرب، او ذلیل ۱۰۳ قرین اپنی خودیہ سفاہت کی ہے دلیل
جو ہر خود اُس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اہل کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبریل
جرات میں ہم کسی کو، بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں، وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

یہ گرز میل راہ سقندر ہے ترے لیے ۱۰۴ دست اجل ترا، یہ تبر ہے ترے لیے
برہی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لیے کالی بکارتی یہ سپر ہے ترے لیے
ضربت نہ چل سکے گی جواریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی، یہ تیغ دو دم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے، بھلا وقت دار دیگر ۱۰۵ دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں او شریر
حلقہ کہیں کہاں کا، نہ کر لے تجھے اسیر دشمن ہیں سب ترے، جنہیں سمجھا ہوا ہے تیر
اد تیرہ ڈو، بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

گو اسلحہ ہے زور مرداں سر گزار ۱۰۶ سب حربے چل سکیں گے بھلا وقت گیر دار
ہے دم میں فیصلہ، جو کھنچے تیغ آب دار لائے ہوئے ہے تن پہ عیث ایک خر کا بار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیسر کے
یہ تو نہیں ہے، کلب ہے، برق میں شیر کے

بیٹوں کے غم نے کر دیے قتل ترے حواس ۱۰۷ گہرا نہ سمجھتے ہیں تجھے بھی، انھیں کے پاس
فاقہ ہے ہم پہ ادا ہے سولہ ہسر کی پیاں آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
گم ہیں جو نور عین تو آنکھیں چسرائے ہے
ثابت ہوا، مجمل سے، کہ منہ کو چھپائے ہے

آگے ہمارے دعویٰ جرأت، خدا کی سزاں ۱۰۸ گدھی سے کھینچ لوں، ابھی بڑھ کر تری زباں
مغرور اس پہ ہے، کہ میں لڑکا ہوں تو، جوان لے میان سے، کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں

ہیں شیر، شیر خوار، جناب امیر کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں لڑکے کو چیر کے

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہ ذم الققار ۱۰۹ مرحب سا پہلوں نہ بچا وقت، کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش، اوزبوں شعار گینڈے کی ڈھال کا تھی ہے، تیغ آب دار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں، منہ پھر پھر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے، شیر کے

قایل کیا جو مصحف ناطق کے لال نے ۱۱۰ ترکر دیا اُسے عسرق انفعال نے
برجھا اٹھایا ہاتھ میں اُس بد خصال نے چیرا فرس کو قائم یوسف جہاں نے
نکھنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عباس نامدار قریب، آکھڑے ہوئے

قائم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور ۱۱۱ رہے چپا کے پاس یہ تکلیف کیا، ضرور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے، لے غیور دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دُور
بُشیار جانِ عس، کہ دم کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں، یہ تمھارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو، بار بار ۱۱۲ بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو، چپا نشان
صدقے ترے جو اس کے، لے میرے شہسوار ہاں دونوں پاؤں رکھو، رکابوں میں استوار
آنے دو اُس کو، تیغ ابھی، دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بد مزاج ہو پڑی جمی رہے

فارس ہے تم سا کون تہ چرخ چبری ۱۱۳ دکھلا رہے ہو صاحب دُلڈل کی بگڑھری
صدقے میں اے نہنگ، محیط دلاوی دکھلائے ضرب تیغ جہاں گیر حیدری
اب رو پہ گئی ہو آنکھوں سے آنکھیں لڑی ہیں
بھاری نندہ، وہ پہنے ہے، چوٹیں کڑی ہیں

بیٹا تمہیں خدا نے دیا ہے، عقل کا زور ۱۱۳ گو پہل ہے پر ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
 بہرام کی طرح سے چلا اب میان گور دیکھو گے، دیکھنے کا، فقط ہے یہ زور شور
 چلتے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کسی
 گرجے ہیں جو بہت، وہ برستے نہیں کبھی
 سن کر صدائے شیر، نگارا وہ بزدلا ۱۱۵ کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں، عازم دغا
 تیوری چڑھا کے حضرت عباس نے کہا بس ہے تجھے طفل، مری احتیاج کیا
 کچھ تجھ سے کم نبیرہ خیبر شکن نہیں
 دو، ایک سے لڑیں، یہ ہمارا چلن نہیں
 نیزہ ہلا کے جانب قائم بڑھا وہ کل ۱۱۶ دو طمانے مسکرا کے صدادی ہنسل ہنسل
 گھوڑا نہ گرے تیرے لنگر سے منہ کے بل تو ہے فرس پہ، اور تری گردن پہ ہے اجل
 ضیغ ہیں، بیشہ اسد ذوالجلال کے
 کیجوسناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے
 یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکان ۱۱۷ چمکی آئی تو برق پکاری کہ الاماں
 اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ، ہاں ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
 بل کیا کیسے کہ زور ہی موڈی کا گھٹ گیا
 فل تھا کہ اڑ رہے سے وہ اتنی لپٹ گیا
 قائم نے زور سے جو آئی پر رکھی آئی ۱۱۸ بھاگا شقی کے جسم سے زور تہمتنی
 بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آبنی تھی اس سناں کی لوک کہ میرے کی تھی آئی
 اڑ کر گری زمین پر سناں اس مکان سے
 گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے
 جھلا کے جو بہ نیزے کو لایا وہ فرق پر ۱۱۹ قائم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ، مارا بچا کے سر
 دو انگلیوں میں نیزہ دشمن کو سحام کر جھٹک دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
 نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا، نابکار کا
 دو انگلیوں سے کام لیا زوال فقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب ۱۲۰ قبضے میں لے لکھاں کیانی، بہ صد غضب
چلے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیسرے نگاہ سے، وہ خطا کا رڈ گیا

کاپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلے اتر گیا
بولایہ مسکرا کے جگر گوشہ حسن ۱۲۱ رُخ پھیر لہذا اوستم ایجا دپیل تن
چلائے بڑے کے حضرت عباس صف شکن کیا تجھ کو خوب یاد ہیں، تیرا فکری کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دھوئی ہے کچھ ابھی تو چڑھالے کمان کو

کند و گداز تیسرے نظر پر بھی کی، نظر ۱۲۲ ظالم عقاب تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
شیروں کے کاٹ ڈالے ہیں، روئیں تو کس سر ہاں اب بتا، صواب کدھر ہے، خطا کدھر

قرش کو بھینک ہے جو محبت کا جوش ہو
چلی سے لو کو حمام کے حلقہ بگوش ہو
دوسرے چلے جو طامت کے اُس پر تیر ۱۲۳ چلایا تیغ تیز کلم کر کے وہ شہر
ہاں لے حسن کے لعل بدخشاں، بدہ، بگیر نکل چمک کے یاں سے بھی، تیغ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز، جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ، فرس کے بھی تیور بدل گئے

مانند شیر غیظ میں آیا وہ پسیل تن ۱۲۴ آنکھیں اُبل پڑیں صفت آہوئے فتن
مارے زمیں پر ٹاپ کہ لرزا، تمام بن چلائے سب کہ گھوڑے پر بھی لو چڑھائے نکل
مینہیں زمیں کی اُس کی مچا پڑے ہل گئیں
دونوں کنوئیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

فر فر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے، جب جدا ۱۲۵ کہتے تھے لوگ سب کہ حد فاد، یہ بادبا
دشمن کو گھورتا ہے، دانا چا چا فل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو با وفا
دشمن کو کیا بسر دینے کی آس ہو
لڑنے لٹاریاں، یہ فرس جس کے پاس ہو

خصل کی دکانی فوج کو، دوڑا، تھا، اڑا ۱۲۶ صورت بنائی جست کی، سٹھا، جما، اڑا
دیگی زمیں کسی، کسی شونے سا، اڑا مثل سمندر بادشہ اس اڑا

جن تھا، پری تھا، سحر تھا، آہو شکار تھا
گویا ہول کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

دونوں طرف سے چلنے لگے واریک بیک ۱۲۷ دو بھلیاں دکھانے لگیں، ایک جاچک
بچنے لگے فلک کے دیکھوں سے سب ملک اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک

چہرہ پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زندگی

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے، وار رد ۱۲۸ تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانی حسد کہتا تھا بازوئے شیر دیں، یا علی مدد

یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زوہا پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زباں پر، وہ بد خصال ۱۲۹ جھپٹا مثالِ شیر زندہ، حسن کا لال
گھوڑے سے پس ملا دیا گھوڑا بہ صبر جلال اتنے ہڑے کہ لڑ گئی، اُس کی چہرے ڈھال

ادھر طغی کہ بکوش اڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں دکھ دیے سر پہ بھند کے

عباس نامدار نے پہلو سے دی صدا ۱۳۰ ہاں اب نہ جانے دیکھو، احسن مرجا
دشمن کے مارے ڈالنے کی، بس یہی ہے جا سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا بھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا کرچ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

نڈی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو ۱۳۱ بچنے آج پست کیا دست پیل کو
کیا سہم کیا، رہ عصیاں کے میل کو لوگو! شنو گرا دیا، حرفِ ثقیل کو

دو ہو گئی کسر نہیں، تیر لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے گھوڑے کی ہوا

قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمہیں غفر ۱۳۲ تسلیم کی ادب چھا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے، ہاتھوں کو جوڑ کر اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر

پشتی پہ آپ جب ہوں تو، پھر کیا ہراس ہو

کام آئے کیوں زراس، جو استاد پاس ہو

فرمایا جانِ عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد ۱۳۳ ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر، خاڑی عناد
آؤ کہ تم یہ پھونک دیں پڑھ کر، وَاَنْ يَّكْفُرَا چلائی درسے ماں کہ برائی مری مراد

بیوہ کالاں پنج گیب صدقے حسین پر

اسپند کوئی گردے مرے نور میں پر

قباس نامدار تو ہنستے چھلے ادھر ۱۳۴ یعنی خوشی کی جا کے شہر دیں کو دوں خبر
اس ہم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر یاں مٹ بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہل شر

لاکھوں سے لڑکے، پیاس سے مجبور ہو گئے

حربے ہزار ہا جو چھلے چور ہو گئے

کیوں کر تمام فوج سے اک تشہ لب لٹے ۱۳۵ اک اک لڑا زادہ، بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم، مٹل امیر مر لڑے جانا بایاں غضب کی دکھائیں غضب لڑے

جلوہ میاں تشہ دہانی دکھا دیا

بچپن میں لڑکے زور جوانی دکھا دیا

لکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے ۱۳۶ یوں آئے جیسے شیر زندہ جھپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے صف کو بچا کے آئے پھرے کو الٹ کے آئے

منہ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے

بھر کر لہو پھٹتے تھے قطرے پسینے کے

کاٹے رسالے تیغ سے کارِ مسلم لیا ۱۳۷ دستِ یمنی نے جنگ میں آرام کم لیا
پھوسٹ چہ میں تیغ و سپر کو بہم لیا تیورائے، سنبھلے، منہ سے لہو ڈلا، دم لیا

یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں

سو تیر دل کو توڑ گئے، اتنی دیر میں

آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ ۱۳۸ روکے تھی فوج تیروں سے اور برجیوں سے راہ
لشکر کے ساتھ تھا، پسر سعد روضیہ تلوار چیل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
نکل تاکہ روند ڈال ہے لشکر کے باغ کو

ہاں غازیو مجاہد و حسن کے سپہ راہ کو
تینیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر ۱۳۹ پڑتی تھیں وہ قریب سے اس ناتوان پر
تیروں پہ تیسرتے، تو کمائیں گتائیں پر حملہ تمام فوج کا تھا، ایک جان پر
یوں برجیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

غن میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرت قر ۱۴۰ مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤ سر
برجی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر گرتے تھے اسے کہ کمر پہ لگا تبر
طارق کی تیغ کھاکے پکارے امام کو
فسر یاد یا حسین، بچاؤ غلام کو

منٹے ہی استغاثہ داماد کی صدا ۱۴۱ دوڑے حسین جانب مقتل برہمنہ پا
گمبرا کے بولے حضرت عباس با وفا تلوار کس پہ چل گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
چلائی ناں، ارے جری بستی آج گئی
لے بھائی دوڑو، بن کے لڑائی بگڑ گئی

جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار ۱۴۲ بجلی گری بزدل کے لشکر پہ ایک بار
اس غیظ میں ہمیں سے جو آئے شوتے یلہ بھاگے پھر کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگ میں خوں سے زن کی زمیں لال ہو گئی
دو لہا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

دیکھتے امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں ۱۴۳ شوکے ہوئے یوں پہ ہے انٹھی ہوئی زبان
داماد سے لپٹ گئے حضرت بہ صد فعلی بے جاں ہوا حسین کے آگے وہ نیم جاں
جب لاش اٹھائی شرنے تو مجرماستوں تھے
سب چاند سے بدن پہ سوں کے نشان تھے

ڈیوڑھی پہ لاش لائے جو سلطان بحر و بر ۱۳۴
چادر کر کی تھامے تھے عباس نام ور
ملکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں آئی ہوئی

رُخ پر بڑی تھیں سہرے کی ٹٹیاں کٹی ہوئی
لاش ادھر سے لے کے چلے شاہ کربلا ۱۳۵
فہم تھی آگے آگے، تھکے سر برہنہ پا
آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چپ جلتے جس سے دُور کانا تا ہے صاحبو!
دُولہا دلہن کے لینے کو آتا ہے صاحبو!

بہنیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل بنے پہ آئیں ۱۳۶
نصرت ہوں جلد تاکہ براتی بھی چین پائیں
دل پر ہے فراق کی شمشیر تیز کو
ماں سے کہو دلہن کے بکالے جہیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی، لہو میں تر ۱۳۷
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
پینے جو صبا غروس کو بھی ہو گئی خبر
دُولہا کی لاش آئی ہے سہرے کو توڑ دو
مسند اٹ دو حجرے کے پر دے کو چھوڑ دو

یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار ۱۳۸
کہنے لگی لپٹ کے سکیٹے مگر نگار
افشاں چھڑکے خاک ملی مُنہ پہ چند بار
ہے بن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر ہو گئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

یہ کہہ کے غش ہوئی، جو قلع سے وہ نوہر گر ۱۳۹
اگر قسریہ صحن چکاری بہ چشم تر
خبر سے دوڑی بالی سکیٹے برہنہ سر
کیسی گھڑی ہے ہائے یہ اٹل کدھر گئیں
دوڑو پھو پھو، جہان سے گبرا لگد گئیں

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ مجرور ۱۵۰ اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
 بیٹی لے گئی اس کی ہمیں تھی نہ کچھ خیر اب شرم کیا ہے دیکھ لے دو لہا کو اک نظر
 زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پردہ بھی ہے
 دو لہا بھی نام کو ہے چچا کا پسری بھی ہے
 حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے باجٹم اشکبار ۱۵۱ پیٹی یہ سر کہ خشن ہوئی بانو سے دل فگار
 چادر سپید اٹھائے دہلن کو بہ حال ناز گودی میں لائے زینب عکین دستگوار
 چلائی ماں یہ بھر کے تن پاش پاش پر
 قاشم بنے اٹھو دہلن آئی ہے لاش پر
 صد نے گئی چچی کو نہ ہوئے کہیں ملال ۱۵۲ رکھو دہلن کی پیغیرہ اتھ اے حسن کے لال
 واری بس لب اٹھو کر پریشان ہے میرا حال کیسا یہ خواب ہے کہ دہلن کا نہیں خیال
 کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قسار ہو
 اس بچنے کی نیند یہ اتان زشار ہو
 جس دم دہلن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ ۱۵۳ نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی، اک جگر سے آہ
 قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشک ماہ میرا تصور غصہ ہے اے میرے بادشاہ
 بولی نہ تھی حجاب سے تعمیر وار ہوں
 اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں
 اے پارہ دل حسن اے فدیتہ حشین ۱۵۴ کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و حشین
 کیا کہہ کے روؤں اٹھ گیا اب تو جہاں سے ہیں بیوہ کوئی بکھلے تو صاحب کروں میں بین
 چوڑا دہلن کو لاش پہ رونے کے واسطے
 دو لہا بنے جسے قبر میں سونے کے واسطے
 صاحب بتا دو تمہیں رونے میں کیا کہیں ۱۵۵ بے بس کہیں، کرفدیہ راو خدا کہوں
 پسا کہیں شہید کہوں، یابست کہیں دو لہا کہوں کہ قائم ملکوں تبا کہوں
 ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
 اک شب کی رانڈ دو لہا کو کیا کہہ کے روتی ہے

کیوں رونے والو سنتے ہو آوازِ شہر و شہین ۱۵۶ اس بزمِ پاک میں ہیں یہاں نوہرِ گرِ حشیں
 منہر کے پاس فاطمہ روتی ہیں کر کے بین ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
 مختبر کو بھی قلق ہے شبِ بے وطن کو بھی
 پُرسا امام کو بھی دو تم اور حشیں کو بھی
 لکھے آئیں خوب بہ سرعت یہ چند بند ۱۵۷ لے جائے شوق سے جیسے مضمون ہو جو پسند
 ایک جلسہ ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند اس کے کرم سے ہو گا یہ دریا کبھی نہ بند
 نہسریں رواں ہیں فیضِ شہرِ شرفین کی
 پیاسو پو سبیل ہے نذرِ حشیں کی

مرثیہ (۱۳)

آمد ہے کربلا کے نیتاں میں شیر کی ۱ دیوڑھی سے چل چکی ہے، سواری دلیر کی
 جاسوس کہہ رہے ہیں، نہیں راہ پھیر کی غش آگیا ہے شکوہ ہے وجہ دیر کی
 خوش بو ہے دشت، بادِ بہاری قریب ہے
 ہوشیار غافل، کہ سواری قریب ہے

آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فردا ہے ۲ شیروں کا شیر عازم دشت نبرد ہے
 دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے بڑھ کر پے سے جواسے روکے، وہ مرد ہے
 سربر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے
 گھر میں انھیں کے اتری ہے تیغ آسمان سے

مشہور ہے جہاں میں یہ مفرد و وحید دہر ۳ جبار کے غضب کا نمونہ ہے ان کا قہر
 نرنے میں آگئی جو شجاعت کی ان کو لہر لاکھوں سے ایک وار میں یہ جھین لیں گے نہر
 فسر زند ہیں علی سے شرکائے کائنات کے
 لاشوں کے پل بند ہیں گے کناے فرات کے

ہاں نور چشم فاتحِ خلیب قریب ہے ۴ لو وارثِ کشندہِ عنتر قریب ہے
 تختِ دلِ درندہ اژدر قریب ہے جو تیغ کا دھن ہے وہ مفرد قریب ہے
 جو ہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے
 کالے انھیں کی تیغ نے، پر جبرئیل کے

یکتائے روزگار ہے، وہ شیرِ حق کا لال ۵ اک اک جری ہے شیرِ درندہ دمِ جدال
 ان سے مقابلے کی، بھلا ہے کے محال جرات وہی ہے، غیظ وہی ہے، وہی جلال
 دکھلائیں گے چلن، اسدِ کردگار کا
 گھر گھاٹ ان کی تیغ میں ہے ذوالفقار کا

ریشک چمن میں سب پہ گل سرسبد یہ ہے ۶ آفاق میں نظیر ہر بر اصد یہ ہے
ذی مرتبت ہے صاحبِ فہم و خرد یہ ہے عباس نام کیوں نہ ہو کس کا اصد یہ ہے

دیکھا نہیں جہان میں شیر اس جلال کا

دُورِ بخت ہے فاطمہ زہرا کے لال کا

اللہ رے آمد آمد عباس صفتِ مشکین ۷ لرزاں تھے کوہِ پلٹے تھے دل کا پتا تھا تن
جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا دن

یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے

گویا مقابلہ ہے جنابِ امیر سے

تھا فوجِ قساہر میں تلاطم کہ الحذر ۸ تھیں موج کی طرح سب ادھر کی صفیں ادھر
چکر میں تھی سپاہ کہ گردِ دش میں تھا بھنور پانی میں تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر

فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں منہ موڑ موڑ کے

دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پر رعبِ علم دارِ نوجواں ۹ تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشان
گوشہ لہاں کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کمان ترکش بھی تھے ہر اس میں کھولے ہوئے دہاں

تیسروں کا بے گماں تھا ارادہ گریز کا

منہ گھنٹ ہو گیا تھا ہر اک تیغِ تیسز کا

ہل چل یہ تھی کہ گردِ سواری عیاں ہوئی ۱۰ گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
آمدِ خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی آپ گئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی

روشن تھا شمعِ طور سے پرتوِ حضور کا

خلعتِ بلا زمین مقدس کو نور کا

اک شور تھا کہ آج زمینِ آسمان ہے ۱۱ صحرائے کر بلا نہیں دنیا کی جان ہے
اترا زمین پہ چاندیہ خالق کی شان ہے رضواں نے دی حد کہ خدا مرہبان ہے

پرتو ہے یہ زرخِ خلعتِ بو تراب کا

دیکھو اُلٹ گیا ہے ورقِ آفتاب کا

نفسِ نَمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال ۱۲ اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
ہے دو پہر کے بعد سدا شمس کو زوال یاں ہے وہی عروج نہ ہے حثمت و جلال

پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر

گھوڑے پر آپ ہیں کہ حقی ہے طور پر

آئینہ جبیں سے مہا آشکار ہے ۱۳ ابروئے ماورُخ کی ضیا آشکار ہے
چشمِ گہر شاں سے مہا آشکار ہے رُخ سے حلالِ شیر خدا آشکار ہے

رستم بھی چڑھ کے گانہ مُنہ پر دلیر کے

چہرہ تو خور کا ہے پیو ر ہیں شیر کے

نورِ جبیں نے جلوۂ قدرت دکھادیا ۱۴ چہرے نے حسنِ صبحِ مباحث دکھادیا
ابروئے رنگِ تیغِ شجاعت دکھادیا قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھادیا

جنگل کو بونے کو چہ گیسو بگمتی

کپڑوں سے نگہتِ غلِ فردوس آگمتی

ابرو نہیں ہے چشمِ مروت نہاد پر ۱۵ نون لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے صا پر
دید اس کی فرضِ عین ہے خوش افتاد پر قرآن ہے صبح و شام بیاض و سواد پر

سادہ نگیں حدید کا درِ نجف میں ہے

پستلی نہ جانو، درِ مکنوں حدف میں ہے

اعجازِ لب میں چشم میں سحرِ حلال ہے ۱۶ پستلی نہیں ہے چہرۂ یوسف کا خال ہے
تعریف کیا کہیں کہ دہن بے مثال ہے تقسیمِ تجز و لا تجز بڑی محال ہے

نہر لیا ہے نقطۂ فصری دہن نہیں

اسرار کو دگار میں جلتے سخن نہیں

شیریں لبوں کی مدح میں اب ناظم ہے بند ۱۷ لائے گاہ سخن میں نمک یہ کہاں سے قند
پھکی جوبات ہو وہ زباں کو نہیں پسند عالم ہے کن کے شورِ تکلم سے بہرہ مند

نے قند میں یہ لطف نہ مشائخِ نبات میں

صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات میں

بے مثل ہیں خوشا درِ دنداں کی آب و تاب ۱۸ درِ عدن کو دیتے ہیں دنداںِ مشکِ جواب
یوسف نے دیکھے تھے یہی اخترِ میانِ خواب طالع چمک گئے، مہرِ کنتاں ملاحظا
باتوں میں لب جوہر ہے اس خوشِ حصال کے

ہیروں کی چوٹ پڑتی ہے نکلوں پہ لال کے
قربانِ رونقِ خطِ رخسارِ سرخِ فام ۱۹ یہ صبح ہے حلب کی، تو گیسوِ عنق کی مشام
واللّیل، گردِ سورۃِ دانش ہے تمام گویا جنابِ نغز کا، ظلمات ہے، مقام
تفسیر خط کی، مصحفِ ایماں کے گرد ہے
دیکھو ہجومِ مورِ سلیمان کے گرد ہے

یہ خط نہیں ہے دفترِ قدرتِ بنگار ہے ۲۰ عنبرِ فانیِ قلمِ مشکِ بار ہے
لاریبِ فیہ، مصحفِ پروردگار ہے واضح یہ ہے کہ، جلد سے خطِ آشکار ہے
منہ دیکھے جس کو نور کا سورہ، نہ یاد ہو

تاریکِ شب میں پڑھ لے جو روشن سواد ہو
روشنِ گرِ زمانہ ہے، صبحِ گلو کا نور ۲۱ دیکھے اگر تو شرم سے گردنِ جھکائے خور
نور خدا کا، صاف گریباں سے ہے ظہور پروانہ شمعِ حقن پہ، جس کے چراغِ طور
بوسوں کو خوریں رہ گئی ہیں ہونٹ چاٹ کے
پریوں نے جان دی ہے نگے کاٹ کاٹ کے

شانے سپہرِ حسن کے دو آفتاب ہیں ۲۲ بازو مثالِ دستِ خدا، لا جواب ہیں
ساعدِ برائے تیغ و سپہرِ انتخاب ہیں ہاتھوں سے بادشاہِ دگر، فیضِ یاب ہیں
الئی ہے آستینِ جو حیدر کی شان سے
اُگلی ہوئی ہے تیغِ پیدائندِ میان سے

ساعدینِ زور و کہ زبردستِ زیر ہیں ۲۳ ایذا میں باحواس ہیں، فاقوں میں سیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں، ایسے دلیر ہیں پنجے کا ان کے ذکرِ جہلا کیا کہ، شیر ہیں
زہرہ ہے ڈر سے آب، کیو مرث و گویو کا
منہ پھر گیا ہے ان کے طمانچوں سے دیو کا

طاقت بھی اُن کے بازوؤں کا ایک نام ہے ۲۳ زور اُن کا خاصہ زاد، تہور غلام ہے
اقبال اُن کے گھر کا مدار المہام ہے اُن کے بلو میں، فتح و ظفر صبح و شام ہے

ہر دم قشون جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں
نصرت کو اُن کی، غاشیہ برادر ملجے ہیں

فوج اُن کی، شلن و شوکت و اقبال و جاہ ہے ۲۵ مردانگی، سلام، جلالت، سپاہ ہے
ثابت قدم ہیں یہ، دم تیغ اُن کی راہ ہے جرات ہے اُن کا ختم، شجاعت نگاہ ہے
فوجوں سے معرکے میں نشان چھین لیتے ہیں

سید ہیں اُن بان پہ، یہ جان دیتے ہیں

مہرجائیں نامراد، یہ اُن کی مراد ہے ۲۶ ناشاد ہی جہاں ہو تو دل اُن کا شاد ہے
کم اُن کے آگے، لشکر ابن زیاد ہے جو یا ہیں کافروں کے، یہ شوقِ جہاد ہے

دنیا ہواکِ طعن تو یہ کچھ جانتے نہیں
اللہ و پیغمبر کے سوا، مانتے نہیں

رہتے ہیں سب جہاں کے زیر دست و زیر دست ۲۷ لشکر تباہ کر دیئے، فوجوں کو دی شکست
دیکھا ہے شیرِ حق کی لڑائی کا بند و بست آنکھ اُن کی حق مٹا ہے نظر اُن کی حق پرست

روح الامیں پیروں کو بچھاتے ہیں فرش پر
سُر اُن کے خاک پر ہیں، ملازان کی عرش پر

یسنے کا آئینہ ہے، کدورت سے پاک صاف ۲۸ برعکس اُن سے جو وہ خدا سے ہے بر خلاف
جرات کا اُن کی قاف سے شہرہ ہے تابہ قاف سو سو صفوں کو صاف کیا ہے، دم مصاف

دعویٰ نہ ہو جسے، یہ اُسے ٹوکتے نہیں
تلوار جب چلی، تو سپر روکتے نہیں

اب کس طرح، ثبات قدم کو کروں رقم ۲۹ کاغذ پہ رُک گیا ہے، صدا دے کے یہ قلم
نصیلین پائے حضرتِ جناس کی قسم ٹل جائے کوہ، پر نہ نہیں گے جگہ سے ہم

ثابت ہوا کہ، قابلِ شرح و مباح نہیں
خامے کا ذکر کیا ہے سیاہی رواں نہیں

وصف صلاح جنگ میں اب لڑ گئی ہے جاں ۳۰ اے ذہن آج ہے تیری تیزی کا امتحان
مضمون نئے تراش تو اے خنجر زبان جو ہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغ طبع ہاں

منزل ابھی ہے دور، صفت کارزار کی
رہ جائیو نہ، تجھ کو قسم ذوالفقار کی

یہ خود آہنی نہیں، فرق جناب پر ۳۱ سر پوش نذر ہے، قدح آفتاب پر
اُبر آگیا ہے، فرق رسالت مآب پر یا تاج خسروی ہے، سر بو تراب پر
سایہ نیک آئے وہ، جو سعید زمانہ ہے

اقبال کے ہما کا، یہی آشیانہ ہے

مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہے ۳۲ حلقوں میں جس کے، حور کی پتلی کا لہر ہے
موسیقی کا ہے یہ قول، کہ قندیل طور ہے داؤد کہتے ہیں کہ، یہ جوشن زبور ہے

کثافت امر حق ہے، بیاں اس سعید کا

ہاں ترجمہ ہے، مصحف رب مجید کا

رکھتا نہیں کسی سے کدورت، یہ خوش نہاد ۳۳ الا عدوتے آلِ بيمبر سے ہے عناد
چار آئینہ ہے رحمت و انصاف و عدل و داد بس پنجتن کا نام سپر ہے دم جہاد

بن جائے گا اماں کا حصار آئینہ ہی

جوشن ہی، سپر ہی، چار آئینہ ہی

پیشانی آئینہ، رُبح جاں، پرورد آئینہ ۳۴ دوش آئینہ ہے، سینہ مہ پیکر آئینہ
برقیں دل آئینہ، جسد انور آئینہ ہر آئینہ سے بہتر و خوش تر، ہر آئینہ

بے حدود بے حساب و شمار آئینے ہیں یاں

چار آئینہ کے بدلے ہزار آئینے ہیں یاں

دستانہ ہے کہ، تیغ ید اللہ کا نبیام ۳۵ منہ میں کلائی شیر کے، یہ ہے انہیں کا کام
قالب لاف کا، فتح کا گھر و نفع کا قیام پنے میں ہے جو تیغ تو قبضے میں روم و شام

دُنیا میں کوئی اُن سے نہ افضل، نہ دین میں

تو خدا کے ہاتھ کی ہے استین میں

یہ شیرنیتانِ ولایت کے، بُر ہیں ۲۶ بیٹے میں شیرِ حق کے پلے وہ ہنر بُر ہیں
چُپ جانیو نہ ان کو یہ مختارِ صبر ہیں کوئیں اگر تو برق ہیں، مگر جیس تو اُبر ہیں

رَبِّ عَلا کا قہر انہیں کا جلال ہے

برق اُن کی تیغ ہے، تو گھٹائی دُعا ہے

روباہِ دل ہے، شیرِ زبیاں اُن کے سامنے ۲۷ لرزاں ہیں شل پیرِ جواں اُن کے سامنے
پٹے سے کم ہیں پیلِ دماں اُن کے سامنے کھلتی نہیں کسی کی زباں اُن کے سامنے

تَن پُر زے ہو گئے خاک کے پوند ہوتے ہیں

انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بند ہوتے ہیں

ہے دوشِ صُبحِ عید، شبِ قدر ہے پیر ۲۸ قدرتِ خدا کی یہ ہے، ادھر شبِ ادھر سحر
اک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گز گویا دوہنِ بنی ہوئی ہے، سیلیِ ظفر

جو خوبیاں کہ چاہیں وہ سب حصول ہیں

معشوقِ سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں

ہے وصفِ تیغ میں، سپر انداختہ زباں ۲۹ لکنت کے حرف آتے ہیں، لب پر دمِ بیان
ہیں، مثلِ برقِ جہندہ، نشرِ فشاں پیدا حُریرِ کلک ہے ہے شورِ الاماں

کیوں کر کوئی لکھے، جو مجالِ رقم نہ ہو

خامے کو خوف ہے کہ زباں سپرِ قلم نہ ہو

قد کتنا خوش نما ہے، بدن کس قدر ہے گول ۳۰ جو ہر شناس ہے تو، اسے توتیوں سے تول
مفتاحِ فتح ہے، درِ نصرت کو اس سے کھول وہ تیغ ہے، خراجِ صفا ہاں ہے جس کا مول

اُشراف کا بناؤ، رئیسوں کی شان ہے

شاہوں کی آبرو ہے، سپاہی کی جان ہے

دل سوز، شعلہِ خو، شررِ انداز، جاں گداز ۳۱ لشکر کش و شکستِ رساں و ظفرِ نواز
نحوں خوار و کجِ اداؤ، دل آزار و سرفراز حاضرِ جواب، تیزِ طبیعت، زباں دراز

سج اُس کی ہے پسند جہاں، گو سبھی نہ ہو

معشوقِ پھر نہیں ہے، جو اتنی کبھی نہ ہو

پشتہ وہ اُس کا، اور وہ باریکی خمیر ۴۲ کس بل میں بے مثال، اصالت میں بے نظیر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر یگیتی نورد، بادیہ پیا، فلک مسیر

اُس کا جلال خلق میں کس پر، جلی نہیں

کوچہ وہ کون سا ہے، جہاں پر جلی نہیں

چھوڑے اگر شعاع کی چمن نہ آفتاب ۴۳ کیا تاب ہے کہ لاسکے، اس کی چمک کی تاب
آفت کا دم ہے، قہر کی تیزی غنغب کی تاب دشمن اسے جورات کو دیکھے، میانِ خواب

بھاگے ہزار وہ، پہ نہ پادے مفر کہیں

بستر پہ دھڑک رہیں ہو، دم صبح سحر کہیں

ہے گرچہ، علم تیسریں، قادر وہ ارجمند ۴۴ لیکن کہاں نہ ساتھ ہے، نے تیر نے کمند
تیرغ دسپر ہے، یا علم شاہ سربلند سب حربے دور کے ہیں، بہادر کو ناپسند

کیما خوف ان کو، نہر پہ گر روک ٹوک ہے

نیزہ نہیں جو پاس، ہاں اس میں بھی ٹوک ہے

صدقے علم کے، حضرت عباس کے شار ۴۵ طوبی شادہ، عرش تجلِ فلک وقار
شمشاد سبز پوش گلستانِ اقتدار حمزہ کا اقتدار، تو بعقر کا استعار

جھکتا ہے جس سے عرش، یہ پایا اسی کا ہے

فلِ خدا پہ دھوپ میں سایا اسی کا ہے

دریا عجل تھا سبز سحر برے میں تھی وہ لہر ۴۶ سبزہ بھی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
دامن ہے، یارِ بان جہاز، امام دہر موچیں دکھا رہی ہیں، بہشت بریں کی نہر

پہنچے کا نور، سبز سحر برے کے ساتھ ہے

طوبی کی شاخ سبز پہ، مریم کا ہاتھ ہے

دامن وہ سبز اور وہ پہنچے کا اس کے نور ۴۷ نکلا ہوا ہے قصرِ زمر دے روئے حور
فرق جنابِ خضر پہ، روشن ہے شمع طور بے شبہ، دو امام کے ہے نور کا، ظہور

اُس کا علم یہ ہے، جو شہِ مشرقین ہے

گو یا حسن کے دوش پہ، دستِ حسین ہے

لکھتا ہے اب کیمت قلم، سرعست سمند ۴۸ آہوشکار، شیر طبیعت، و غا پسند
نازک مزاج، خوش قد و طناز و سر بلند وہ پیش و پس، وہ ستم، وہ کنوتی وہ جوڑ بند
اتری تھی اک پری، فرس تند خون تھا
سرعست بھری ہوئی تھی رگوں میں، ہونہ تھا

تنہا ہیں اس شکوہ سے عباس تشنہ لب ۴۹ اوراں پرے جملے ہیں سفاک سب کے سب
تینیں علم کئے ہیں، سپاؤ و غا طلب ڈھالوں سے اہل شام کی، دن ہو گیا تماشہ
سرسنگ روم ورے ہیں و غا پر تلے ہوئے
ہیں دور تک نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

کہتا تھا شمر آکے یہ ہر اک پرے کے پاس ۵۰ ہاں صفدران شام، خبردار باحواس
مردوں کو معرکے میں نہیں چاہیئے ہر اس بڑھنے نہ پائے حضرت عباس حق شناس
لاکھوں ہو تم وہ ایک کی پیاسے کو نوک لو
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

ہے رستی کا وقت، و غا کا مقام ہے ۵۱ مردانگی نبرد میں، مردوں کا کام ہے
عالم میں، شورِ طنطنہ فوج شام ہے حیدر کے اس نشان کو مٹا دو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عزاں چھوٹ جائے گی
مُر جائیں گے حسین کمر ٹوٹ جائے گی

پہرچی جو گوش شاہ میں، یہ شمر کی صدا ۵۲ اٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
چلائے آکے سامنے اے فوج اشقیا کاؤ خدا کے واسطے، پہلے مرا گھلا
بولا نہیں میں کچھ، جو بھرا گھرا جڑ گیا
مرا داؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

آفت میں مبتلا ہوں، اسیرِ محن بھی ہوں ۵۳ فاتحہ بھی تین دن کا ہے، تشنہ دہن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں، ضعیف بھی ہوں تنہا بھی ہوں سید بھی ہوں غریب بھی ہوں، بے وطن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیز کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا برے بازو کو توڑ کے

مشہور کائنات میں ہے، بھائیوں کا پیار ۵۴ بچپن سے میں ہوں اس پہ خدا مجھ پہ یہ نیشار
پہلو میں دل نہ ہو تو، جگر کو کہاں قرار مجھ سے جدا ہوا نہیں دم بھر، یہ نامدار

جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہاں کو

پالا ہے میں نے گود میں اس نوجواں کو

بازو سی ہے ہاتھ سی، تن کی جاں، یہی ۵۵ قوت سی، عصا سی، تاب دواں، یہی
بھائی سی، پسری، راحت رساں، یہی خادم سی، شفیق سی، مہرباں، یہی

پانی پلائے جب یہ بہشتی تو پیتے ہیں

ہم تو اسی جواں کے سہارے سے جیتے ہیں

دل کی جو تقویت ہے، تو قوت جگر کی ہے ۵۶ سینے کا ہے سرور، ضیا چشم ترک کی ہے
دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے پیری کا آسرا ہے، نشانی پر کی ہے

کیوں کر نہ روؤں، روح کا اور تن کا ساتھ ہے

طفلی کی الفتیں ہیں، لڑکپن کا ساتھ ہے

ہم دونوں میں سے، ایک پہ قربان ایک ہے ۵۷ جاں ایک ہے، دل ایک ہے، ایمان ایک ہے
جلدیں اگرچہ دو ہیں، پہ ترکان ایک ہے، قالب جدا جدا ہیں، مگر جان ایک ہے

جب روح کوچ کر گئی، پھر تن میں دم کہاں

بے جاں ہوا یہ جان بردار تو ہم کہاں

دنیا میں چھوٹے بھائی سے، پیارا نہیں کوئی ۵۸ دل کا سرور، آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
گر ہے تو یہ ہے، اور سہارا نہیں کوئی کہنے کو یوں ہیں سب پہ ہمارا نہیں کوئی

یو چھو اس سے بھائی سے، جس سے جدائی ہو

جب باپ ہو جہان میں پیدا، تو بھائی ہو

رو کر جو مستغنیث امام، بحق، ہوئے ۵۹ علم سے کیجے بھائیوں واؤں کے شق ہوئے
جو صاحب جیا تھے، وہ غرق غرق ہوئے سن کر صدا حبیب کی عباس کی، نفی ہوئے

برہمچی لگی الم کی، دل درد ناکٹ پر

نزدیک تھا کہ گر ٹپیں گھوڑے سے خاک پر

گھبرا کے معرکے سے پھر آیا وہ خوش خرام ۶۰ دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھوڑے سے کود کر، یہ پکارا وہ نیک نام آپ آئے کیا غضب یہ کیا اے فلک مقام
سر پر عامہ رکھتے ہمیشہ کے واسطے

یہ اضطراب، بندہ احقر کے واسطے
پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ گے لگو ۶۱ سینہ مرے جگر سے لگاؤ، گلے لگو
بچھڑے ہیں دیر سے، نہ رلاؤ گلے لگو تو تم بھی دست شوق بڑھاؤ، گلے لگو
آنکھوں سے آنکلیں منہ سے منہ اور لپے ملیں
اب کی جدا ہونے تو خدا جانے کب ملیں

دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند ۶۲ دنیا میں ہجر کے کئے، پہنچے نہیں گزند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رستہ اجل کا بند آتی ہے موت جب تو پھڑکتے ہیں بھائی بند
روئے جو مدتوں، تو خوشی ایک دم ہے
تھوڑے دنوں نبی دعلی بھی بہم ہے

وہ دل ہے داغدار جو، ہجر الٰہی نصیب ہے ۶۳ کوئی بعید یار سے، کوئی قریب ہے
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہے اکثر چین میں پھول نہیں، عندلیب ہے
موسم کوئی نہیں، چین روزگار میں
لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے ہیں بہار میں

فرما کے یہ، بہ شوق امام امم، بڑے ۶۴ عباس اس طرف کو جھکا کر مسلم، بڑے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو دھو دھو بڑے یہ سوئے سینہ، اور وہ سوئے قدم بڑے
دونوں پہ کوہ رنج و غم دیا سگر پڑے
گردن جھکا کے پاؤں پہ جاس گریڑے

بوئے گلے لگا کے شہنشاہ نامدار ۶۵ اے میرے یادگار پدر، میں ترے منار
پلے رہو ابھی کہ، جگر کو نہیں قرار بیٹا ملا دوجاتی سے چھاتی پھر ایک بار
تم کیا چلے کہ، زخم جگر تازہ ہو گیا
پھر آج ہم کو داغ پدر تازہ ہو گیا

زیرِ بغل تھے، دستِ شہشاہِ بھرو بر ۶۶ چھاتی سے سرنگائے تھے، عباس نامور
حضرت کاروئے پاک تھا، بھائی کے دوش پر ہچکی لگی تھی ان کو ادھر، اور انھیں ادھر
تھمتی تھی رقت ان کی، نہ زہر اگے جائے گی
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی

عباس روکے کہتے تھے، مولا نہ رویے ۶۷ صدقے غلام، اے مرے آقا نہ رویے
صدے ہے بے قرار ہیں بابا، نہ رویے سرپیشی ہیں فاطمہ زہرا نہ رویے

پردے میں کچھ، نہ آلِ نبی کے غل پڑے
ایسا غضب نہ ہو کہ سکیں نہ گل پڑے

دل تھا جوش کا، فرطِ محبت سے بے قرار ۶۸ فرمایا ہم کو گرد تو پھر نے دو ایک بار
بولے یہ کانپ کانپ، عباس با وقار بندے ہوں لاکھ مجھ سے، تو نعین پرشار
کیوں کر کہوں کہ قابلِ لطفِ امام ہوں
میں تو سکیں جان کا ادنیٰ غلام ہوں

روکر کہا جیسن نے، اے جانِ الوداع ۶۹ اچھا سدھار دے مرے ذی شان، الوداع
بھائی تمہارے عزم کے قربان، الوداع ہم بھی ہیں کوئی آن کے ہمان، الوداع
بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجھو
کوثر پہ جا بہو تو مجھے، یاد کیجھو

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہِ دیں پناہ ۷۰ تا دیر اس طرٹ رہی عباس کی نگاہ
ہم شکلِ مصطفیٰ کو پکارے، بہ آشکِ داہ آنے دیا حضور کو یاں تم نے، واہ واہ
بھولے اُسے جو کہہ کے ہم آئے تھے آپ سے
بیٹا چچا نشانہ، خبردار بابا سے

فرما کے یہ چڑھے فرس خوش حسام پر ۷۱ نعرہ تھا دم بہ دم، کہ تصدقِ امام پر
چمکا فرس کہ برقِ گری، ابرشام پر غصے سے ہاتھ شیر نے ڈالا، حسام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھر تھرا گئے
خیبر کے سرکشوں کو، عسائی یاد آ گئے

نعرہ یہ تھا کہ ہم دُور دریائے نور ہیں ۷۲ دُنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دُور ہیں
خیر رکشا کے قلب و جگر کے سرور ہیں حشر میں سخی ہیں، ولی ہیں، غیور ہیں
اپنا چلن، کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے

اب تک ہماری ضرب کا بگڑا دلوں پہ ہے
جب معرکے میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے ۷۳ دُم میں قدم اکھاڑ دیے ہیں، پہاڑ کے
روکی ہے تیغ، کفر کی بستی اُجاڑ کے پٹکا ہے گھر سے حق کے، بتوں کو اکھاڑ کے
پڑھ کر درود و فوج تلک، مدح خواں ہوئی

جب ہم گئے تو، کعبے کے اندر ازاں ہوئی
درپے ہمیں سب سے رحمت کی تلاش کے ۷۴ مکرے تلک جلا دیے، کافر کی لاش لے
چھوڑا نہ سہ بدن پر کسی بد معاش کے کائے ہمیں نے ہاتھ ہر اک بت تراش کے
ناقوس کو اٹھائے، زمین پر پٹک دیا

آتش کدوں پہ تیش کا پانی چھڑک دیا
جنگ آزما ہیں، صف شکن و قلعہ گیر ہیں ۷۵ صلوات میں دُوبے میں، عظیم النظمیر ہیں
دُنیا کے بادشاہ ہیں، گردوں سریر ہیں اس آوج پر حشین کے در کے فقیر ہیں
رُتبے پہ نعرے، نہ شجاعت پہ ناز ہے
گر ہے تو بس غلامی حضرت پہ ناز ہے

نیا کیا لڑے ہیں، خیر و بدر و تبوک میں ۷۶ یہ ہاتھ پیام میں نہڑکے ہیں نہ بھوک میں
شہرہ ہے اپنی جو دو بٹخا کا، ملوک میں حاتم سے بھی سخی ہیں، سوا، ہم سلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سردے دیا ہے بات پہ جس وقت آئے ہیں

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا مھول ۷۷ بیعت انھیں، توضیح ہمیں بھی نہیں قبول
غزازی پکارا، اونٹن و مرد و جھول لیجو نہ منہ سے نام جگر گوشہ رسول
سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گدھی سے کھینچ لوں گا زبانِ دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے تراوہ، امیرِ شام ۷۸ کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعت غلام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام او بے ادب یزید کجا اور کجا امام
دورِ رخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی مجھکا نہیں آگے کنشت کے

یہ کہہ کے لئی دلیر نے تلوار میان سے ۷۹ مسکن چھٹا ہمارے سعادت نشان سے
بکلی جو عندلیبِ ظفر آشیان سے چپکے شہزادے پھول جھڑے آسمان سے
دکھلائی شکل قہر خدائے جلیل نے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ لیے پر جبریل نے

حملہ دلیر کا، غصہ کر دگا رہتا ۸۰ گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
تلوار کو نڈتی تھی، فرس بے قرار تھا مقتل میں گرم، معرکہ کا رزار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو منہ زرد ہوتے تھے
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

وہ تیغِ جہاں گداز، بدرِ جہاں کے رہ گئی ۸۱ گردنِ مدو کی، شمعِ ہفت ڈھل کے رہ گئی
یہ غول بٹن گیا تو وہ صفتِ جل کے رہ گئی بھاگا کوئی تو ہاتھ، اجلِ کل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغِ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
نصفِ مذاکروں کی میں، تو جہنمِ جلائے گا

ہوش و حواسِ شمرِ سیہ رو، اڑا دیے ۸۲ دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اڑا دیے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے زلو اڑا دیے ڈالی کسی نے آنکھ، تو ابرو اڑا دیے
تھا نورِ چشمِ شیرِ الہی، حلال میں
پتلی مچھی ہوئی تھی، سیاہی کی ڈھال میں

بکلی سی جس پرے کی طرف آگے پھر گئی ۸۳ ناگن تھی اک، کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
ذم میں بہو زین پہ، برسا کے پھر گئی اللہ رے منہ، مضی کی مضی کھا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو لور دلیری ہوئی اُسے
سیوں لہو پیا پہ نہیری ہوئی اُسے

غصے تھا شیر کا بپتے تھے بزدلوں کے دل ۸۴ سینے میں ہو گئے تھے لہو قاتلوں کے دل
لوہے کو اُس کے مان گئے، جاہلوں کے دل کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے، بے سلوں کے دل
تھی ماہ نو، پہ پھرتی تھی بکسلی بنی ہوئی
جسکی تو زنجیروں کے لیے چپاندنی ہوئی

لڑاں ہر ایک بانی بیدا و جور تھا ۸۵ لشکر تھابے حواس، تب ہی کا طور تھا
رُخ زرد تھے، سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا نیروں کا تھانہ اوج نہ ڈھالوں کا دور تھا
کشتوں کے پٹے اور سروں کے پہاڑ تھے
فوجیں کٹی ہوئی تھیں، محلے اُجڑے تھے

گر اِس طرف بڑھا کسی بیدا و گر کا ہاتھ ۸۶ بالائے تن رہا نہ ادھر نہ ادھر کا، ہاتھ
مُکنا نہ تھا سلی وں کے پسر کا ہاتھ دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کسر کا ہاتھ
ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
اُدھافرس پہ جسم تھا، اُدھاف زین پر

تینیں پہرے کے ساتھ کٹیں، خود سس کے ساتھ ۸۷ سینہ کمر کے ساتھ کٹا، دل جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا، پسر کے ساتھ اور مہر کہ میں چھوٹ گئے، عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شہر پر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
رُوح میں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

گرتی تھی برقی تیغ جو ہر ہل اُدھرا اُدھر ۸۸ سٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اُدھر اُدھر
شہدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل، اُدھر اُدھر بھاگتے تھے قلب فوج میں، ہل چل اُدھر اُدھر
ہر جاتوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہیں، گریز کے کوچے تو بست تھے

سر ہنگ، شام، ٹھوکرین کھا کھائے مر گئے ۸۹ جو بچ گئے اُدھر سے اُدھر جبا کے مر گئے
کتے جواں سگھوں کے تلے آ کے مر گئے پس کے سرد ہو گئے ٹکڑا کے مر گئے
ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بینوں نے پاؤں باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

مہر کا دی اگ ساقہ، شعلہ ریز نے ۹۰ چن کر معنوں کو صاف کیا، تیغ تیز نے
کچلا انھیں سمند کی ہر جست و خیز نے گیتی اُلٹ دی، ابنِ علی کی ستیز نے
ترکش نہ تھے درست، نہ ثابت کمان تھی

تینوں میں دم رہے تھے نہ لشکر میں جان تھی
مسترار ہوا تھا خوف سے، مینائے لاجورد ۹۱ ملتے تھے کوہ کا پتا تھا وادیِ نمبر د
تھا دن بھی زرد و دھوپ بھی زرد، زور زیں بھی زرد خورشید چھپ گیا، یہ اُنھی کر بلا میں گرد
اک تیسرگی مٹا سنے تھی، چشم مہر میں
ٹاپو پڑے ہوئے تھے، محیطِ سپہر میں

تھا الاماں کا شور، پریشاں تھے اہلِ شہر ۹۲ تینوں کے پیچھے در کے چھپی تھی، ہر ایک سپہر
ماتھے علم رگڑتے تھے، جھک جھک کے خاک پر پرچم نے بال کھولے تھے، فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہر اس سے تھی ہر جوان کے
چادر ہلارہے تھے پھر ہرے نشان کے

معروف تھے جہاد میں، عباس با وفا ۹۳ ناگاہ آنی نیچے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
اب کیا سکینہ پیاسی ہی مر جائے اے چچا کب تک رڈو گے فوج سے، بس ہو چکی دغا
ٹوکے ہوئے لبوں پہ مری حبان آنی ہے
اے نور چشم ساقی کوثر دہاتی ہے

جلدی خدا کے واسطے، دریا پہ جائے ۹۴ قسربان جاؤں، بھر کے مری مشک لائیے
چمکتا ہے سینہ، اگ جبرگر کی، بچائیے اچھے مرے چچا، مجھے پانی پلائیے
اب جسم کیجئے، مری دودن کی پیاس پر

جیتی ہوں اب تک آپ کے آنے کی اس پر
اعداء کو بار بار، نہ جمنہ بلائے، دیکھیے ۹۵ مدد تھی فرات کو، اب جا کے دیکھیے
کانٹے مرو، اب آ کے دیکھیے رونے کو، شاہِ بیکس و تنہا کے دیکھیے
مددِ فراق کا ہے دلِ دردناک پر

جلد آئیے حنین تڑپتے ہیں خاک پر

عباس نے سسنی جو، یہ آواز ناگہاں ۹۶ بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
 کا ندھے پر رکھ کے شیر نے شمشیر خوں چکاں رُخ جانبِ نِسرات کیا، پھیر کر عشاں
 دیکھی جو نہرِ دل نہ رہا اختیار میں
 گھوڑا اڑا کے شیر سے آئے کچھار میں

گرمی میں تھے جو غرقِ عرق، سر سے تابہ پا ۹۷ سردی سے اس ترائی کے، جان آگئی، ذرا
 دریائے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا صدمہ ہوا کہ، دھوپ میں ہیں مشاہد کر بلا
 دل ہو گیا کبابِ مصیبت پہ مشاہد کی
 عباس نامدار نے اک سرد آہ کی

دودن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند ۹۸ دریا کو ہنہٹا کے لگا، دیکھنے سمند
 ہر بار کانپتا تھا، سمٹتا تھا، بند بند چمکارتے تھے، حضرت عباسؓ ہر جہند
 تڑپاتا تھا جگر کو، جو شور آبشار کا
 گردن پھرا کے دیکھتا تھا، منہ سوار کا

چمکارتے تھے حضرت عباسؓ نیک نام ۹۹ بس اتنا مضطرب نہ ہوا، اسپر تیز گام
 گرتو ہے تشنہ کام، تو ہم بھی ہیں تشنہ کام پیاسا ہے ذوالجلالِ شہنشاہِ خاص و عام
 اٹھتا ہے شورِ گریہ محمدؐ کے آل سے
 آگاہ کیا نہیں ہے سکینہ کے حال سے

عباسؓ نے کہا، جو یہ بچوں کا حالِ زار ۱۰۰ گردن ہلا کے رہ گیا، اسپر وفا شعار
 جب نہرِ علقہ میں در آیا وہ نامدار پانی سے شگفتگی کو اٹھاتا تھا بار بار
 حباں بازیِ سمند پہ غازی نے رو دیا
 غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

دریائے بھر چکا وہ ہشتی جو مشک آب ۱۰۱ چلایا فوج کو، غمِ خانما خداب
 لومشک لے چلا، جگر و حباں بو تراب سادات پر بس اب یہ کبھی ہوں گے نفع یاب
 گرمشک تا خیم شہ نیک خو گئی
 یہ حباں لو کہ حباں گئی، آبرو گئی

یہ شورشن کے گھاٹ پُ اُمڈی سپاہِ مشام ۱۰۲ پہلے سے بھی زیادہ ہوا، کچھ ہجومِ عوام
تو لے تھے پہلوں، تبر و خنجر و حسام فعل تھا کہ ہاں، بھٹکنے نہ پائے یہ تشنہ کام

اب پاس آبرو کا ہے، جانوں کا غم نہیں

عباس نامور نہیں، یا آج ہم نہیں

تین دو دم کو تول کے غازی نے دی صدا ۱۰۳ مجھ کو نہ دُور جانیو، اے لشکرِ جفا
پہلے نہ رک سکے، تو بھلا اب رکیں گے کیا یہ گھاٹ تین کا ہے، خنجر و ارک ذرا

دیکھیں تو ہاں پرے کو جانے کھڑے رہو

روکو تو بھڑپوں سے، ہم آئے کھڑے رہو

یہ شن کے جوڑنے لگے حلقوں میں واں خود گت ۱۰۴ یاں باد پارتا تھی میں تھا، صورتِ نہنگ
لپکا جدھر زبائے شمشیر شعلہ رنگ پانی میں ڈوبنے لگے ناری کہاں کی جنگ

حیرت تمام فوج کو تھی اُس کے کاٹ پر

برسا دی آگ تین کے پانی نے گھاٹ پر

تا غاضر یہ نہر سے لڑتا گیا، دلیر ۱۰۵ تو دے کہیں مروں کے کہیں تھے توں کے ڈھیر
تکتے تھے موئے خیمہ شہ، منہ کو پھیر پھیر دم لے لیا کہیں، کبھی جھپٹے مثالِ شیر

پھر پھر کے تین چلتی تھی اس دیں پناہ کی

پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرتِ سپاہ کی

نزدیک سے نہ کرتا تھا حسد بہ کوئی شریر ۱۰۶ پہلو سے تیر چلتے تھے اور سامنے سے تیر
تھے ایک جان کے لیے دشمن جوان و پیر برچھے تھے گردِ نیچ میں تھا وہ مد منیر

منظور ظلم سخت تھا، ہر بدِ خصال کو

پتھر شقی لگاتے تھے حیدر کے لال کو

اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب ۱۰۷ شل ہو گیا تھا، بازوئے فسر زندہ بو تراب
کہتا تھا ماتہ اٹھنے کی محب میں نہیں ہے تاب لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب

پروانہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے

لیکن سپر سے مشکِ سکینہ بچاتے تھے

برہی سے چھڑ گیا کبھی دل اور جگر کبھی ۱۰۸ اک شیرے ادھر کبھی بچپٹے ادھر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی، دوش پر کبھی سید کبھی تھامشک کے اوپر سپر کبھی

رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے

روتے تھے بازوؤں کو علی چوم چوم کے

نکتے تھے مسکرا کے موئے آسماں کبھی ۱۰۹ ہونٹوں پر پھیر لیتے تھے شوکھی زباں کبھی
لگتا تھا تن پتیر کبھی، اور سناں کبھی جھکتے تھے خود فرسے کبھی اور نشاں کبھی

گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے

قدروں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چیمٹیں لہو کی اڑ کے جوڑتی تھیں مشک پر ۱۱۰ دامن سے پونچتے تھے، مسلم دار نامور
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر شقہ مگر مسلم کا نہ ہوے لہو سے تر

اقبال بادشاہ زمین و زمان رہے

دنیا میں رہوں نہ رہوں یہ نشاں رہے

واجیف و ادربغ، تمنا تے جاں نثار ۱۱۱ جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
اوریاں کیں میں تھابن و رقائے نابکار ماری شقی نے دوش پر اک تیغ آبدار

آفت پڑی نصیب سکنہ اٹ گیا

رٹتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا

اک ہاتھ سے سنبھلتے تھا، مشکیزہ و علم ۱۱۲ بہتا تھا خون، ضعف بھی بڑھتا تھا دم بہ دم
گھوڑے پر سیدھے ہوتے تھے گلہے تو گاہ خم فریاد، الغیث، ستم پر ہوا ستم

تیغ کسی کا، شیر کے شانے پر پھر پڑا

وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا

کٹ کے گرا تھا بازو تے غازی جوزین پر ۱۱۳ تلوار ادھر لٹک رہی تھی، اور ہاتھ ادھر
بے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغ شعلہ ور قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر

صدقہ جو اس ابن شرہ ذوالفقار کے

پھیرے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے

بے دست یاں ہوا جو وہ سر و حشیں کا ۱۱۴ واں تھر تھر کے رہ گیا باز و حشیں کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حشیں کا گھائل ہوا برادر خوش و حشیں کا
ہاں نوبتیں بجاؤ، ظفر یاب ہم ہوتے

گویا علیؑ کے دست مبارک قلم ہوتے
گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہر اس ۱۱۵ دانتوں سے جھک کے مشک کو کپڑا بہ درد و یاس
غم تھا کہ گر پڑا، علم شاہِ حق شناس یہ رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
آنکھیں بہتیں رُخ سے جلالِ آشکار تھا
مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا

ٹھکر کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب ۱۱۶ چھاتی پنیزے کو کہے نہیں روکتے تھے سب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بے دست و تشنہ لب مارا کسی نے فرق پہ اک گرز ہے غضب

صدے سے زرد چہرہ پر نور ہو گیا
ضربت لگی کہ کاسہ سر چور ہو گیا
ہر چند پھٹ گیا تھا، سرِ دلبر علیؑ ۱۱۷ تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پر بھی
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیا سوں کی فکر تھی ہرنے پہ سہلک دیا جب مشک چھد گئی
آنکھوں سے بہہ کے اشک بعد یاس گر پڑے
پانی گرا تو گھوڑے سے عباسؑ گر پڑے

اُئی صدائے شیر الہی یہ ایک بار ۱۱۸ شبیر آ نثار ہوا، تجھ پر حباں نثار
ہے یہ ترے لیے مری گودی میں بے قرار عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
ہونٹوں پر دم بہ دم ہے صدایا حشیں کی

آنکھیں تری طرف ہیں مرے نور عین کی
جس دم سنا حشیں نے یہ نوحہ پدر ۱۱۹ ٹپکا عمامہ سرِ اقدس کو خاک پر
گر کر اٹھے سنبھل کے گرے شاہِ بحر و بر چلتاے ہاتھ اکبرِ مہر و کا، تمام کر
وا حسرتا، جوان برادر بھپڑ گیا
تھامو ہمیں کہ، بند کمر کا اکھڑ گیا

زینب نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا ۱۲۰ چلائے اے بہن مرا عاشق جدا ہوا
ہے ہے کا شور اہل حرم میں بپا ہوا زہرا نے دی صدا کہ بڑا حادثہ ہوا
گھبرا کے بنت شاہ مدینہ نکل پڑی
حضرت بڑے نہ تھے کہ سکینہ نکل پڑی

دریا پر سر برہنہ شر بھر و بر چلے ۱۲۱ صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھامے کر چلے
اکبر سنبھالے باپ کو، باچشم تر چلے یہ بھی چلے ادھر، شر والا چدر چلے
صدمہ ہے ضرب غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بھائی جانا ہے بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے ۱۲۲ آلودہ غبار الم روتے پاک ہے
ٹوکے لیوں پہ نالہ، روحی فدا کہ ہے اور تاکر قبا کا گریبان چاک ہے
دست بیمار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
شر کو جھکے ہوئے، علی اکبر سنبھالے ہیں

جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ ۱۲۳ طاقت بدن کی لے گئے، عباس آہ آہ
دریا نہ اتنا دور تھا، اے میرے رشک ماہ رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دوریاں سے، یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہیں وہ حضور ترائی قریب ہے

القسم لائے باپ کو اکبر ترائی میں ۱۲۴ زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں
پانی جو بولتے خونِ برادر ترائی میں لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں
گذری تھی عمر ماتم جسے جوڑتے ہوئے
دیکھتا اسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

منہ رکھ کے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا ۱۲۵ اے شیر اے دلیر یہ ہے کس ترے فدا
کیوں پتلیاں پھرتے ہو، بھائی یہ کیا یہ کیا عباس میں حسین ہوں دیکھو مجھے ذرا
میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہر دُعا نِ تو سُنِ عمرِ رواں نہ لو ۱۲۶ ساقی تھکا ہوا ہے رہِ کارواں نہ لو
کروٹ کراہ کڑ مرے آرامِ جاں نہ لو لگتی ہے چوٹِ دل پر مرے، بچکیاں نہ لو
مہ جاؤں گائیں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتہ جاں ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامِ دارِ ۱۲۷ آقا نزارِ حُبّانِ گرائی ترے نثار
یہ موتِ زندگی ہے، رہے فخر و افتخار بکھلے جو گل کے سائے، ببل کی جانِ زار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو، موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو، موت تھی

زائوئے پاک، نورِ خدا اور سرِ حقیر ۱۲۸ عالم کا بادشاہ کجا، اور کجا فقیر
دوڑے کو مہر کر دیا اے آسمانِ سریر تکبہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
پایا یہ اوج، ماں کی، نہ بابا کی، گود میں
معراج مل گئی، شہرِ والا کی گود میں

رحمت نے رُخ کیا ہری جانب، حضور آئے ۱۲۹ لے کر رسولِ جامِ شرابِ طہور آئے
روشن ہو کیوں نہ چشم، جو خالق کا نور آئے ایسا نہ ہو سرورِ جو بالیں پہ حور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں
میں اب تو تندرست ہوں کیوں آپ رحمتے ہیں

مولا کھڑے ہیں سائے، محبوبِ ذوالجلال ۱۳۰ یہ رو رہے ہیں شیرِ الہی، بصدِ ملال
استادہ ہیں یہ حضرتِ شہرِ نکو خصال یہ فاطمہؑ ہیں پہلو میں، بکھرائے سر کے بال
تنہا نہیں حضورِ جلال کیوں ادا کس ہیں
جن کا غلام میں ہوں وہ سب میرے پاس ہیں

منہ نے کہا کہ لیے کو آئے ہیں تم کو، سب ۱۳۱ عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہے غضب
سرخاک پر ٹپک کے یہ بولا وہ جاں بہ لب اے جانِ فاطمہؑ، جگرِ سیدِ عرب
کس کس کو رو دیکھے گا کہ اعدا کے ریلے ہیں
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہیں

راحت کی راہ ہے سفر گلشن ارم ۱۳۲ صدہ مگر ہے رُوح پہ اے قبلہ اُم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوئے تڑپ کے ہم اُفت یہ آپ کی ہے کہ اکھا ہوا ہے دُم
دُنیا سے کوچ کرنے کو، جی چاہتا نہیں

اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں
یہ کہہ کے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر میں درد ۱۳۳ زخارِ مرغِ مرغِ جو تھے ہو گئے، وہ زرد
لیں کرویں تو بھر گئی زخموں میں رن کی گرد مُنہ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی، اک آہ سرد
دُنیا سے انتقالِ علم دار ہو گیا
سردارِ فوج، بیکس و ناچار ہو گیا

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر، جو مر گیا ۱۳۴ صدہ غضب کا سبطِ نبی پر گزر گیا
خبرِ عالم کا دل سے چکر تک، اتر گیا چلا تے تھے کہ شیر ہمارا، کدھر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد بھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ، بھیا صد اسٹناؤ ۱۳۵ سر رکھ لو میرے زانو پہ، گردن ذرا اٹھاؤ
زینتِ تھیں بُلانی ہیں اخیمے کے در پہ جاؤ کب سے بلک رہی سکینہ کو دیکھ آؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے لگہ نہ ہو
دریا پہ سو گئے ہو، سکینہ خفا نہ ہو

دک، جو آنکھ بند کیے ہو حیا سے تم ۱۳۶ کیا کچھ خفا ہو، سبطِ رسولِ خدا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے توں نے ہوا سے تم ہم اٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
ہے دو پہر کا وقت برادر پہ دھوپ ہے

سایہ کرو علم کا مڑے سر پہ دھوپ ہے
اکبٹر نے روکے عرض یہ کی اے شہرِ زماں ۱۳۷ رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جاں
لے چلے گھر میں لاشِ علم دارِ نوجواں ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمہ سے بیسیاں
دریا پہ نکلے سر کہیں بہت علی نہ آتے
فضہ کو ماتہ کے کے سکینہ چل نہ آتے

سینے سے کی جین نے اک آہ دل خراش ۱۳۸ فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آتی کاش
 اچھا بتاؤ تم کہ میں کیونکر اٹھاؤں لاش سر چار پارہ، ہاتھ جدا، جسم پاش پاش
 کیوں کر کہوں کہ لاشہ علم گھر میں لے چلو
 میت کے بدلے مشک و علم گھر میں لے چلو
 اکبر نے جب علم کو اٹھایا بہ درد و آہ ۱۳۹ رونے لگے پیکار کے حالت ہوئی تباہ
 ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ باندھو علم میں مشک بھی اے میرے رشک ماہ
 ہے جس طرح زمانے میں اندوہ و غم کا ساتھ
 اب حشر تک رہا یوں ہی مشک و علم کا ساتھ
 اکبر نے عرض کی کہ چلیں اب شہرِ زمان ۱۴۰ رو کر امام دیں نے کہا جائیں اب کہاں
 واں بھی مرے لیے وہی رونا ہے، جو یہاں اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہاں
 اٹھتے نہ تھے حسین، برادر کو چھوڑ کر
 رکھا پسر نے پاؤں پسر، ہاتھ جوڑ کر
 ناچار اٹھ کے واں سے امام اُم چلے ۱۴۱ فرمایا لو، کریم نگہبان، ہم چلے
 اکبر تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے سرنگے پیچھے سرورِ عالی، ہم چلے
 جنگل میں شورِ نالہ و فریاد و آہ تھا
 حضرت کے پیچھے اس پر علم دار شاہ تھا
 فضا کھڑی تھی نیچے کے باہر جو بے خبر ۱۴۲ حضرت کو اُس نے دُور سے دیکھا برہمنہ سر
 پردہ اُٹ کے نیچے کا، بولی وہ نوحہ گر سیدانیو اٹھو، علم آتا ہے خوں میں تر
 اکبر علم لیے ہیں، علی کا نشان نہیں
 کوتلِ فرس تو آتا ہے وہ نوجواں نہیں
 ناگاہ سب کو دُور سے آیا نظر نشان ۱۴۳ تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
 گویا کہ تھا شبیہِ اُم، سر بہ سر نشان ڈوبا تھا خوں سے پختہ پُر نورِ دُرفشان
 چھپ جاتا تھا پھر برے میں یوں کانپ کانپ کے
 روتا ہے جس طرح کوئی مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کے

کچھ یہ سب کہ بازو تے عباس کٹ گئے ۱۳۴ سیدانیوں کے غم سے لبو اور گھٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر، غم سے پھٹ گئے رنگ اڑ گئے رُخوں سے کلجے اُلٹ گئے

ہر دل پر برق رنج و غم و یاس گر پڑی

بچوں سمیت زوجہ عباس گر پڑی

اکبرِ علم کو نیچے کے اندر جھکا کے لائے ۱۳۵ سراپنا پسینے ہوئے گھر میں حسین آئے
چلا تے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پلے عاشق نے ساتھ چوڑ دیا ہائے ہائے

چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو

لو بیوی ترائی میں رو آئے شیر کو

لپٹی تو تھی مسلم سے سکیئہ جگر نگار ۱۳۶ ہے علی کے لال کی رانڈوں میں تھی پکار
پر ہم پر یوں لچکتا تھا پنخبہ وہ بار بار سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوتوار

تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا

رایت بھی نخل ماتم عباس بن گیا

زیرِ علم تھا زوجہ عباس کا یہ حال ۱۳۷ ماتھا بھرا تھا خاک کے بھرے ہوئے تھے بال
چلائی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال میں سر کو بیٹھی ہوں تمہیں کچھ نہیں خیال

جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے

مسکن کیا ترائی میں، لونڈی کو چھوڑ کے

مر جائے گی کنیز جو صاحبِ حیدر ہے ۱۳۸ وہ کیجیے کہ خُلق میں ذکرِ وفا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آرہے تھوڑی سی جاہلے لیے پائین پا رہے

بیٹوں کا قُرب چاہتی ہوں، نہ عزیز کا

صاحب کی پائنٹی ہو سسرانا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھاگتی ۱۳۹ جاگے تمام رات کے تھے، نیند آگئی
صورت تھیں عروسِ شہادت دکھا گئی کیا خوش نصیب تھی کہ اجل تم کو پا گئی

ہم تیرہ بخت، ہجر کی راتوں میں رو تیں گے

جائے نصیب قبر کے آپ اس میں سوئیں گے

صاحب چکارتی ہے یہ لونڈی، ادھر تو آؤ ۱۵۰ دامن قبا کا رکھ کے کریں علم اٹھاؤ
صورت کوئی نباہ کی میرے بتا کے جباؤ دُنیا تو اب اُجڑ گئی، والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو، موت ہمارا علاج ہے

صاحب کے ہاتھ ہاتھ پکڑنے کی لالچ ہے
اللہ تعالیٰ آج کی شب تک، ہمازا پیار ۱۵۱ اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے، مرنے کو بار بار
میں کہتی تھی کہ سو رہو، اک آن میں نثار کہتے تھے رو کے اب یہی صحبت ہے یا دُکار
فُرت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں

سونا تو حشر تک ہے، یہ آرام پھر کہاں
میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب ۱۵۲ کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گئے ہے غضب
صاحب میں دونوں ہاتھوں کو لو، جوڑتی ہیں اب تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں

صاحب کے سلسلہ میں کوئی بے وفا نہیں
یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر ٹکار ۱۵۳ زینب نے شاہ دیں سے کہا رو کے زار زار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال، میں نثار لے جایئے علم کو اب اے شاہِ نامدار
ما تم میں اور کوئی مصیبت گزرنے جاتے
ڈر ہے مجھے کہ زوجہ عباس مرنے جاتے

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمین ۱۵۴ لے کر نشان کو جلے کہاں اب یہ بے وطن
اب تو نہ فوج ہے نہ علم دار، صفِ ششکن گھر لٹ گیا، علم کو بڑھاؤ، بس اے بہن
لو یہ نشانی شہرِ مولد ل سوار، لو
پشکا علم سے کھول لو، پنجبہ اُتار لو

جس دم سنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام ۱۵۵ سرائے کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
رایتِ رشا کے خاک پر، کہنے لگے امام بس الوداع اے علم سیدِ نام
پیسا سے لگے کو خنجرِ خوں خوار چاہتے
بس اب مجھے علم نہ علم دار چاہتے

پُرنوں علم کے پاس تھے عباس کے پسر ۱۵۶ نیکے ٹھٹھے گرتوں کے، تھراتے تھے چکر
 ماں نے جو طوق آتا ہے تھے، اور کان کے گھر سہا ہوا تھا ایک، تو اک پیتا تھا سمر
 زلفوں پہ گرد تھی تو زخوں پر غبار تھا
 چہروں سے درجہ بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ مشہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا ۱۵۷ بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے، اے چچا
 آیا علم پہ اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا چھوٹے سے روکے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
 اماں کی مانگ اُجڑ گئی ہمدے گزر گئے
 بھیا تھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

دوڑا یسن کے نہر کی جانب، وہ بے پدر ۱۵۸ روکے پیکارے شاہ کہ، بیٹا چلے کہہ
 تھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر بابا کی لاش اٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
 بیت نہ اٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
 دامن میں ہم کئے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

بس اے آئیں بس کہ دعا کا ہے یہ مقام ۱۵۹ ہو مغفرت خسیق کی یاربِ ذوالکرام
 مداح آلِ پاکِ نبی تھا وہ خوش کلام یارب اسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
 بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
 گز بخش دے تو کیا تری رحمت سے دُور ہے

مرثیہ (۱۴)

جاتا ہے شیر بیشہ حیدر فرات پر ۱ طاری ہے مرگِ خوف ہر اک ذی حیات پر
صدرِ عجب ہے بادشہ کائنات پر آنکھوں سے اشک بہہ رہے ہیں بات بات پر
بُھٹتا ہے وہ جو قبر علی کا چراغ ہے
جرمال ہو بھلا ہے کہ بھائی کا داغ ہے

صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہے ضبطِ آہ ۲ فراتے ہیں کہ تھام لے بندے کو یا اللہ
کیا مرط ہے محنت یہ کیوں کر کئے گی راہ بھائی مرا یہی، یہی لشکر، یہی سپاہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں
تیغ علی کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

دوری کا غم ہے کیوں نہ بہیں اشکِ متصل ۳ پالا ہے بر میں آہ تھے کس طرح سے دل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ دردِ جاں گسل اے موت اگر روحِ علی سے نہ ہوں نخل
رخصت کا حرف لب پہ بھی لایا نہ جائے گا
بھوسے تو یہ پہاڑ اٹھایا نہ جائے گا

یہ نوجوان بضاعت حیدر رہے یا کریم ۴ حمزہ مرا یہی، یہی جعفر ہے، یا کریم
پیارا پس سے بھی یہ برادر ہے یا کریم یوں سب ہیں پر اسی سے مرا گھر ہے یا کریم
بازو یہی ہے ہاتھ میرے اس کے ہاتھ ہیں
میں جاتا ہوں شیرِ خدا میرے ساتھ ہیں

زینب کے لال مر گئے لشکرِ بچھڑ گیا ۵ سہرا دکھا کے قاسم بے پر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہو گئے سب گھر بچھڑ گیا پھر میں نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
اس معرکہ میں ذبح ہوں پہلے تو عید ہو
بطِ نبی کے بعد یہ بھائی شہید ہو

حضرت ادھر ترپتے ہیں تھامے ہوئے کمر ۶ عباس بیبیوں سے ہیں رخصت طلب ادھر
لائی ہے سوکھی مشک سکیں نہ بہ چشم تر فراتے ہیں بھتیجی کا منہ چوم چوم کر کر
پہلے تھا ذکر آب تسلی کے واسطے
اب جا کے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے

کہتی ہے خشک ہونٹ دکھا کر وہ لالہ نام ۷ اب عمر جان مجھ میں نہیں طاقت کلام
اصغر کو لے کے ہاتھوں پہ بانوئے نیک ہم فراتی ہیں کہ مر تا ہے ہے ہے یہ تیش نہ کام
دکھاؤ اس کا حال مشہ نامدار کو
بچکی لگی ہوئی ہے مرے شیر خوار کو

کرتے ہیں عرض حضرت عباس نامدار ۸ بچوں پہ جان دینے کو حاضر ہے جاں نثار
پر کیا کروں رضا جو نہ دین شاہ ذی وقار چلے پسر کو لے کے وہاں بہر پر کردگار
رخصت میں سعی کیجے کہ ہونا نام آپ کا

وہ کام ہے غلام کا ، یہ کام آپ کا
کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ رشکستہ حال ۹ کیا کہتے ہونہ بھائی یہ میری نہیں مجال
بیٹا ہے تم کو دیکھ کے خیر النساء کا لال نیکی بدی ہو کچھ تو کہیں شاہ خوش خصال
بانو نے مرتضیٰ کی کسائی کر کھو دیا
بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا

زینبؓ یہ بولیں آپ کا دوسا ہے بجا ۱۰ کیوں کر دلادے بھائی سے ان کو کوئی رضا
پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہے خدا تنہا نہ ہوں جہاں میں شہنشاہ کر بلا
موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکل کشائی کا

یہ چل بے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا
کہنے لگی یہ زوجہ عباسؓ خوش شخص صفات ۱۱ بی بی بھلا یہ کون سے دوسا کی ہے بات
مشکیزہ لے کے گریہ نہ جائیں سوئے فرات پھر نختے نختے بچوں کی کس طرح ہو جیات

ہر وقت کسب ریا سے طلب گار خیر ہوں
آگے جو کچھ بھوں کی رضا میں تو غیر ہوں

جس جاحسین بیٹھے تھے عریان سر کئے ۱۲ واں خود گئے بختیجی کو آغوش میں لئے
 کی عرض تاکجا کوئی خون جگر پیے پانی کہیں سے آئے تو یہ جاں بلب جیئے
 اچسکی لگی ہے اصغر ناشاد کام کو
 مولا بس اب نہ روکے اپنے غلام کو
 فرمایا میری مرگ گوارا کرو توجہ او ۱۳ مشکیزہ بھر کے پاندرسی چھاتی پہ زخم کھاؤ
 اچھا سیکھ نہ جس میں خوشی تم نہیں رلاؤ یہ کیا سکھائے لائی ہوئی بی ادھر تو رلاؤ
 ثابت ہوا کہ ہاتھ سے غم کو کھو دو گی
 پانی کو اب تو روتی ہو بھراں کو رو دو گی
 انجم کی خبر نہیں کچھ تم کو ہائے ۱۴ یہ آؤے آؤے ہونٹ انھیں تم نے کیوں کھائے
 خیر اب دعا کرو کہ یہ اعدا پہ فتح پائے دولت دتی حق کی مرے ہاتھ سے نہ جائے
 جب مشک بھر کے دوش پہ یہ نیک خور کھے
 دریا کا مہر کر ہے خدا آبرو کر کھے
 گردن بھٹکا کے شرم سے بولی وہ مر جییں ۱۵ پوچھیں حضور میں نے کچھ ان سے کہا نہیں
 اصغر کو لائیں گود میں جب بانٹے حزیں ہاں مشک دی قصور یہ ہے یا امام دیں
 مجرم جواب پہ حرف شکایت بھی آئے ہوں
 لیجئے قسم زباں کے جو کانٹے دکھائے ہوں
 یسن کے گود میں لیا اس تش نہ کام کو ۱۶ عباس ختم ہوئے خبر دیں کے سلام کو
 باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو پٹا یا برادر عالی مقام کو
 حالت جو غمیر ہو گئی زہرا کے جانے کی
 قبر علیؑ سے آئی صبرا ہائے ہائے کی
 بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیرازیاں چلا ۱۷ غل پر گیا کہ یادِ شاہ زماں چلا
 چلائے اہل بیت کو راحت رساں چلا لوناظر کے گھر سے علی کا نشان چلا
 سادات کس بلا میں گرفتار ہو گئے
 ہے ہے حسین بے کس و بے یار ہو گئے

اللہ رے رب آدم عباس عرش قدر ۱۸ سینوں میں دل چپے ہوئے تھے جو فنوں میں صدر
غل ہے قریب تر ہے سپہر و غا کا بدر نہرے ہیں آب گھاٹ سے بھاگے ہیں اہل بدر

آتا ہے ابنِ ضعیف یزداں لڑائی کو

شیروں نے ڈر کے چھوڑ دیا ہے ترائی کو

شکر میں ایک ایک کو ہے زندگی سے یاس ۱۹ ڈر سے کسی کے ہوش ٹھکانے ہیں نہ حواس
وہ دور دور سب ہیں صغیف تھیں جو پاس آمد میں شیر کی بھی یہ ہوتا نہیں ہراس

غل چار سو یہ ہے کہ قدم سر کے جاتے ہیں

گھوڑے بھگاؤ حضرت عباس آتے ہیں

وہ عازم و غا ہے جو شیروں کا شیر ہے ۲۰ روتا ہے بل کے بھائی سے بھائی یہ دیر ہے
زور آوری سے اس کی تہمتن بھی زیر ہے جزا رہے، شجاع جہاں ہے، دیر ہے

لڑہ ہے ان کے حق میں جو مردِ نبر دیں

شیروں کے ہاتھ پاؤں ترائی میں سرد ہیں

رن سے قدم اٹھائے ہوئے ہیں سرانِ فوج ۲۱ مانند پیر کا نپ رہے ہیں جوانِ فوج
دہشت سے منہ چھپائے ہیں تھیں میانِ فوج دامن لپٹتے ہیں کمر سے نشانِ فوج

رایت تمام خوف سے تھلے جلتے ہیں

شکر کے بھاگنے کے نشان پائے جلتے ہیں

نکلا حرم سرا سے جو وہ آسماں حشم ۲۲ نصرت نے گردِ پھر کے لئے بوسہ قدم
شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعتِ علم پنجے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بہ دم

دڑوں سے خرم گئیں تھے گہر نعلِ سنگ سے

صحرَا ز مردی تھا پھر رہے کے رنگ سے

وہ ضو علم کی وہ رُخِ عباس نام در ۲۳ رکھے تھا ہاتھ چہرے پر خورشیدِ خیر و سر
پنہ ادھر علم کا رُخ پُر ضیا ادھر دو نورِ سردی تو دہلا تھے جُلوہِ مگر

یکتا وہ زرقِ برق میں یہ آبِ تاب میں

تھا سرقِ ایک نیزے کا دو آفتاب میں

پنچے سے نورِ پختنی آشکار ہے ۲۴ پرچم پہ طرہ سرخِ انشا رہے
دامن بھی ابرِ رحمت پروردگار ہے پہونچا جو اس کے سائے میں وہ رنگار ہے
کشتی کا بادباں ہو تو کوثر پہ جا لگے
طوبی نہال ہو اگر اُس کی ہوا لگے

ناگاہ غل ہوا فرس تیز گام لاؤ ۲۵ آیا علیؑ کا سرورِ ان خوش خرام لاؤ
ہاں خوش تیز رو کو بہ صد اہتمام لاؤ اسپ گراں رکاب و مرصع لجام لاؤ
ہے انتظارِ ابریشمِ آہوش کار کا
بیٹا سوار ہوئے گا دلِ سوار کا

آیا فرس سما ہوا کس ترک و تاز سے ۲۶ سرعت کا قافلہ نکل آیا جاز سے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس امتیاز سے جیسے پری چین میں خراماں ہونا ز سے
فوق اس کو تھا ہمائے سعادت نشان پر
سُرم تھے زمین پر تو داغِ آسمان پر

وہ تھو تھنی کہ غنچہ سوسن سے تنگ تر ۲۷ وہ انکھڑیاں نخل ہوں ہر جن کو دیکھ کر
کیلیں نجومِ نعل ہلال اور سُرمِ فتر باریک جلد سینہ کشادہ بلند سر
کھاتی تھی ہر پری بھی قسم اس کی جان کی
غقد تھا یہ کہ تنگ ہے وسعتِ جہان کی

دلِ نزا، برقِ تجلی، براقِ سیر ۲۸ دریا میں موج، دشت میں آہو، ہوا میں طیر
اسوار دم دلا سے، گر پھیر لے تو خیر گرائس لی تو دم بھی لے پھر فلکِ بنیر
سرعتِ غضب ہے گر کہ وہ بے آبِ راجہ
اس کو تو نبض کی حرکت تازیانہ ہے

سایہ کا اس کے دھوپ میں سرعتِ تہا جمال ۲۹ وحشت میں جس طرح سے بھرے چرکری غزال
گہ بریں، گاہ بحر میں، گاہ بے جبال گم کردہ آشتیاں تھا عقابِ کشادہ بال
سایہ نہ تھا ہمائے سعادت پناہ تھا
گویا ہوا کے زور میں شاہیں تنہا تھا

وہ شریاں فرس کی وہ سرعت وہ آؤ جاؤ ۳۰ سوجھن تھا فقط جسے ہیکل کا اک بناؤ
جب چاہو سیر عالم امکان کی کراؤ تازی ہو رُوح پاؤ قدم میں وہ لطف پاؤ
رفت میں پست حوصلہ بکبت دریا کا تھا

چمک بھل ہرن کی تھی تو جھکنا پری کا تھا
لو اب سوار ہوتے ہیں عباس نام در ۳۱ لو دامن قبائے لیا بوسہ کمر
لو ہٹ کے ہاتھ آپ نے رکھا ایال پر لو آفتاب خانہ زین پر ہے جلوہ گر
بر چھایا مسند کو زانو میں داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

بڑھنے میں حرف اں جو دہن سے نکل گیا ۳۲ وحشی غزال دشتِ مقن سے نکل گیا
شکر گلوں کی بُو کا چمن سے نکل گیا جھونکا نسیم کا تھا کہ سن سے نکل گیا
طاؤس کیا کہ برق بھی شرما کے رہ گئی
پچھلے سُموں کی گرد نظر آ کے رہ گئی

گھوڑا اڑا کہ ہو گئی سرعت ہوا کی گرد ۳۳ بوئے چمن تھی یا قدمِ بادِ پا کی گرد
جا پہنچی تابہ سرِ قِثْیاء تڑپنے کی گرد اڑ کر سرِ ملک پہ گئی کر ملا کی گرد
خورشید کی نیا تھی سُموں کے نشان پر
نخوت سے تمازیں کا داغ آسمان پر

شوکت وہ اس فرس کی وہ عباس کی نمود ۳۴ پڑھتا تھا کوئی شخص تبارک کوئی درود
غل تھا کہ ہر ثنا ہے پئے واجب الوجود کیا ان کے سامنے کسی انسان کی ہست و بود
سب کے گلوں میں ان کی غلامی کا طوق ہے

یہ وہ بشر ہیں جن کو ملائک پہ فوق ہے
پیدا تھا مثلِ حیدرِ کرارِ ربِ حق ۳۵ چمکا جو نورِ عرش بنا خاک کا طبق
رخسار تھے کہ سورۃِ الشمس کے ورق از بر تھا خط کو آیۃِ دلیل کا سبق
موتی کی آگے دانتوں کے کچھ آبرو نہ تھی
سورۃ تھا نور کا وہ بیاضِ گلوں نہ تھی

وہ ہاتھ کا رخیر رہا جن سے روز و شب ۳۶ ساعد تھے صاف ساعد پر نور شیر بہ
 باز وہ جن میں قوت دستِ خدا تھی سب شائے وہ جن میں شانِ نشانِ شیرِ عرب
 پہلو میں قلب وہ جو ہمیشہ کھرا رہا

سینہ وہ صدر تھا جو فنا سے بھرا رہا
 شان و شکوہ و صولت و عدل و نہیب و داد ۳۷ اسلامِ دین و ملت و ایمان و اعتقاد
 اشفاق و رحم و دوستی و خلقت و وداد خوف ورجا و آرزو و مطلب و مراد
 اندوہ و درد و رنج و مطیعانِ نو میں تھے
 سب ناشیہ بدوشِ فرس کی جلو میں تھے

شوکت کا قول تھا کہ مطیعِ جناب ہوں ۳۸ کہتی تھی فتحِ خاکِ درِ بونز اب ہوں
 نصرت کا ادعا تھا کہ میں کامیاب ہوں دعویٰ تھا قبر کو کہ علی کا عتاب ہوں
 فلق سے تھے پہ صبر بھی منہ موڑتا نہ تھا
 ہر گام پر شبِ بخت قدم چھوڑتا نہ تھا
 تلوار وہ ہلال کئے جس کو دیکھ کر ۳۹ تھی کہکشاں کندہ عدو بندِ شیرِ نر
 مہتابِ آسمانِ ظفرِ آہنی سپر خود آفتاب تھا تو جبینِ بسینِ مقرر
 رخ کے عرق سے نور کے قطرے ٹپکتے تھے
 حلقہ نہ تھے زرہ میں تارے چمکتے تھے

نیزے کی نوک سے جگرِ آفتابِ خوں ۴۰ سینہ ہے آسمان کا اسی دن سے نیلگوں
 ابروئے حورِ فتح و ظفرِ تھا کہاں کا نوں تھا ماہِ نو بھی جس کے چم و خم سے سرنگوں
 دہشت سے گوشہ گیرِ ریشاںِ شام تھے

ترکش کے سارے تیرا بل کے پیام تھے
 نیزہ زیں میں گاڑ کے گونجا جو شیرِ نر ۴۱ چہروں سے رنگ اڑ گئے تھرا گئے بگر
 نکلے رجز میں خشک زباں سے وہ شعرِ تر جس کے جواب میں قصہ مانے جھکائے سر

غل تھا زبانِ ناطقہ، الکن بی لال ہے
 لاریب فیہ مصنفِ ناطق کا لال ہے

نعرہ یہ تھا کہ گو ہر بیچ شرف ہوں میں ۴۲ فرزند صاحب شرف من عرف ہوں میں
 فخر سلفہ جو شاہ ہے اس کا خلف ہوں میں اللہ و بختن ہیں بدر اس طرف ہوں میں
 رایت سے پیش رو ہوں خدا کی سپاہ کا

پیر و داؤں بادشاہ ہدایت پناہ کا
 حیدر کی ذوالفقار سے لاکھوں کے سر کٹے ۴۳ جوشن میں سینے سینوں کے اندر جگر کٹے
 خیبر میں جسریں کے بھی تین پر کٹے پریوں کے کترنگ سے بھیے سپر کٹے
 ضربت کا حال، عمرو دلاور سے پوچھیے
 میسر کا زور مر حب و غتر سے پوچھیے

بچوں کا لپٹی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں ۴۴ ستائے اہل بیت رسول انام ہوں
 شیر کی سپر ہوں علیؑ کی حسام ہوں شاہوں کا شاہ ہوں شہیدیں کا غلام ہوں
 سینے پر تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا
 یہ شک آب نہر سے میں لے کے جاؤں گا

یوں تو ہیں تین روز سے بے آب و نہ سب ۴۵ لیکن قریب مرگ ہیں دو طفل تشنہ لب
 کیوں آل کو رتاتے ہو بے جرم بے سبب کچھ مصطفیٰ کا پاس نہیں تم کو ہے غضب
 دودن تو بیکسوں پر عطش میں گزر گئے
 کس پر یہ خون ہو گا جو معصوم مر گئے

ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو ۴۶ تیغوں میں بھوک پیاس میں صابر ہیں ظالمو
 بچے بھی میہاں کے مسافر ہیں ظالمو آثار مرگ چہروں پر ظاہر ہیں ظالمو
 گر ہم تمہارے زعم میں تقصیر وار ہیں
 پران کا کیا قصور ہے جو شیر خوار ہیں

بھوپ یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن ۴۷ مڑجھا گیا ہے اٹھ منہ تار کا چمن
 مانند غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن پانی بغیر اب نہ جنیں گے وہ گل بدن
 گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
 نیلے ہیں ہونٹ پھول سے زخار زرد ہیں

چلایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب ۴۸ دہیں گے زبانِ حیل سے ہم آپ کو جواب
بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو مضطرب پھر کس لئے ہے بیعتِ حاکم سے ابتلاب
خیمے سے گھنٹیوں اگر اصغر بھی آئے گا

جُز آب تیسر پانی کا قطرہ نہ پائے گا
ایسا سخن بھی جو نہ تھا نہ کان سے ۴۹ برہی لگی مگر نہ کہا کچھ زبان سے
جھوٹا فرس پہ جب شہِ مِرداں کو شان سے بس خود بخود اگلنے لگی تیغِ میان سے
نعرہ کیا کہ ادسگِ ناپاک دُور ہو
یہ کیا سخن ہے منہ میں ترے خاکِ دُور ہو

حجت تمام کرنے کے خاطر تھے یہ کلام ۵۰ ظالم شرابِ خوار کی بیعت کرے امام
شوکی ہوئی زبانِ جہاد سے وہ تشنہ کام حاضر ابھی ہوں چشمہ کوثر کے لاکھ جام
قدرت ہے سب طرح کی امامِ جلیل کو
چاہیں تو وہ سبیلِ کریں سلسبیل کو

کیا جانے مرتبہ پسرِ فاطمہ کا تو ۵۱ عزتِ بہشت کی ہیں تو کوثر کی آبِ رُود
سردارِ بُردبارِ مہک کارِ نیک خو ان کا عددِ خدا و معجز کا ہے عدد
جاری ہے فیضِ فاطمہ کے نورِ مین کا
غاصب ہے تو یہ نہر بھی ہے حقِ حسین کا

یہ کہہ کے لی نیام سے تیغِ شرفِ شاں ۵۲ آواز دی زمیں نے کیا حافظِ زماں
شعلے نے الحذر کہا، بجلی نے الاں دہشت سے تھر تھرا گیا، مریخِ آسماں
ثابت ہوا کہ چہرہ خورشید کٹ گیا
غلِ تھا کہ فوجِ شام کا دفتر اکٹ گیا

بجلی جھک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پاؤں ۵۳ پڑتا تھا عرشِ آسمان کس کو بار بار
زیرِ زمیں تو گاؤں زمیں کو نہ تھا قرار تھرا رہا تھا فوجِ حاکم کی گرد دار
غلِ تھا علی کی تیغ کا سب بگ بگ
جرئی کا پتے تھے کہ خیبر کی جگہ

اقبال و تسدستی و آسائش و قرار ۵۴ امن و امان و مبسود توانائی و وقار
علم و سکون راحت و آرام و اختیار رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار

آتا ہے قہر حق انھیں معلوم ہو گئے

سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

غل تھا چمکتی آتی ہے تیغ اجل چلو ۵۵ ڈر کر کہا اماں نے کہ قبل از اجل چلو
دب کر صدا غور نے دی سر کے بل چلو بولی سلامتی کو سلامت بھل چلو

دریا بہہ گا خوں کے کنارے فرات کے

دم بھر میں بند ہوئیں گے کوچے نجات کے

دعا لوں سے شایسوں کے ادھر چھا گئی گھٹا ۵۶ دریا پہ جھوم جھوم کے سب آگئی گھٹا
ایسا بڑھایا ابر کشر مانگئی گھٹا باران تیر دشت میں برسا گئی گھٹا

کشتوں کو اپنے فرج عدد روندنے لگی

جنگل میں برقی قہر خدا کو نڈھال لگی

چمکی جو تیغ آمد قہر خدا ہوئی ۵۷ سر پر جو آگئی تو قیامت بپا ہوئی
یسے سے روح جسم سے گردن جدا ہوئی خون میں ڈبو چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی

بازو اس غضب کی دارد وہ اس زور شوق کا

دشمن کو اس کا گھٹا کنارہ تھا گور کا

ہر دم تھی موع کے میں جل اس کے دم کے ساتھ ۵۸ گزتا تھا خود کٹ کے برابر مجھ کے ساتھ
رہتی تھی اس طرح ظفر و فتح غم کے ساتھ جیسے ہمیشہ رہتا ہے سکر دم کے ساتھ

ہر دل پہ اس کی شان و جلالت کا نقش تھا

تمنہ نہ کہیے آیہ نصرت کا نقش تھا

بسم اللہ صحیفہ نصرت تھی اس کی ناث ۵۹ مانند زوال فقار گراں قدر انتخاب
جو ہر میں آبرو میں امالت میں، لا جواب وہ قد وہ خم وہ منہ کی صفائی وہ آب و تاب

اُترے جگر سے جس کے اسی کو خبر نہ ہو

کاٹے گلے ہزار کے اور خوں میں تر نہ ہو

پایا تھا باغیوں نے ثمر یہ دمِ جدل ۶۰ دُعاوں سے پھول اُگائے تھے ہر جھیسوں سے پہل
 شائیں کماں کی توڑتا تھا پانچہ اجل گرتے تھے سہمِ کرفتِ راندازِ منہ کے پہل
 گوشوں کو دھونڈتے تھے کماں کش بٹے ہوئے
 ریتی پانچس تیر پڑے تھے کٹے ہوئے

گوپال تیغ دُخچر و گرز دُسنان و تیر ۶۱ دو دو تھے پیشِ آئینہ تیغ بے نظیر
 دم میں یہ صفِ تمام اُدھر کا پراخیز آفت کا معرکہ تھا قیامت کی وار و گیر
 اُدھر بھی مُربغِ روح کا بچسنا محال تھا
 جو ہر حسام میں تھے کہ لوہے کا جال تھا

یوں مورچوں کو چاٹ گئی تیغ شعلہ رنگ ۶۲ لوہے کو خاکِ شور میں کھا جائے جیسے رنگ
 کمرؤں سے کھینچ نہ سکتے تھے خنجرِ میانِ جنگ جوشِ جوکٹ گئے تھے تو چار آئینہ تھے دنگ
 تلواریں منہ چھبائے تھیں ضربِ درشت سے
 دُعا لیں لپٹ گئی تھیں سواروں کی پشت سے

گرتی تھی کوند کر جوہ تیغِ شدارہ دیز ۶۳ دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کوچہ گریز
 چلے میں تیغ تیز، فرس تیز، ہاتھ تیز رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامہ ستیز
 کشتہ تھے ایک ضرب میں دو ہونک چار ہوں
 ششہ تھے سب کہ موت سے کیونکر دو چار ہوں

کاٹی سپر تو کائناتِ سر تک پہونچ گئی ۶۴ سر پر بڑی تو پیز کے بر تک پہونچ گئی
 بر سے مثالِ برق، جگرتک پہونچ گئی بی کر لہو جگر کا کمر تک پہونچ گئی
 بڑھ کر کمر سے زین پر آئی سُرنگ کے
 ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے

ان کے قدم بھی اُٹھ گئے جو سر گزار تھے ۶۵ ممکن نہ تھا ترارِ کدل بے قرار تھے
 بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سوار تھے ٹاپیں فرس کی تھیں کہ سر دہی کے وار تھے
 جاتا تھا یوں غضب میں صفِ اہل کید پر
 شیرِ زیاں جھپٹتا ہے جس طرح صید پر

تیغ دو دم سروں سے گذرتی تھی دم بہ دم ۶۶ دونوں میں فوج شام کی بھرتی تھی دم بہ دم
 بڑھتی تھی دم بہ دم تو ٹھہرتی تھی دم بہ دم ندی لہو کی چڑھ کے اُترتی تھی دم بہ دم
 ڈر سے جگر بھی آب تھے زہرے بھی آتے تھے
 موہیں تھیں دست دیا کی سروں کے جہاں تھے

بکلا اُدھرتے جودہ اسل کا شکار تھا ۶۷ پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا
 کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا بجلی جھک رہی تھی فرس بے قرار تھا
 کیا بوزرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
 سروں برس رہے تھے کر میسے جھڑی لگے

رہو اس نے دغا میں کہاں رستی نہ کی ۶۸ شمشیر جاں تاں نے کہاں برہی نہ کی
 مالک سے بے کسی میں کہاں ہمدمی نہ کی سومرتبہ چلی پہ بُرشش نے کمی نہ کی
 دم سے تھا بھر خوں کا کتارہ لگا ہوا
 جانوں کا گھاٹ پر تھا اتارا لگا ہوا

جس سمت گر کے تیغ کا سایہ گذر گیا ۶۹ پہنچوں سے دونوں ہاتھ اڑے تن سے سر گیا
 خالی ہوئی یہ صف وہ پراخوں میں بھر گیا گھوڑے میت گر کے یہ تڑپا وہ مڑ گیا
 گرتا تھا خود جری پہ جری ماجرا یہ تھا
 بسمل بھی لوٹتے تھے برابر مزا یہ تھا

فتح و ظفر تھی غاشیہ گیر و رکابدار ۷۰ دکھلا رہی تھی راہِ عدم تیغ تاب دار
 جوہر تھے یا کہ سلسلہ زلف تابدار تلوار بھی بل تھی بہشتی کو آب دار
 اک شور تھا کہ زلیست کا عرصہ قلیل ہے
 پیاسو! پیو کہ تیغ کا پانی سبیل ہے

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوکتے جاں سے ہاتھ ۷۱ سڑا گئے تنوں سے بڑھاتے مناس سے ہاتھ
 تڑا کبھی جگر کبھی چھیدا ریناسن سے ہاتھ جب کٹ کے گر لیں تو پھر نہیں کہاں سے ہاتھ
 اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو
 ہاں پاؤں رو گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

سر ہر دم پہ تھے تن کفار سے جدا ۲۲ قبضہ کماں کا دست کماندار سے جدا
چلتے تھے سر بہ سر لب سونار سے جدا ڈر سے جدا ہلاک تھے تلوار سے جدا

رہگیر کیا کرے جود ترکش میں تیر ہو

چلاتے تھے کہ چل کے کہیں گوشہ گیر ہو

یوں تھر تھرا رہے تھے ہر اک پہلوں کے پاؤں ۲۳ چلنے میں جیسے کا پنتے ہیں ناتواں کے پاؤں
اٹھ اٹھ گئے پناہ ضلالت نشان کے پاؤں دن میں جسے سہے تو اسی نوجواں کے پاؤں

ہشتا بھی ہے جہت اد میں حق کا ولی کہیں

عباس بھی اٹھیں جو ہٹے ہوں عشی کہیں

جب سفیر سے ترائی کی جانب بھیٹ گئے ۲۴ صفائی صاف پگھوڑے پگھوڑے اٹ گئے
اب کیا بڑھیں کہ ڈر سے ہو تن کے گھٹ گئے جن کے قدم جھے رہے سران کے کٹ گئے

حملوں کے بدترتے تھے یوں نعرے مار کے

انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے ڈکار کے

ہر شے حق خوف ضربت شمشیر سے جدا ۲۵ نادک کماں سے دُور کماں تیر سے جدا
پیرِ حزیں جواں سے جواں پیر سے جدا پلے سمٹ کے ہوتے تھے رہگیر سے جدا

سارے عقاب تیر غم بے پری میں تھے

پیکاں میں نے سری تھی نہ پیکاں سری میں تھے

نیزے کو توں ہوا اگر کوئی بل بڑھا ۲۶ دریائے قہر حق کی طرف پر دغل بڑھا
کچھ ہاتھ کچھ حسام دودستی کا پھل بڑھا تلوار سر پہ آئی کہ دستِ اہل بڑھا

درد کھڑے طول میں جو دم امتحاں ہوئے

غل تھا کہ مٹنی یہ طوبی عیاں ہوئے

وکتی حق خود پڑ نہ جلم پڑ نہ ڈھال پر ۲۷ حیرت تھی فوجِ شام کو اس چال ڈھال پر
بالا ہوا راستی میں قد اس کا ہلال پر جو ہر فروتنی کے بھی تھے اس کمال پر

چشمک یہ دمدم تھی کہ سرکش ذلیل ہیں

چلتے ہیں جھک کے وہ جو خبیث اصل ہیں

گھوڑوں کے دوڑنے سے اڑی دشت میں جو گرد ۷۸، مقتل بھی زرد تھا فلک نیلگوں بھی زرد
 جتنے جوان تھے دستبردِ مرادگی میں فرد چہرے کٹے ہوئے تھے انھیں کے دم نبرد
 نصیحوں کیسا ہوش میں اک خود غلط نہ تھا
 زخمی تھے منہ کہیں اثرِ خال و خط نہ تھا

ہر سمت تھا مقدمہ جانوں کا رو بہ کار ۷۹، آتی تھی موت جائزہ لینے کو بار بار
 اسوار برطرف، تو ندارد رسالہ دار مطلق لئے تھے منشی فوجِ ستم شعار
 کیا ابتری سپاہِ ضلالت اثر میں ہے
 غل تھا چلو کہ فوج کی بھرتی سقر میں ہے

تسلیم کو جھکے ہوئے تھے با ادب نشان ۸۰، لشکر میں برہمی تھی سلامی تھے سب نشان
 اٹھتا تھا شور ہاتھ سے گرتے تھے جب نشان نوبت یہ ہے تو فوج کا متلبہ ہے اب نشان
 آفتِ بپا ہے پاؤں تھے کیا سپاہ کا
 رستہ پڑا ہے ضربِ علی دیرِ شاہ کا

جب اٹھ کے تیغِ صفدر قدسی شرفِ گری ۸۱، گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجفِ گری
 آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری کٹ کر گرا پرے پہ پر اَصْفَ صَفِ گری
 سیفی چلی کہ سیفِ صف کا زار پر
 گھوڑے گرے پیادہ یہ پیدل سوار پر

آئے جو سوائے نہرِ صفیں موڑ موڑ کے ۸۲، بھاگے کہاں میں تیرِ عدو جوڑ جوڑ کے
 تلواریں پٹکیں خاک پہ دم توڑ توڑ کے بھاگے و فامیں گھاٹ کو سب چوڑ چوڑ کے
 وہ برجھیاں نہ پھر نہ وہ شورِ مصاف تھا
 جس مورچے پہ تیغ اٹھائی وہ صاف تھا

وہ رہ گئے کہ زخموں سے جو چور چور تھے ۸۳، جوتھے قریب نہر وہ سب دُور دُور تھے
 غازی تھے صف شکن تھے جری تھے غیوتھے دریا پہ کوئی اور نہ تھا بس حضور تھے
 غل تھا کہ اب پکیں گے نہ ہم اس لڑائی میں
 بھاگو کہ شیرِ گونج رہا ہے ترائی میں

لڑتا کنار نہر جو پہنچا وہ شہسوار ۸۴ خون پونچھ کر رکھی تیراں تیغ آبدار
 آئی صدائے حضرت ایساں بادقار اے نور عین ساقی کوثر ترے نثار
 سر بر ہو کون تیغ پکڑ کر جو تو بڑھے
 دھو ہاتھ منہ کر نہر کی بھی آبر و بڑھے

سقائے اہل بیت پکارا بہ چشم تر ۸۵ میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پر
 پیاسا ہے تین روز سے مختا خشک تر بچے تڑپ رہے ہیں لہو ہے مرا جگر
 طوفاں کا دھیان صاحب گشتی کو چاہیئے
 بچوں کی پہلے فکر بہشتی کو چاہیئے

ڈالا میان نہر جو اسپ مابشتاب ۸۶ آنکھیں قدم سے کھنکے دوڑ کر جناب
 مومیں بڑھیں برائے قدم بوسنی جناب اچھلیں علم کے چومنے کو مابیان آب
 پسروں کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں
 کھلتی تھیں اور جاپوں کی آنکھیں چمکتی تھیں

پانی سے منہ اٹھائے جو تھا اسپ سر بلند ۸۷ ڈھیلا کیا دلیر نے خود جھک کے زیر بند
 بولا بلا کے سر کو سمندرِ وفا پسند پیاسا ہے ذوا بکناج شہنشاہِ ارجمند
 حیواں تو ہوں حضور پہ خوش اعتقاد ہوں
 میں بھی تو ابنِ فاطمہ کا خانہ زاد ہوں

فرایا آپ نے مرے غم خوار مرجبا ۸۸ ڈھکنا نہیں کبھی تیرم صاحبِ دفا
 تو اپنی خانہ زادی کا حق کر چکا ادا پیش خدا بزرگ ہے صابر کا مرتبا
 پانی سے اے فرس تجھے جبا بختاب ہو
 سیراب کس طرح پسرو تو زاب ہو

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ ترشہ کام ۸۹ پھر گھاٹ پر گٹھا کی طرح چھائی فوج شام
 تنہا پہ بے وطن پہ ہوا پھسلا ہجومِ عام پھر ہر طرف سے چلنے لگے نینہ حمام
 اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دواس دلیر کو
 کشتہ کرو ترائی میں حیدر کے شیر کو

گھوڑا کہیں گھرا کہیں اڑ کر بل گیا ۹۰ جوڑ کے گرہ بڑا دہ سٹوں سے پھل گیا
نہروں سے مر گیا کوئی، کوئی دل گیا صفِ پتھر گئی اُدھر کی بدعہرہ اُچھل گیا
مشکیزہ لے کے لاکھوں سے کتنے ناکریں

کیوں اے بہادر کہو عباس کیا کریں
برے جو دس ہزار کمالوں سے تیر کریں ۹۱ غُزال ہو گیا تن عباس مر جبیں
دار اپن کر گیا جو برابر سے اک لیں بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے میں
مُڑ کر نگاہ کی کہ الہی یہ کیا ہوا
اک ہاتھ رہ گیا تھا سوروہ بھی جُدا ہوا

ٹھنڈا جو ہو گیا طہر شاہ دیں پناہ ۹۲ عباس نام در نے بھری دل سے ایک آہ
دانتوں سے پکڑی مشک کہ محنت نہ ہو تباہ مشکیزے پر بھی تیر لگا داسیبتاہ
گھوڑے سے ڈگ لگا کے بصدیاں گر پڑے
پانی کے ساتھ حضرت عباس گر پڑے

اُٹھ بیٹھے گر کے حضرت عباس جی شہم ۹۳ گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا علم
جُھک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ باکرم گرز گراں عقب سے پڑا سر پہ ہے رستم
حمولے ہوا جگر اسدِ دوا بحلال کا
سُراش پاش ہو گیا حیدر کے لال کا

مُڑ کر جو فرطِ غیظ سے قاتل پہ کی نظر ۹۴ مارا کسی نے تیر دلا در کی چشم پر
جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر تیور جو آئے جُعموم کے سنبھلا وہ شیر نر
جوش غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیشے
گویا لہو ٹپکتا تھا چشمِ دلیر سے

شانوں سے سامنے جسم کا جب بہہ گیا لہو ۹۵ ریتی پہ تھر تھرا کے جھکے آپ قبلہ
آواز دی کر آئیے یا شاہِ نیک خو سرتن سے کاٹ لینے کے درپے ہیں کینہ جو
خوں میں تڑپ تڑپ کے یہ غمخوارہ نہ جانے
صدور یہ ہے کہ حسرت دیدار وہ نہ جانے

بھلا حرم سرا سے ملدار کا پسر ۹۶ گورے گلے میں ہنسیاں تھیں کان میں گھر
جہرے کا رنگ اڑا ہوا کرتا عرق میں تر کی عرض شہ سے ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر

شاید خبر نہیں ہے امام غیور کو

آفتا پدر پکار رہے ہیں حضور کو

ڈیڑھ سے پہلا کے سکیٹ نے یکہا ۹۷ ہاں ہاں سنی تھی میں نے بھی عباس کی صدا
جلدی کسی کو بھیجیے یا شاہ کرلا اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے کپے مرے چھا

مر جاؤں گی اگر انھیں جیتا نہ پاؤں گی

کیوں کر چمی کو ہائے یہ صورت دکھاؤں گی

حضرت نے آہ کی کرلڑنے لگی زمیں ۹۸ ناگاہ واں سے بڑھ کر پکارے کئی عین
اب جلد سر کٹانے کو آئیں امام دیں کہہ دے کوئی کہ مر گئے عباس رجبیں

بڑھنے دیا زگھاٹ سے آگے دلیر کو

کیا گھر کر بکھار میں مارا ہے شیر کو

تیروں سے جسم چھن گیا بازو ہوئے قلم ۹۹ افتادہ ہے وہ خاک پہ ٹوٹا ہوا علم
آئے ہیں یاں پھر رے کے پرنے اڑا کے ہم پانی نہ مشک میں ہے نہ عباس میں ہے دم

دنیا سے آج اٹھ گیا حامل نشان کا

کشتا ہے سر ترائی میں کڑیل جوان کا

نستے ہی اس صدا کے شکستہ ہوئی کمر ۱۰۰ ترپے اٹھے گرے نہ بٹھا لا گیا جگر
کا پیچہ جو پاؤں تھام لیا بازوئے پسر چلاتے تھے کہوٹی اکبر چلیں کدھر

خورشید کیوں چھپا ہے یہ کیا واردات ہے

کچھ سوچت انہیں ہیں دن ہے کہ رات ہے

عباس کے پسر سے تو کہہ دو کہ گھر میں جائے ۱۱ دیکھو حرم سرا سے سکیٹ نہ نکل نہ آئے
نغمہ ابھی خبر نہ کسی رانڈ کو منائے اکبر اُجڑ گیا مرا گھرائے ہائے ہائے

پڑسا تو دل بخت کی طرف مجھ کو موڑو

سر پٹیا چلوں گا مرے ہاتھ چھوڑو

یہ روزِ قتلِ حمزہؑ و جعفرؑ ہے اے پسر ۱۰۲ یومِ دفاتِ حضرتِ شہید ہے اے پسر
یہ ماتمِ شہادتِ حیدر ہے اے پسر صبرِ اب کہاں یہ داغِ برادر ہے اے پسر

میدِ اَلَمِ بتوں کی جانی سے بوجھے

مَدَدِ جوانِ بھائی کا بھائی سے بوجھے

عُزّت میں لٹ گیا مرا گھرائے ہائے ۱۰۳ سیدی نہ ہوگی اب یہ کمرائے ہائے ہائے
تازہ ہے آج داغِ پدرائے ہائے ہائے کاٹا گیا پھری سے جگر ہائے ہائے ہائے
عباسؑ کیا جہاں سے گئے ہم گزر گئے
محسن ہوا شہیدِ حسنؑ آج مر گئے

کرتا تھا عرضِ باپ کو تھا سے ہوئے پسر ۱۰۴ دل کو ذرا سنبھالیے یا شاہِ بحرِ دوبر
زندہ ابھی ہیں حضرتِ عباسؑ نامور گھبرائے نہ اب ہے ترائیِ قریب تر

خادم اُٹھائے گا جبرِ پاشِ پاشِ کو

چلیے ہم میں لے کے بہشتی کی لاش کو

جس دمِ قریبِ لاش کے لائے حسینؑ کو ۱۰۵ عباسؑ جاں بلبِ نظر آئے حسینؑ کو
تڑپا وہ شیرِ سن کے صدائے حسینؑ کو اکبرؑ نے ہاتھ اُٹھا کے دکھائے حسینؑ کو
دو کوہِ غم کے دل پہ جواک بار گر پڑے
پہلو میں لاش کے شاہِ ابرار گر پڑے

بھائی کی لاش بھائی نے رکھی جو خوں میں تر ۱۰۶ اُمڈا یہ دل کو منہ کے قریب آگیا مگر
ہوئے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامور اکبرؑ سنبھالو قبلہٴ عالم کو بیٹھ کر

صدتے ہزارِ جانِ امامِ غیور کے

مجبور اُٹھائے گردِ پھراؤ حضور کے

منہٴ دل کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ خوشِ خصال ۱۰۷ عباسؑ تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
اے میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال صدفِ رنے سکر کے کہا شکرتِ ذوالجلال

آرام آگیا تپشِ روح و دل گئی

آپ آئے کیا کہ دولتِ کونین مل گئی

مولا نزول رحمت پر در و گار ہے ۱۰۸ اب آمد آمدِ شہِ دُل دل سوار ہے
شیرِ کھڑے ہیں راہ میں چشمِ اشکبار ہے شاید جنابِ فاطمہ کا انتظار ہے

قدسی قطار باندھے ہیں ناقوں پہ نور کے
آتے ہیں باغِ غلہ سے نانا حضور کے

کیا بندہ بروری ہے زبے عز و افتخار ۱۰۹ لاکھوں برس کی زیت ہے اس موگے ثار
تھم تھم کے جسم سے جو نکلتی ہے جانِ نثار دُشوار ہے مفارقتِ شاہِ نام دار
کیوں کر نہ ایسی مرگ پہ نازاں غلام ہو
ہنگامِ نزع، جس کے سر ہلنے امام ہو

روٹنے لگے یہ کہہ کے جو عباسِ دی وقار ۱۱۰ فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
کی عرض اب بدن سے نکلتی ہے جانِ نثار غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہِ نام دار
تلوار کھینچ کھینچ کے شکر جو آئے نکلا
اب کون ہے جو قبلہ دیں کو بچائے گھا

کیا بے بسی ہے موت سے لے قبلہِ انام ۱۱۱ باتیں تو تھیں بہت پہ نہیں طاقتِ کلام
بگڑا ہے دم کی آمد و شد کا بھی انتظام کچھ ایسی آہنی ہے کہ مجبور ہے غلام
پاؤں گھا اب کہاں ہیں امامِ غیور کو
جی چاہتا ہے یہ کہ نہ چھوڑوں حضور کو

گہرا کے نزع میں علی اکبر سے یہ کہا ۱۱۲ اے شاہِ زادہ درجہاں میں ترے فدا
میرا تو کوچ ہے طرفِ گلشنِ بقا فرزندِ فاطمہ سے خستہ و آراگ ذرا
گر منع بھی کریں تو اکیلا نہ چھوڑیو
عمر نثار باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

یہ کہہ کے پائے شاہ کی جانب بڑھایا سر ۱۱۳ کاپنے لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
ٹپکے مژدہ سے خون کے قطرے ادھر ادھر کس پاس سے سینے پہ کی آخری نظر
منکا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
بھائی کا دم مکمل گیا بھائی کی گود میں

پہلے سرکھٹ کے سلطان بھروہر ۱۱۳ فریاد ہے کہ مر گئے عباسی ہم دم
بے کس جماعت میں تھی دولت مند آئی صدام علی کی کہ شہیر صبر کر!

فرزند تھا مرا یہ تھا غلام تھا

جو مال ہو بجا ہے کہ پیارا غلام تھا

یہ سب شرف ہے تیری غلامی کا لے پسر ۱۱۵ زہرا سرہانے لاش کے روتی ہے منگے مر
جعفر بھی ہیں عقیل و حسن بھی ہیں نوحہ گر نانا تھا رے روتے ہیں تھامے ہوئے بگر

پڑا تھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں

یہ سب تھامے بھائی کے لینے کو آئے ہیں

باٹھ کر پکارے حضرت شہیر نامدار ۱۱۶ میں لٹ گیا ڈھائی ہے یا شیر کرنگار
ہے ہے مرا خلیق مرا یار و غم گار خدمت گزار عاشق صادق وفا شعار

بھائی کا کیا سفر ہوا میں آپ مر گیا

بچے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا

بازو شکستہ ہو گیا ٹوٹی کمر مری ۱۱۷ آنکھیں اُدھر تھیں اس کی بد مر تھی نظری
اب بے خبر ہیں کون رکھے گا خبر مری داہتر تا زہر مری ہے ہے سپر مری

کیوں مجھ سے منہ پھرایا قصیر کیا ہوئی

سب جس سے کانپتے تھے وہ شمشیر کیا ہوئی

یہ کہہ کے گر پڑے شہر والا بروئے خاک ۱۱۸ تر ہو گئی شہید کے خوں سے قبلے پاک
میٹا تڑپ گیا کہ پدر ہو گئے ہلاک کر ڈالا دست غم سے گریبان پاک ہاک

تیور جو آئے گر کے سب مشرقین کو

چلائی فاطمہ کہ سنبھالو حسین کو

جلدی عبا اڑھا کے دلا در کی لاش پر ۱۱۹ اکبر نے عرض شاہ سے کی ہاتھ جوڑ کر
خیجے سے نکلی آتی ہیں رائیں برہنہ سر تنہا کھڑا ہے راہ میں عباسی کا پسر

آیا وہ گر تو ساتھ کیونہ بھی آئے گی

دیکھی چپاکی لاش تو جیتی نہ جانے گی

فرمایا شرف نے آپ کا مطلب ہے اس کی کیا ۱۲۰ روئے نہ بیانے بھائی کو مظلوم کر دیا
مجھ سے ابھی تو بکھرے میں عباس با وفا راحت ہو شمر آ کے جو کالے ٹہرا کھا
ہے ہے ابھی سے رشتہ آفت کو توڑ دلا

کس پر میں ان کی لاش کو جھگ میں چھوٹا

آباد پھر علی کی یہ آئی کہ اے پسر ۱۲۱ تو جا کر میں تو ہوں ترے بھائی کی لاش پر
نیریز می پرش ہے زوج عباس نام در دونوں غلام زادے تھامے ہیں نوحہ مگر

صدرے جہاں میں بے پردی کے غلیم ہیں

اک سو گوار راند ہے اور دوتیم ہیں

ناچار لاش چھوٹ کے اٹھے امام دیں ۱۲۲ مشک و علم کو لے کے چلے اکبر حزیں
کوئی تھا ساتھ اسب علم را در جبین با گیں کئی تھیں تیغوں سے ڈھلکا ہوا تھا نہیں

مشکی ہوئی تھی تیغ و سپر بھی دلیر کی

پڑخوں زرد سمند پہ رکھی تھی شیر کی

ماتھا لہو سے ڈوبا ہوا، تھو تھنی نگار ۱۲۳ سینہ بھی سب چھنا ہوا گردن بھی زخمدار
گردن پھار کے گھٹا تھا دریا کو بار بار یعنی پڑا ہے دشت میں تنہا ہر اسوار

خادم برہنہ سر لئے آتا ہے اس طرح

دکھل کو لوگ لاتے ہیں مجلس میں جس طرح

صدرے سے تھی علم کی بھی ٹوٹی ہوئی کمر ۱۲۴ چھینٹیں تھیں خوں کی سبز پھڑپھڑ سے سر بسر
پر جم پڑیں جھکا ہوا پنجہ تھا خوں میں تر جس طرح پیتا ہے کوئی سو گوار سر

پیدا تھی ہر قدم کی علامت نشان سے

پیٹو کر اٹھ گیا مرا مال جہان سے

بہو پنے حسین خیر اقدس کے جب قریں ۱۲۵ آگے بڑھے جھکا کے علم اکبر حزیں
دوڑا ترپ کے دلبر عباس مد جبین چلا یا کیا غضب یہ ہوا یا امام دیں

کون ہے کیوں فرس مرے بابا کو ہر گئے

سر پیٹ کر حسین پکارتے کمر گئے

یہ ننگے پاؤں پھر ادھ جگر نگار ۱۲۶ آیا حرم میں مضطرب و نالان و بے قرار
مادر پیکاری خیر تو ہے تم پہ میں نثار چلا یا چاک کر کے گریباں وہ سوگوار
پانی کو جو سدھارے تھے وہ خوں میں تر ہوئے

اماں اٹاؤ خاک کہ ہم بے پدر ہوئے
پزدہ اٹ کے خیر کا فضا نے دی صدا ۱۲۷ لے پرے والو ڈیوڑھی سے ہٹ جاؤ اک ذرا
لاتے ہیں گھر میں مشک و علم شاہ کر بلا مارے گئے جہاد میں عباس باوفا
موت آئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی
ہے ہے علی کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

خیمے میں حشر ہو گیا سنتے ہی یہ خبر ۱۲۸ رانڈوں کے دل اٹ گئے تھرا گئے ہلکے
ما تم کی صف پہ بیٹھ گئی کوئی فوج گر غش کھا کے گر پڑی کوئی کھولا کسی نے نہ

ہے ہے کہ نعل ہوا کہ سیکسہ اچھل پڑی
جھلے سے بال کھولے دہن بھی بھل پڑی
اکس نے آکے گاڑ دیا صحن میں علم ۱۲۹ کھولے سردوں کو زیرِ علم آئے سب حرم
حضرت پیکارے پیٹ کے زانو بہ درد و غم لوزینٹ اپنے بھائی کو روائے دن میں ہم
جیتے رہتے تھے اس الم دیاس کے لئے
رند سالہ لاؤ زوجہ عباس کے لئے

برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علی کے لال ۱۳۰ بکھرا دئے حسین کی بہنوں نے سر کے بال
پٹی پچھائیں کھا کے جو بانوئے خوش خصال مٹی پہ لوٹنے لگے اطفالِ خرد سال
فقی ہو گیا سیکسٹ کا منٹو سانس اٹ گئی

پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی
منہ دامنِ علم سے چھپائے بہ صد بکا ۱۳۱ چلاتی تھی رکھ دے گئے ہے ہے مرے چچا
اس خوں بھرے علم کے میں قربان میں خدا مشکیزہ کیوں دیا تھا یہ سب ہے مری خطا
بابا اکیلے ہو گئے آفت گذر گئی
ہے ہے یہ پانی مانگنے والی نہ مرنی

اللہ سے دل غراش ملی کی بہو کے بین ۱۳۲ ستان آسمان دزمین کو بھی تھا نہ بین
چادر پڑی تھی منہ پہ کچھ سے ملنے حسین تھامے تھی ہاتھ خواہر سلطان مشرقین

مکڑے تھے تیغ غم سے دل سوگوار کے

حکم حیا یہ تھا کہ نہ رونا بکلا کے

کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے داں سے امام دیں ۱۳۳ اس وقت ہاتھ اٹھا کے علم کی بلا میں لیں
منہ کر کے سونے نہر پکاری وہ دل حریں صاحب حسین روتے ہیں تم کو خبر نہیں

جنگل بسا دیا شبہ والا کو چوڑ کے

صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چوڑ کے

صاحب سکیستہ جان بلکتی ہیں آئیے ۱۳۴ کانٹے زباں کے دیکھو کے آنسو بہائیے
صدتے گئی بھٹیسی کو پانی پلائیے قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے

آلفت کے دلہی کے منافی نہ چاہیے

صادق ہیں آپ وعدہ خلائی نہ چاہیے

کل تھی سہاگن آج تریں سوگوار ہوں ۱۳۵ بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب الیاد ہوں
جان ملی ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں

جنگل میں جھوڑیئے نہ مجھے ہاتھ تمام کے

پیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

والی کہاں یہ رانڈیتوں کو لے کے جانے ۱۳۶ اس کر بلائے ٹوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
اب گھر سے کام کیا جو رخصت سوگوار ہائے سر پستی ہوئی لب دریا کنسیر آئے

کیا اس کی زندگی جسے وارث سے پاس ہو

میری بھی قبہ آپ کی تربت کے پاس ہو

جے ہے علم کے پلنے کی شادی کہوں میں کیا ۱۳۷ خضران کو دل گئے علم سبز کیا بلا
باہر سے پہلے آ کے مرے پاس یہ کہا تھی جس کی آرزو ہمیں عہدہ وہی بلا

صدتے سے شہ کے جعفر طیار ہم ہوئے

صاحب تمہیں خبر ہے علدار ہم ہوئے

میں نے بلائیں نے کے پس از تنہیت کہا ۱۳۸ آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا
سردار فیض بخش، علقدار بادشاہ بولے یہ سب حسین کی ہے شفقت عطا

کیا کیا نوازشیں ہیں امام غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

کہتے تھے شب کو بھر کے دم سرد مہدم ۱۳۹ تم ہم کو چاہتی ہو تمہیں چاہتے ہیں ہم
سو سر خدا جو دے تو نثارِ شہِ امام گر ہے تو بس تمہاری بُدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خیر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صنیر ہیں

کیسی یہ غفلت آج ہے لے شیر حق کے لال ۱۴۰ بچوں کو اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھاتی تھی جس کے بالوں کی بُو آپ کو کہاں اس نے تمہارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب دھل کے نہ دن زشیں اشتیاق کی

کیونکر نکلیں گی دشت میں راتیں فراق کی

صاحب تمہیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوب جا ۱۴۱ دریا کا قُرب سرد و ترائی مُنک ہوا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جدا بستر کو خالی دیکھ کے گزرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کہ نہی وادعات ہے
صدقے گمنی نہ سراق کی یہ پہلی رات ہے

ہے بے مرے نصیب کہ تم سے بچھڑ گئی ۱۴۲ غم ہے کہ کیوں نہ میں دمِ زحمت بگڑ گئی
کئی ماحول میں تھی کہ مصیبت یہ پڑ گئی دالی مجھے بلاؤ کہ دُنیا اُجڑ گئی
کیا راہ و رسم ہے یہی دنیائے زفت میں
لونڈی تو قید خانہ میں صاحب بہشت میں

کیوں کر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی ۱۴۳ میری ہی خاک قابلِ خاکِ شفاء نہ تھی
اتنا بگڑ ہے بس کہ یہ غفلت روانہ تھی کیا پانسی بھی اک مری شربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منہ موڑتے نہیں
ساتھی بُرا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں

یوں منہ کو موڑنا تو طریقِ دفا نہیں ۱۳۳ صدقے گئی مزار تو کوئی آسرا نہیں
کیوں کرتے جہازِ موافق ہوا نہیں منہ ہار میں تو ناؤ ہے اور ناند نہیں

دیتی ہوں واسطہ میں شبِ مشرقین کا

دانی مجھے زبنا ہے صدقہ حسین کا

صاحب تمہیں سکینہ ناشاد کی قسم ۱۳۵ صاحب تمہیں مصیبتِ سجاد کی قسم
تم کو حشین کشتہ بے داد کی قسم تم کو ہمارے مال و فسیاد کی قسم

جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیاے زشت میں

مجھ کو بھی اپنے پاس بلاؤ بہشت میں

یکہ کے پینے جو لگی سرود سو گوار ۱۳۶ ڈیوڑھی پہ آئے روتے ہوئے شاد نامدار
بھاؤج کے ہاتھ تمام کے بولے چال زار بس بس خدا کو یاد کر اب اسے جگر نگار

انجام کار سب کے لیے مرگ و گور ہے

بی بی خدا سے کیا کسی بندہ کا زور ہے

بس اے آئیں طول کی آگے نہیں ہے تاب ۱۳۷ طاری ہے ضعفِ دیتی ہے طاقت بھی اب نہ آ
بلو او خاکسار کو یا ابنِ بوتراب ڈر ہے کہ بند میں مری مٹی نہ ہو خراب

جلوہ رہے مزار پہ مولا کے نور کا

خاکِ شفا میں قبر ہو صدقہ حضور کا

مرثیہ (۱۵)

جب آپ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر ۱ فائقے کئی گزرے شہر دیں گے رفقاً پر
نرفہ ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر
بٹھولا تھا چمنِ دشت میں اولادِ علی کا

باجوں کا اُدھر غل تھا، اُدھر تارِ علی کا
خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی پہ شام ۲ کس شان سے تھانج میں غلِ دستِ اسلام
تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام سب تشہِ دہن قتل ہوں زہر کے گلِ اندام
سادات کو ہاں نیزۂ دُشمنِ میرے مارو
پتہ بھی جو آئے تو اُسے تیسرے مارو

یہ شیر ہیں آغوشِ یزدانِ اللہ کے پالے ۳ جوبے زبردست ہوا تھا اُن پر وہ ڈالے
گھرے رہیں پیاسوں کو سواروں کے رمالے نزدیک سے تواریں چلیں دُور سے بھالے
ہاتھ آئے گھاسِ خوں کا صلہ تیغِ زخموں کو
دم لینے کی مہلت نہ ملے بے وطنوں کو

دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو، چلیں تیر ۴ ہیں اُن کے گلے متا بلِ آبِ دُمِ شیر
نازاں ہے بہت اپنے علمدار پہ پیئر دینا سے مرادِ اسد اللہ کی تصویر
ایک عشق ہے ہم شکلِ رسولِ مدنی سے
چھید و جگر اس چاند کا برہمی کی آنی سے

تاسم کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی ۵ ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی
نہ زندوں کو زینب کے نہ دینا کہیں بانی یہ شیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی
تیغ ان کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہے
اک جعفرِ طیب ہے اور ایک علی ہے

کس شان سے ہیں نیچے ہاتھوں میں سنبھالے ۶ بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے
کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا جھوٹے بھالے زخمی ہوں کسی تیج سے یہ گیسوؤں والے

تھماروں سے پھر بچ کے کدھر جائیں گے شیر

زینب نکل آئے گی تو مر جائیں گے شیر

داں ظلم پہ باندھے تھا کمر شکر کفبار ۷ تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پر تیار
ذی قدر جواں مرد خوش اطوار و فادار خاصانِ خدا مشفق و زائد و ابرار

آغوشِ محمدؐ کا مکس اُن کی طرف تھا

دنیا تو اُدھر جمع تھی ویں ان کی طرف تھا

تھانج کے سورہ کا مفسر کوئی ذی جاہ ۸ پڑھتا تھا کوئی آیہ نصرتِ طرفِ شاہ
کہتا تھا کوئی ہنس کے تَوَ تَحَلَّتْ عَنِّي اللَّهُ بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ

گورم نہ یہ لشکرِ نااہل کرے گھا

اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا

تھاسوزہ کوڑھی پیاس کی زباں پر ۹ مائل تھا کوئی سپہِ گلستانِ جاناں پر
صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ درجہاں پر لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر

تبسیجِ امامت کو عجب دانے لے لے تھے

یا فاطمہؑ کی شمع کو پر دانے لے تھے

ماشوقِ شہِ والا کے، مطیعِ اسد اللہ ۱۰ سر دینے کو سب ہادی کونین کے ہمراہ
مستثنیٰ وحی بین و حق آئین و حق آگاہ دنیا کو وہ دیں دار سمجھتے تھے گذر گاہ

فاتوں میں توکل تھا، جنابِ اہدیٰ پر

پڑتی تھی نظر اُن کی، نعیمِ اہدیٰ پر

خشکیہ زبانون پہ سخن شکر کا جاری ۱۱ معشوقِ امامِ درجہاں عاشقِ باری
کوئی تو محدث، کوئی حافظ، کوئی قاری ہم رتبہٴ سلمان و اباذرِ نزاری

سمجھ ہوئے تھے تلخ وہ لذتِ جہاں کو

تھا چاشنی فقر سے کام اُن کی زباں کو

گوفاتوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر ۱۲ موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرہٴ تکبیر
 داتاے جہاں سیفِ زبان، صاحبِ شمشیر طینت میں دفاواروں کے تھے، اُلفتِ خیر
 دل تیروں سے زخمی ہوئے چمد چمد گئے سینے
 سرِ رشقِ تبیح کو توڑا نہ کسی نے

ایک ایک مئے وحدت اللہ سے مرست ۱۳ ثابت قدم و صمد روجاں بازو زبردست
 سرکائیں نہ سینوں کو، جو سوتیر ہوں پیوست سمجھائیے دنیا کی بلندی کو سدا پست
 نے گھر کا، نہ اولاد کا، نہ مال کا غم تھا
 غم تھا تو فقط فاطمہ کے لال کا غم تھا

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھا ۱۴ پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
 آفت کی محبت میں، دطن چھوڑ کے آئے ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
 ز رہیں تپ پُر نور میں شیروں کے پڑیں تھیں
 آنکھیں پر شام کی تیغوں سے لڑی تھیں

پہلو میں کوئی اور کوئی پیشِ شہِ خوش خو ۱۵ کوئی سپرِ حفظ، کوئی جوشِ بازو
 رُخِ چاند سے روشن، تو بدنِ پھولوں سے خوشبو رُخساروں پہ سنبُل سے ٹپکتے ہوئے گیسو
 تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا اُن کا
 حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

کیا شانِ حبیب ابنِ مظلّم کا لکھوں حال ۱۶ وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سن و سال
 کیا رتبہٴ اعلیٰ تھا زبے حشمت اقبال فرماتا تھا بھائی، جسے خود فاطمہ کا لال
 جو عشق تھا سلمانؑ و اباذرؑ کو نبیؐ سے
 ان کو وہی اُلفت تھی حبیبؑ ابنِ علیؑ سے

اندازِ جوانوں کا بھی، پیرانہ سری بھی ۱۷ پروانہ جاں باز بھی، شمعِ سمسری بھی
 ابرار بھی، دیں مار بھی، عیساں سے بری بھی زاہد بھی، مجاہد بھی، نمازی بھی، جبری بھی
 طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں رہے تھے
 ترشہ برس آفت کی غلامی میں رہے تھے

تھا وہ قدِ خم گشتہ شجاعت سے نہ خالی ۱۸ مرنے کو چلے کیا کہ چسلی تیغِ صلال
پہا تھی وہ صف جس پہ نظرِ شیر نے ڈالی نعرہ تھا یہ ہر دم کہ نثارِ شبہ عالی

سندتے ہوئے یوں نعتِ دلِ حتمِ ریل پر
بلبل کبھی جس طرح ندا ہوتی ہے گل پر

وہ مومنِ کامل جو زمانے سے بدھارا ۱۹ حضرت کا جگر ہو گیا، سینے میں دو پارا
فسراتے تھے رو کر کہ نہیں صبر کا یارا افسوس کہ بچپن کا چھٹا، دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اُس تشددِ ہنکے
جس طرح سے روئے تھے جنانے پہ حسن کے

مٹی میں بلایا وہ مرقع جو قضا نے ۲۰ سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
دیکھا سُوئے افلاک، امام دوسلنے تسبیحِ امامت کے بھرنے لگے دانے
کیا قہر ہے، تیران پہ چلے، فوجِ شقی کے
رشتے میں جو تھے احمد و زہرا و علی کے

مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار ۲۱ بے جاں ہوئے مسلم کے یتیمانِ وفادار
آخر ہوئی، اولادِ عقیل، جگر افکار پا ماں ہوا، لو چمنِ جعفرِ طیار
لشکر میں تلاطم ہے امامِ ازلی کے
اب چلتی ہے تلوار نواسوں پہ علی کے

تھی لشکر کے سجدے میں یدِ اشد کی جانی ۲۲ فصد نے یکایک یہ خبر آ کے سنائی
سیدانیوں، بوٹی گئی زینب کی کمانی دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم دہائی
مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے پتے
ہے مری آغوش کے پالے ہوئے پتے

سجدے سے جو سر حضرت زینب نے اٹھایا ۲۳ ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتے ہوئے پایا
گہرا کے کہا، کیا ہوا، کیوں شور مچایا جلدی کہو، کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہے لوگو
اکبر مرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو

سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے ۲۴ فرمایا کہ ہاں دونوں نے سرمایوں پر دائے
 صادق تھے دو حق ماں کا ادا کر گئے باپے شادی ہوئی، پیر زمان چڑھے لال ہمارے
 تھا آج کے دن کے لئے پالا انھیں میں نے
 شاہد ہیں سب دودھ بھی بخشا انھیں میں نے

یہ سن کے ادھر بیاباں سب پیتی تھیں سر ۲۵ واں تیغوں سے ہوتا تھا قلم گلشن حیدر
 مارے گئے عباس کے عینی جو برادر لاکھوں سے لڑا تختِ دہلی حضرت شہر
 تلواریں کھینچے پہ چلیں شاہِ زمن کے
 ٹکڑے نہ ملے لاشِ فرزندِ حسن کے

بھادج کے جو پڑے کو چلے سیدِ ابرار ۲۶ آگے گئے روتے ہوئے عباسِ علمدار
 پردے سے لگی رو رہی تھی زینبِ ناچار ہمیشہ کے قدموں پہ گرے دور کے اک بار
 نہر مایا کو اٹھو تو مری جانِ برادر
 کیا کہنے کو آئے ہوں میں شہر بانِ برادر

کی عرض کر اے وارثِ ذریتِ حیدر ۲۷ دنیا سے سفر کر گیا سب شاہ کا لشکر
 باقی ہوں غلاموں میں تو میں بیٹوں میں اکبر دیکھوں کہے دیتے ہیں رضا بیٹے
 بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکایتے ہیں سر کو
 دیکھا ہے کن آنکھوں سے کئی بار پسر کو

میدان میں بڑے بھائی کا پیارا ہوا بے دم ۲۸ یہ ایک ندامت ہے مرے واسطے کیا کم
 کیا جانے کیا سوچتے ہیں قبلہ عالم اکبر بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم
 ہوگا دہی جس امر میں کد آپ کریں گی
 رہ جائے گی عزت جو دہ آپ کریں گی

خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا ۲۹ ہوگا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
 ہاں آپ ذرا شاہ سے کردیں جو اشارا پھر کیا ہے سنو رہا ہے ابھی کام ہمارا
 حامی ہو تو دیر ایک دم اک بل نہیں ہوتی
 مشکل کوئی بے عقدہ کشا مل نہیں ہوتی

سُن کر یہ سُن کہنے لگی زینب ذی جاہ ۳۰ دلوادے بہن، بھائی کو مرنے کی رضا، آد
اچھائیں کہوں گی پہ نہ مانیں گے کبھی شاہ بھائی سے نہ اُنھے گا یہ کوہِ غم جاں کاہ

مشکل ہے بہت گود کے پالے کی جدائی

آسان نہیں چاہنے والے کی جدائی

ہاں رخصت اکبر ہو تو ہو ان کو گوارا ۳۱ فرزند اُنھیں، تم سے زیادہ نہیں پیارا
اک دم بھی جدا ہونے کا جن کو نہیں یارا کیونکر کہوں وہ داغ اُٹھائیں گے تمہارا

اول تو یقین ہے کہ نہ اقبال کریں گے

مانا بھی تو کیا جانئے، کیا حال کریں گے

یہ ذکر تھا جو شاہِ اُمم خیمے میں آئے ۳۲ روتے ہوئے دیوڑھی سے حرمِ خیمے میں آئے
اکبر بھی بصدِ رنج و المِ خیمے میں آئے عباس بھی گردن کیے خم، خیمے میں آئے

روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصہ رب کو

شبیر نے ایک ایک کا پڑسا دیاسب کو

جن جن کے پسر ہو گئے تھے دشت میں بے جا ۳۳ ان سوگ نشینوں سے یہ بولے شہِ ذی شاں
اے بیبیو! تم سب کے ہیں شبیر، احساں سب بولیں کہ اے محسنِ عالم تمہے قرباں

اولاد کے مرجانے کا کچھ غم نہیں ہم کو

اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو

رو کر شہِ بے کس نے کہا یہ نہ کہو آہ ۳۴ مشتاقِ اہل ہوں، مجھے جینے کی نہیں چاہ
سب قافلے والوں نے تو فردوس کی لی راہ جو پچھڑے ہیں جلد اُن سے ملانے مجھے اللہ

اب ہم نہ کوئی داغِ غم و یاس لٹھائیں

لاشے کو مرے اکبر و عباس اُٹھائیں

اکبر نے کہا پہلے خدا ہم کو اُٹھائے ۳۵ فرزند تو زندہ ہو، پدر خوں میں نہ لائے
عباس یہ بولے، وہ گھڑی حق نہ دکھائے آقا پہ جو آتی ہو، بلا ہم پہ وہ آئے

حضرت ہی ہمارا تین صد پش اُٹھائیں

خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اُٹھائیں

عباسؑ کا منہ بنس کے لگے دیکھنے شبیرؑ ۲۶ فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ قمشیر
عباسؑ مٹی رونے لگے سن کے یہ تقریرؑ شر نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیرؑ

آنسو نہ بہائیں کہ بھوکھنا ہے میرا

کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کتاب ہے میرا

زینبؑ نے کہا ان کا تو مطلب ہی جدا ہے ۳۷ شر نے کہا فرمائیے ہمیشہ وہ کیا ہے
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذنِ دغا ہے حضرت نے کہا خیر مناسب ہے بجاب ہے

اکسب سے بھی پہلے سفرِ خلد کریں گے

جلدی انھیں کا ہے کی ہے کیا ہم نہ مریں گے

گل تک تو مرے عشق کا دم بھر تھے ہر بار ۳۸ رخصت کے لئے آج یہ رقت ہے یہ اصرار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیارؑ پوچھو تمہیں تھا ہم سے اور اُن سے ہی قرارؑ

بھائی نہیں مینے کا جو پہلو سے نہیں گے

یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے

زینبؑ نے کہا آپ انھیں آزرہ نہ کیجئے ۳۹ ان کی یہی وصن ہے کہ رضا پہلے ہی لیجئے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجئے اب تو مری خاطر سے اجازت انھیں دیجئے

جاں باز ہیں غازی ہیں بہادر ہیں جری ہیں

نازان کے اٹھالیجئے کہ اب یہ سفری ہیں

یہ سنتے ہی سر نہ کا جھکا زانوئے خیم پر ۴۰ عباسؑ گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
سر پاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پرؑ حضرت نے کہا رحم نہ آیا تمہیں ہم پرؑ

چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوبِ برادرؑ

تم جس میں خوشی خیر بہت خوبِ برادرؑ

خیمے میں جواغل کے چلے حضرت عباسؑ ۴۱ سب بولے کہ لو اور بھی سرورِ جوئے آس
گہرا کے سلیکٹ نے کہا تپ یہ بصدیاںؑ کیا کہتے ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاسؑ

منہ شد سے وہ موڑیں گے نہ مانو گی کہیں میں

عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانو گی کہو میں

میں مبتی ہوں، کیا ایسا چلا جاتا ہے آساں ۴۲ دامن جو چھوڑیں تو کروں: چاک گریباں
عباس کی زوجہ نے کہا: سچ ہے میں قرباں بائیں کبھی ایسے نہیں بنی کے چچا جاں

کیا جانے واں مشورے کیا کرتے ہیں بنی

پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب مٹتے ہیں بنی

یہ سننے ہی گھبرا کے چلی، شاہ کی جائی ۴۳ رستے میں کبھی گر پڑی ٹھوکر کہیں کوئی
سرکاتی ہوئی بھیر کو اس وقت وہ آئی جس وقت کہ ملت تھا گلے ہوائی کے بھائی

چلتی کہ سمجھی میں جہاں چھپ کے چلے تھے

آئی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چپکے چلے تھے

بستلایے جاتی ہے کدھر آج سواری ۴۴ اس پیاس میں لی واہ خبر خوب، ہماری
دُم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں داری کیوں تم سے گلے مل کے پد رکرتے ہیں داری

بر میں ہے زرہ تیش لگائی ہے کمر سے

ہوتے ہو جا کدھر کیا مرے مظلوم پدر سے

عباس پکارے میں اس آواز کے قرباں ۴۵ ہم جاتے ہیں پانی کے لئے او مری جاں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں میں گھر سے تمہیں جانے نہ دوں گی کسی عنوان

بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے

صدقے محنتی پانی مجھے درکار نہیں ہے

پانی کے لئے واہ تمہیں اتھ سے کھوؤں ۴۶ میں قبلہ کونین کی دولت کو دبوڑوں
شب ہووے تو پھر کس کی بھلا جاتی پہ سوؤں اب روتی ہوں پانی کے لئے پھر تمہیں روؤں

ہے ہے شبہ بیکس کا رُلانا نہیں اچھا

پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا

عباس نے فرمایا کہ تم مشک تولاد ۴۷ بولیں گے نہ پھر ہم، یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ تم بھی پیو، اصفہر کو بھی چلو سے پلاؤ

نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا

تم پیاس بھالو تو جگر سرد ہو میرا

بہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا 'وہ دل گیر ۴۸ کیا کہتے ہیں سنئے تو بچا جان کی تفسیر
حضرت نے کہا یہ نہ ٹکس لگی کسی تدبیر اب شک بھی لا دو انھیں 'جو خواہش تقدیر
رو کو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے اُن کو

سفائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے اُن کو
دی مشک جو مکلم پسر شاہ نجف سے ۴۹ رخصت ہوئے عباس محمد کے خلف سے
غل خیمے میں رونے کا اٹھا چار طرف سے طالع ہوا خورشید زمیں برج شرف سے
کھولا علم دیں کو جو اس بحر کرم نے
نعلین پہ سر رکھ دیا اقبال وحشم نے

گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن ۵۰ قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
تیار تھا اڑنے پہ اٹھائے ہوئے گردن اقبال سیماں سے پری بن گیا توسن
نستراک کو تھا فوق کہیں بال ہمار
زمین اس پہ نہ تھا تحت سیماں تھا ہمار

آہے بہادر کی تزلزل ہوا زن میں ۵۱ غارت صفِ اعدا کا، تھل ہوا زن میں
شکر کی ترقی کا، تزلزل ہوا زن میں شیر آتا ہے، یہ چار طرف غل ہوا زن میں
سب زیر و زبر جمع مردم نظر آیا
دریا بھی ہٹا کچھ یہ تلاطم نظر آیا

شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے ۵۲ تھرانے لگے کوہ، شجر خوف سے کانپے
حور و ملک و جن و بشر خوف سے کانپے پریوں کے پرے دور تھے پر خوف سے کانپے
چلا کے بنی جان تو پنہاں ہوئے دریں

سرتاف چھپانے لگا نقطوں کے سپر میں
ہل چلی تھی کہ شیروں کے قدم بن پیش ٹھہرے ۵۳ دشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے
صحرا کے پرندے بھی، نشین میں نہ ٹھہرے برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضب حق میں گھرے گی
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی

ناگاہ سینا بانی بلا نور سے چمکا ۵۴ جوں پنجہ خورشید، علم دُور سے چمکا
 عکس اس کا فزوں حُسن رُخ حور سے چمکا تھا نور کا شعلہ کہ سہ طُور سے چمکا
 کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نورِ نِشاں ہوں

میں بیخِبتِ پاک کے لشکر کا نشان ہوں
 تھی شانِ علیؑ چہرہٴ انور پہ جری کے ۵۵ کفنی تھی عجب حُسنِ نئے منفر پہ جری کے
 لہراتا تھا دامنِ ظلم، سر پہ جری کے پھرتا تھا ہما فریقِ مطہر پہ جری کے
 شانے پہ کہاں، بر میں زرہ، تیغ کمر میں
 دولا کہ کا شکر نہ سماتا تھا نظر میں

فل تھا کہ علمدارِ شہنشاہ کو دیکھو ۵۶ لواماہِ بنی ہاشمِ ذی جاہ کو دیکھو
 ہم صورتِ وہم شانِ ید اللہ کو دیکھو حیدر کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
 رستائے پہننے کا بھی دستور یہی تھا
 نقشہ تھا یہی حُسنِ یہی، نور یہی تھا

جب رن کو چلے حضرت عباسؑ علمدارِ مطلعِ دمِ دی پیک نے جا کر یہ خبرِ شعر کو اک بار
 وہ شیرِ کُترِی ہے جسے عرش سے تلوار ۵۷ اس کا پسر آتا ہے خبردارِ خبردار
 اب چمکے گی تلوارِ شمعِ ازلی کی
 آمد ہے بڑی دُعوم سے عباسؑ علیؑ کی

تشریف اُحد میں، یوہی لائے تھے ید اللہ ۵۸ خیبر میں، اسی شان سے آئے تھے ید اللہ
 ہتھیار اسی دھج سے لگائے تھے ید اللہ لاکھوں سے یوہیں آنگوٹ لائے تھے ید اللہ
 قبضے میں یوہیں، قبضۂ شمشیرِ دوم تھا
 کا نہ مے پہ اسی طرح محمدؐ کا علم تھا

تحریرِ سراپا پہ جو مال ہوئی خاطر ۵۹ حُورانِ مضامین کی صدا آئی کہ حاضر
 پر جس کی طرف دیدہ حق ہیں ہوئے ناظر ٹھہری کوئی شے قابلِ تشبیہ نہ آخر
 دل نے کہا کیوں امرِ نفی میں یہ کہہ رہے
 دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سند ہے

یا کھئے مچا تو شاہ کے شہید کا سراپا ۶۰ ادنیٰ سے مشابہ نہیں، اعلیٰ کا سراپا
دُشوار ہے عباس سے آقا کا سراپا آسان ہے کچھ حسن کے دریا کا سراپا
بہتر کوئی شے اور ہے نور ازلی سے

تشبیہ جب اس شیر کو دیکھے تو ملے سے
جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام ۶۱ خوش ہو کے عوام اٹھیں تو پھر ہمیں ہے کیا نام
دانا کو یہ لازم ہے کہ عائد نہ ہو الزام کیا لطف جہاں کا بہتر نہ ہو انجام
جلس نہیں مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
یاں رونے کی لذت ہے رولانے کا مزا ہے

واقعہ نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی ۶۲ پیشانی کو خورِ شہید کہا، خوب شنائی
انہم اچھلے لگے، چُپ ہو گئے باقی اشکوں نے بھی رک کر کہا، یہ عین خطا کی
ہمسر کیا دڑے کو مرغِ بازوئے شہ کے
کھوئے دُرِ شہوار بھی پنبے سے بڑھ کے

ایرو کو کہاں کہتے ہیں اس فہم کے قرباں ۶۳ ابرو بھی جگر گوشہ حیدر کے، لہے شاں
مدوت کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دیہاں یہ اس کے نواسے کے تن پاک کی ہے جاں
جوشاہ ہے قوسینِ مکاں ارض و سما میں
فرق دو کہاں جس میں رہا اور خدا میں

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو ۶۴ اس کی تو عبارت نہیں اس کی نہیں ابرو
چہرے کو کہا گر علیٰ مہتاب ہے یہ رُو اس میں نہ یہ سبز نہ یہ سُرخ نہ یہ خوش بو
بلے بو ہے وہ اک پھولِ بہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک نہ اک داغ لگا ہے

مضمونِ دہن کے شعرا رہتے ہیں جویا ۶۵ پوچھے کوئی کوثر سے زباں کو بھی ہے دھویا
غنج جو کہا لطفِ سخن اور بھی کھویا اسرارِ الہی سے بھی واقف ہوئے گویا
میں عقدہ کشا، منہ سے جو بولیں تو گلے کا
اس عقدہ کو یہ آپ ہی کھولیں تو گلے کا

دانتوں کو ٹکڑمڑیہ مگر کہتے ہیں سارے ۶۶ بستلاؤ گہر خوب میں یا عرش کے تارے
یہ دُورِ نجف وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے تاروں کو بھی صدقے فلک اُن پر سے آئے

کیا وصف کریں اُن کا مواصل علیؑ کے

گو ہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے

لب کو جو کہا لعلؑ یہ مضمون ہے بے رنگ ۶۷ اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہن تنگ
بولوب جاں بخش کا ہوتا ہے یہی دھنگ اعجازِ مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ

قدرت نہیں ان ہونٹوں کی اوصاف کی ہمیں

یہ وہ ہیں کہ مُردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں

قامت کو کہا سر و قوچال اس میں کہاں ہے ۶۸ یہ سیبِ ذوقؑ یہ خط و خال اس میں کہاں ہے
یہ حسنؑ یہ صورتؑ یہ جمالؑ اس میں کہاں ہے یہ رعبؑ یہ شوکتؑ یہ جلالؑ اس میں کہاں ہے

غل ہو کہ شمرؑ بو نہیں یا بد مزگی ہے

ہر شے میں غرض ایک نہ ایک شاخ لگی ہے

جرات کہ مہل ہو داں چاہئے اہمّال ۶۹ زریا غزل و شعر میں ہے وصفِ خط و خال
ہاں دیکھو کیتِ قلمؑ ابھی نہیں یہ چال اب بڑھتے ہیں عباسؑ صغیں ہوتی ہیں پال

ہے جوشن و غاضیغمؑ یزداں کے پسر کو

تلوار کو تو لا ہے سنبھالا ہے سپر کو

اعدا بھی ادمر مستعدِ جنگ و جدل ہیں ۷۰ کونے کے نشوںؑ بے کے پئے شام کے دل ہیں
صفِ باندے ہوئے ترک کے اور دم کے ل ہیں سب شہت میں نیزوں کے شجرتیوں کے پل ہیں

او پنجا ہے ہراک ہاتھ پیر سر سے اٹھی ہے

گھنگور گھٹ شام کے لشکر سے اٹھی ہے

کالے ذہ علم فوجِ سیہ رُو کی نشانی ۷۱ غلِ طبل کا قسرنہ کی وہ آواز ڈورانی
شیر ط کے کچھے بھی ہوئے جاتے تھے پانی قصبی صاف صدا لگے کہ اور کی جوانی

بلے کس شہر دیں ہوتے تھے فرادو بکا قصبی

عہنا میں بھی معلوم حسینا کی مسدا قصبی

یاں تیغِ جگر بند علیؑ سیان سے نکل ۷۲، کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکل
فریادِ دلِ قومِ بنی جہان سے نکل اک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکل
غل تھا کہ یہ کس چیسز کا پر تو نظر آیا
حیرت ہے کہ دسویں کو مہ نور نظر آیا
نعرہ جو کیا شیر نے دلِ بل گئے سب کے ۷۳، تھرنے لگے کوہِ اراضیِ عرب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے باہی سے ادھر گاؤں زمینِ بل گئی دُب کے
تھرائے صدائیں کے شجاعِ ازل کی
جسٹری کو لکھ آگئی آوازِ صلیٰ کی
شہید زکوانوں میں، دلا دینے جو دا با ۷۴، پھر آگیا برچوں ہی وہ گھوڑا، دور کا با
تنگی سے قفس تھا، اسے دنیا کا خرابا اُترا تو دہانے کو جب غیظ سے چا با
نے جت نظر آئی، نہ کاوا نظر آیا
پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا، نظر آیا
پامال معدو قبتِ تگ و دو نظر آئے ۷۵، جس غول میں دوسو تھے، وہاں سول نظر آئے
تارے دمِ شونہ و روا رو نظر آئے جب جم کے اُترا، چار مہ نور نظر آئے
بجل تو بلندی پہ، شرارے تھے زمین پر
خوشید تو زین پر تھا، ستارے تھے زمین پر
سیدھی چوٹی تیغِ صفوں کا ورق اُلٹا ۷۶، اُستادِ شجاعت نے پڑھایا، سبق اُلٹا
چہرے جو کئے، ذخیرِ نظم و نسق اُلٹا جسٹریل پکارے کہ زمین کا طبق اُلٹا
رُکنے کا نہیں ہاتھ، شجاعِ ازل کا
دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضربِ صلیٰ کا
وہ معرکہ غسزہ، خیبر نہیں بھولا ۷۷، کفار پہ وہ حملہ حیدر نہیں بھولا
عرصہ ہوا پر صدر شہپر نہیں بھولا اب تک مجھے اس ضرب کا ٹکڑ نہیں بھولا
بہت ہے لہو، آگ بھڑکتی ہے زمین پر
پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمین پر

بڑھ کر صدفِ ثانی پر چلی تیغ جو سن سے ۷۸ صاف آئی صدایہ کہ نہ غافل ہو گھن سے
 راہی ہو میں رُو میں تو رہا ہو کے بدن سے سر طائرِ وحشی کی طرح اڑ گئے تن سے
 کب چٹختے ہیں شہباز اجل کے ہوں جو ہیں
 مالک نے کیا بند جہنم کے نفس میں

ملے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی ۷۹ خوں بینی کئے برش تیغ نے پانی تھی غضب کی
 ہوتی تھیں صفیں صاف لوفائی تھی غضب کی اس منہ کی صفائی پہ رکھائی تھی غضب کی
 پلٹنے میں مزا قیامت معشوقِ حسین کا
 انداز ہر اک ناب میں تھا پیس بہ جبین کا

کیا تہر تھا شمشیر کی ابرو کا اشار ۸۰ اک جشمِ زدنی میں اُسے مارا اسے مارا
 نے بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا ہر ضرب میں تھے جان سے ماری ستم آرا
 گریج گیا یہ اس کی بلا مل گئی اُس پر
 منہ دیکھ لیا جس نے پھر پل گئی اُس پر

کچ ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا، وہ پکنا ۸۱ شعلہ تھا جھل گرد تھا بجلی کا چمکنا
 وہ دیدہ جوہر سے جفا کا روں کا ٹکنا گویا تھا تماشہ اسے کشتوں کا پھڑکنا
 ندی کے قریں خون کا دریا سا بہتا تھا
 کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

بجلی کا چلن شعلے کی خوسرکش و بیباک ۸۲ صرصر سے ٹبک دت گراں قیمتِ جلاک
 خوں خوار جفا کا روستم پیش و سفاک کچ باز اسر انداز ترش رو و غضبناک
 خود آبِ مگر آگ لگا دینے کو آندھی
 ہستی کے چراغوں کو بجھا دینے کو آندھی

بہل ہوا جس کو پچک اس کی نظر آئی ۸۳ بجلی سی جوتی کی تو کلبجوں میں در آئی
 چرنگ کیا اس کو، اُسے آٹھہ کر آئی اٹھکیلیاں کرتی ادھر آئی ادھر آئی
 خوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
 بے دم کیا لاکھوں کو اسی مشوہ گرمی میں

نولاد کی دھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری ۸۳ اک دم بھی میان صنفِ کفار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے، کہیں نہ ہمارے ٹھہری خوں اتنے کئے، اور گنہگار نہ ٹھہری
محرم رہی سرکش رہی بیباک رہی وہ
دھڑ نہ لگا، خون سے بھی پاک رہی وہ

کاٹی جو سپر منفر سنگلیں پہ نہ ٹھہری ۸۵ سر سے جو بڑھی، گردن بے دیں پہ نہ ٹھہری
چار آئینہ ظالم خود میں پہ نہ ٹھہری اسوار تو دو ہو گیا، یہ زبیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اس دم پر جب یل میں کو
گھوڑے سے اترتے ہی کیا چاک زمیں کو

پٹے ہوئے شتوں کے پس و پیش پٹ راس ۸۶ پیتی تھی لبو دم بہ دم اور کھیتی نہ تھی پیاس
جب خون میں بھس جاتی تھی وہ پرچہ الماس خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرت عباس
بے وجہ نہ شمشیر کا منہ لال ہوا تھا
عباس کی سرکار سے روٹا ہوا تھا

ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر ۸۷ پانی کی چمک دُور سے دکھلانے لگی نہر
غازی کی قدم پوسی کو لہرانے لگی نہر بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر
دریا کے جہازوں نے صرادی یہ ابھر کے
آنکھوں پہ قدم ساقی کو ٹر کے پسر کے

ہر موج، زیارت کے لئے ہو گئی بے تاب ۸۸ میں پہلے پھروں گرد، یہ تھی خواہش گرداب
تھا بھیلیوں میں شور کہ بھلو پئے آداب آتا ہے اور بھر شرف کا دُرِ نایاب
آمد جو تھی تھی، خلفِ شاہِ بخت کی
گوہر تھے پئے نذرِ تحصیل پہ صدف کی

جب گھوڑے کو دریا میں غم دار نے ڈالا ۸۹ لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہ و بالا
یاد آگئی بس تشنگی سیدِ دالا رقت بہت آئی تھی گردل کو سنبھالا
سدے سے بھر آیا دل سقائے سبکدہ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا اے سبکدہ

دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر ۹۰ سب آج نیک خلق کا ہے، فاطمہ کا بہر
انصاف کر انصاف یہ کیا ظلم ہے کیا قہر شہیر تو پیاسے رہیں سیراب ہو سب شہر
اس پیاس کا جب ذکر پیہر سے کریں گے
شکوہ ترا ہم ساقی کو تر سے کریں گے

اے آب ۹۱ محمد کا پسرتشہ دہن ہے اے آب شر جن و بشر تشہ دہن ہے
گلزار نبی کا گل تر تشہ دہن ہے دروڑ سے سب شاہ کا گھر تشہ دہن ہے
گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پیئیں گے
میں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جیئیں گے

دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک ۹۲ بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک
تسے سے دہن باندھ کے بہنے پر دھری مشک غل پر گیا دیکھو لیے جا تا ہے جری مشک
دیکھا جو بہتائے ستم بے ادبوں کو
دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے بوں کو

گرداب سے اک حلقہ ماتم تھا نمودار ۹۳ پانی کے لئے لہر ہراک بن گئی تلوار
سب مچھلیاں ابھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار لوڈوتا ہے خون میں، طغی کا ڈر شہوار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لب جو سے
پھر تیروں کا سینہ پڑنے لگا فوج عدو سے

دریا تو ادھر اور ادھر لشکر قہار ۹۴ مشکیزہ لیے بیچ میں تنہا وہ علمدار
تلواروں کی تھیں بھلیاں اور تیروں کی بوجھار جاسکتے تھے آذنتیں نہ اس پار نہ اس پار
طوفان تھا، تلاطم تھا، مصیبت کی گھڑی تھی
کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں پڑی تھی

ہوتا تھا ادھر خاتمہ جنگ علم دار ۹۵ بسمل سے ٹپتے تھے ادھر تیرا بار
اٹھ کر کبھی جکتے تھے، سونے فوج ہتھیار گر کر کبھی چلاتے تھے، ہے ہے مرے نمودار
بھائی کی صدا سن کے ٹپ جاتی تھی زینٹ
جب روتے تھے حضرت تو صل آتی تھی زینٹ

کہتی تھی کہو، مدد تے گئی، کچھ خبر آئی ۹۶ نہ کہتے تھے ہمشیر، جڑا ہوتا ہے بھائی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی مشکینہ کے لے آنے پہ ہوتی ہے ترانی

خوں خواروں میں وہ صاحبِ شمشیر گھرا ہے

دریا کی ترانی میں مرا شمشیر گھرا ہے

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوہر عباس ۹۷ کیوں بیسیو! بچے مرے کیا ہو گئے بے اس
کیا کہتے ہیں شہناو شہناو، کس سے ہوئی یاس اے وائے مقتدا، نہ سیکھنے کی بھی پیاس

بھئی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو، لوگو

تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں مٹتے ہو، لوگو

عباس سلامت ہیں، تو آئسو نہ بہاؤ ۹۸ آجائے گا پھر غش، نہ سیکھنے کو رُلاؤ

غبت ہے جو مرنے لگے رنڈ سالہ پہناؤ ڈیوڑھی سے چلا، اتنی صف گھر میں بچھاؤ

خود کہہ کے گئے تھے کہ سلامت نہ پھر بیٹے

عباس بس اب تا بہ قیامت نہ پھر بیٹے

ما تم تھا ادر گھر میں ادر مردتے تھے شہر ۹۹ داں ملتے تھے عباس علی پر تبر و تیر

دریا سے بڑے آتے تھے تو لے ہوئے شمشیر برست سے اُما ہوا تھا، شکر بے پیر

سائل یہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی

شکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

کس کس سے لڑے تیشہ دہانی میں وہ بے اس ۱۰۰ ہمدرد نہ کوئی، نہ مددگار کوئی، پاس

وہ فوج کا زخما، وہ بھوم الم و یاس ان سبک ہوا مشک کے چھد جانے کا دوسلا

بڑھتے تھے کمانڈر توڑک جاتے تھے عباس

تیر آتا تھا جب مشک ٹھک جاتے تھے عباس

لڑاؤ کے لاکھ لیس روکے ہوئے راہ ۱۰۱ شمشیر بکف بیچ میں، ابنِ اسد اللہ

بیچے سے پڑی تیغ ستم دوشس پہ ناگاہ شاخِ شہر باغ علی، قطع ہوئی آہ

ایک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغِ دردم کے

اک ہاتھ تھا باقی، وہ چلا ساتھ علم کے

مگر نے لکا، جس دم علم مستید والا ۱۰۲ عباسؑ نے ٹھک کر اُسے گردن سے سنبھالا
اک تیر کا چشم پہ، اور سینے پہ بھالا بند آنکھیں ہوئیں منہ سے بہو شیر نے ڈالا
ختم تھے کہ پڑا فرق پہ گزرا یک شقی کا
شق ہو گیا سر حضرت عباسؑ علیؑ کا

کچھ گزراں بار کا، صدمہ نہیں چھوڑا ۱۰۳ سر پھٹ گیا پر شک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
زیر سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا پھر تیر نے، مشکیزے کو اور سینے کو توڑا
پانی جو بہا، عید ہوئی فوج مدد میں
جھیل سے ترپنے لگے عباسؑ ہو میں

ناگاہ یہ آواز علیؑ دشت سے آئی ۱۰۴ شبیرؑ خبر لے کہ نصرتی ہوا بھائی
چٹائی یہ زینبؑ کو ڈھائی ہے ڈھائی حضرت نے کہاٹ گئی بابا کی کائی
تشریف شہر ہر دوسرا لائے ہیں زینبؑ
عباسؑ کے لاشے پہ سلی آئے ہیں زینبؑ

جب کٹ گئے دریا پہ علم دار کے بازو ۱۰۵ شانوں سے جدا ہو گئے جہار کے بازو
ریتی پر گرے شاہ کے غم خوار کے بازو مطلق سمجھتا تھا نے لگے سید ابرار کے بازو
رنگ اڑ گیا تصویر الم ہو گئے شبیرؑ
ہاتھوں سے جگر تمام کے ختم ہو گئے شبیرؑ

اکسہر سے کہا، کرو گریباں مرا پارا ۱۰۶ ہم سوگ میں ہیں، قتل ہوا شیر ہمارا
ماشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا فرما کے یہ حضرت نے عمامے کو اُتارا
آفت میں پھنسی، پانی کی محتاج سکیڈ
بس ہو گئی دنیا میں یتیم، آج سکیڈ

فرما کے یہ مگر تے ہوئے دھڑے شہر والا ۱۰۷ سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا
تھامی نہ اقدس میں کیسبہ تہ وبالا چلاتے تھے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے، کبھی پھر پڑتے تھے شبیرؑ
گہرا کے ہر ایک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ

کہتے تھے اٹھاکر یہ علی اکبر زدی جاہ ۱۰۸ دریا کی ترائی تو ابھی دُور ہے، یا شاہ
 فراتے تھے آنکھوں میں بھارت نہیں اے ماہ عباس علی کھو گئے، دُنیا سے ہیں آہ
 اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
 اکبرؑ ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے ۱۰۹ عباسؑ علم دار سیکھتے نظر آئے
 اکبرؑ نے کٹے ہاتھ ترپتے ہوئے پائے بھائی کو، خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
 جھکنے جو گئے کانپ کے غش کر گئے شبیرؑ
 ثابت علی اکبرؑ پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

ہے ہے شہر دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ ۱۱۰ صدے سے ترپنے لگے عباسؑ دلا وہ
 گھبر کے جیتے سے کہا، اے مرے دلبر دکھلا دو کہہ رہیں، مرے آقا، مرے سطر
 اکبرؑ نے کہا غم شہر والا کو بڑے ہیں
 وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

سر کا کے قدم جلد، یہ عباسؑ پکارے ۱۱۱ پھر دمرے لاشے کو، میں قربان تھا مے
 بھاتی میں ہے دم موکے آثار ہیں سارے قبلے کی طرف چاہیے منہ، اے مرے پیارے
 بے دست میں اس وقت میں احساں کو دہم پر
 رکھ دو مرا سر قبلہ عالم کے قدم پر

کیا میرے لئے دیتے ہو، بابا کو اٹھاؤ ۱۱۲ شہر زمیں سے شہر والا کو اٹھاؤ
 میں اٹھ نہیں سکتا، تمہیں مولا کو اٹھاؤ قدموں کی طرف سے مرے آقا کو، اٹھاؤ
 راجب پسر معقب ناطق کا ادب ہے
 قرآن کی طرف پاؤں قیامت ہے غضب ہے

غش میں یہ سخن سن کے پکڑے شہر دیں ثمان ۱۱۳ یہ کس کی صدا ہے، میں اس آواز کے قرباں
 اکبرؑ نے کہا کب سے ترپتے ہیں بچا جان بل لیجے کہ عباسؑ کوئی دم کے ہیں جاں
 پھر ہونہ سکا ضبط امام ازلی سے
 لپٹے شہر دیں، لاشہ عباسؑ علیؑ سے

پتلے بے سہ غم، مرے بھائی مرے بھائی ۱۱۳ کیا دل کا ہے عالم، مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پر غم، مرے بھائی مرے بھائی اکڑا ہے تڑام، مرے بھائی مرے بھائی

سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی

پچکلی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

محسکیدہ زباں کو جو نہیں بات کا یا را ۱۱۵ کچھ زنگی آنکھوں سے کرو ہم سے اشارا
پتلی بھی پھسری جاتی ہے منہ زرد ہے سارا معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا

کروٹ یہ نہیں بھائی سے منہ موڑ رہے ہو

ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری ۱۱۶ عباسی علم دار کرا ہے، کئی باری
اکلا جودم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری تن رہ گیا، اور روح سوئے غلہ سدھاری

پتلا کے جوشہ روئے تو، گھبرائی سکیئے

نکلا تھا دم اُن کا کہ بھل آئی سکیئے

یوں کہنے لگی دوڑ کے فتنہ جگر انگار ۱۱۷ جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خوشخوار
پتلائی بہن ڈیوڑھی سے، یا ستیدا برار ختمی نہیں اب ہم سے سکیئے جگر انگار

یا پھیر کے اس بیکس دے آس کو لاؤ

یا ڈیوڑھی تلک لاشہ عباسی کو لاؤ

گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھئے سرور ۱۱۸ دیکھا کہ چلی آتی ہے، سر پریشی دفتر
زلفیں تو ہیں بھری ہوئی، لہو پی نہیں سرور جو روکتا ہے کہتی ہے، گھبرا کے وہ مضطر

لوگو تمھیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے

بتلا دو مجھے بہر خدا، نہر کدھر ہے

نئے کامرے نام ہے، عباسی عمار ۱۱۹ قصیر علی کی ہے سراپا، وہ خوش اطوار
کاندھے پہ تو مشینہ ہے اور ہاتھ میں تلوار پیاسی ہوں، گرا ب مجھے پانی نہیں درکار

پھر آنے کی تمہیں انھیں دینے کو چلی ہوں

میں اپنے چچا جان کو لینے کو چلی ہوں

لاشے پہ عبا ڈال کے، شبیر پکاسے ۱۲۰ کیوں گھر سے نکل آئیں میں قربان تھا مے
گہرا کے سیکنے نے کہا پیاس کے مے حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھائے

میں تم کو اسی واسطے سمجھا تا تھا رو کر
اب ڈھونڈنے آئی ہزمرے بھائی کو کھو کر

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر ۱۲۱ دکھلا دو مجھے لاشے عباسی دلا دو
اکبر نے کہا رو کے نہ مانے گی یہ مضطر حضرت نے کہا لاشیں ملدار دکھا کر

پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
منہ دیکھ لو یہ شیر سے عباس پڑے ہیں

۱۲۲ میت سے پیٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی حضرت نے عبا بھائی کے چہرے سے ٹھلانی
چلائی سیکنے کہ ڈبائی ہے ڈبائی ریتی میں ملدار نے بھی شکل چھپائی

تھرانے لگا، لاشے سقائے سیکنے
لاشے سے مہدا آئے گی ہائے سیکنے

ماموش ایتس، اب یہ دعا کر کہ الہی ۱۲۳ اب جلد سوتے روضہ شبیر ہوں راہی
اب ہند میں کب تک یہ فقیر یہ تھا ہی اُس در کی گدائی ہے مے واسطے شاہی

سرکار شہنشاہ فلک جاہ کو دیکھوں
عباسی علم دار کی درگاہ کو دیکھوں

مرثیہ (۱۶)

جب بادشاہ کشتی شاہِ امیر گرا ۱ یعنی زمیں پہ فروغِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے داں، برادرِ مانی ہم گرا یاں، فاطمہ کے لال پہ کوہِ امیر گرا
صدرِ ہوائِ دل پہ امامِ انا کے
ختم ہو گئے، کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

بہتا تھا داں سپاہ میں، نقارۂ نقر ۲ ماتم تھا فوجِ جانی عباسی کا ادھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر اکبر کھڑے تھے سامنے، چمکے جمکائے سر
پاسِ ادب سے شام کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سرخ آنکھوں سے آنسو پگھلتے تھے

امداد پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ ۳ باقی ہے کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
عباسی سا تو اب کوئی ہو گا نہ خیر خواہ بھیجو کسی کو جلد، کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چمٹنے دو محلِ بسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچائیے گا، کلیجے کو داغ سے

دُنیا سے کوچ کر گئے، عباسی نامدار ۴ اب بے چراغ ہے، لمحہ شیرِ گردگار
حضرت کا شکر و صبر ہے، عالم پہ آشکار مثلِ خلیل کیجئے، سرِ زند کو نثار
آہیں نہ بھرئے، پیٹ کے سر کو نہ روئے
جب جانیں ہم کر، کھوکے پسر کو نہ روئے

بھائی کا داغ ادا ہے، داغِ پسر ہے اد ۵ بازو کا درد اور ہے، دردِ جگر ہے اور
قوتِ بدن کی اور ہے، تُو پر نظر ہے اد سینے کا زخم اور ہے، دردِ دگر ہے اد
گر صبر ہے تو، گود کے پالے کو بیجئے
یہ دہلی میں اپنے گیسوں والے کو بیجئے

دُشوار ہے اگر غمِ فرزندِ نوجواں ۶ مرنے کو آپ آئیے، اے قبلِ زماں
مُشتاقِ تیر ہیں، تبر و خنجر و سناں جان اپنی دیجئے جو ہے پیاری پسر کی جاں
اصغر سے کچھ غرض ہے، نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

حضرت نے سُکرا کے نظر کی سوتے پسر ۷ نعلینِ غرضِ ساپہ جھکایا پسرنے سر
فرمایا کیا ارادہ ہے، اے غیرتِ مَتر کی عرضِ اذن دیجئے یا شاہ و بحر و بر
عباسؑ کے فراق نے مارا غلام کو
بس اب نہیں ہے صبر کا یا را غلام کو

خدا نے کہا خوشی ہے، بہر حال خاکسار ۸ تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
پَر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار اس امر میں تمھاری پھوپھی کو ہے اختیار
راضی ہوں وہ تو داغِ انھیں لے کے جایئے
پالا ہے جس نے اس سے رضائے کے جایئے

روکوں گا میں تمھیں، یہ نہ کیجو کبھی خیال ۹ صابرِ خدا کی راہ میں ہے فاطمہ کا لال
صدقہ ہے نورِ عینِ تصدق ہے جانِ مال فضل و جوان و پیر کا حافظ ہے، خدا بھلا
ماں کون، باپ کون، عطا کبریا کی ہے
اولاد ہے تو کیا ہے، عنایتِ خدا کی ہے

سَو طرح کا طال ہوا میں نے کچھ کہا ۱۰ بے جاں جس کا لال ہوا میں نے کچھ کہا
بھائی کا انتقال ہوا، میں نے کچھ کہا سب باغِ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو
حاضر دل و جگر ہے، تمھارا بھی داغ ہو

خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرِ حزین ۱۱ بھائی لگایا ماں نے، پھوپھی نے بالیں لیں
اک آہِ سر و بھر کے یہ بولا وہ مدح میں نرنے میں ظالموں کے اکیلے ہیں، شاہ دیں
روتے ہیں غیرِ ستید والا کے حال پر
اماں مقامِ رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم، بھائی کا غم، ہمیں دن کی پیاس ۱۲ بازو خشک، ضعف بھارت، جو ہم میں
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاد دین کے پس اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ زہے حواس

گھیرے ہیں سب امام غریب الدیار کو

تنہا کھڑے ہیں تو لے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہاں امام، کہاں وہ نجومِ امام ۱۳ میں یاں ہیں اب تو اور بڑی ہوگی لوحِ خاتم
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام بنتا ہے صفحہ دو جہاں سے پدھر کا نام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو

بیٹا جوان، ہم ساند، بیوہ خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب ۱۴ اچھا میں گے بعدِ شبہ آسمان جناب
ہم بھی نہیں، اگر نہیں فرزندِ لوتراں فزہ کہاں، غروب ہوا، جب کہ آفتاب

دنیا کا کور، نیتِ برا عظم کے ساتھ ہے

اپنی تو زندگی، شبہ عالم کے ساتھ ہے

جب گھر لٹا تو شوکتِ شام نہ پھر کہاں ۱۵ صاحب نہ ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہوا روشنی خانہ پھر کہاں گل ہو گئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں

ہم ہوں جہاں میں دلبر ختمِ رسل نہ ہو

بلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گل نہ ہو

دنیا سے جلد ہم کو اٹھالے ہمارا رب ۱۶ آغوشِ قبر میں ہوا اپنی ہمیں یہ توب
صدقے ہوں غیر سبطِ نبی کے قدم پر پب بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی ہے غصہ

مانع ہیں آپ اور کچھ بھی سدا راہ ہیں

میرا قصور کچھ نہیں، زہرا گواہ ہیں

مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں ۱۷ راہِ خدا میں لوح سے تنہا وفا کروں
سر سے حقوقِ والد ماجد ادا کروں مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں

داں اکتلو آسین کا، اعدا میں خود ہے

پر کچھ ہمارا، پالنے والوں سے زندہ ہے

تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو مولا ۱۸ اول تو یہ کہ دیجئے مجھے رخصت جب ال
رکھ لیجے آبرو کے پسہ بہرہ و بالکل آگے مرے شہید نہ ہو غافلہ کا لال
بندہ اتھا اٹھائیے اب نورین سے

اماں ہمیں عزیز نہ کیجئے حسین سے
ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول ۱۹ جلدی ہو کر بلا سے روانہ یہ دل طول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول نے جائیں گے نجف نہ سوئے روضہ رسول
جنگل کی راہ میں گئے گریباں کو پہاڑ کے
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانہ مدینہ مری شبہ ۲۰ کہہ دیجیو نہ آئیں گے اب وہ کبھی ادھر
شدتے امام دیں پہ ہوئے سائے نامور کچھ اُن سے ہو سکی نہ مدد گاری پدر
بستی بسا کے زن میں شبہ کر بلا ہے
کٹنے سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا ہے

رونے لگا پو کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ ۲۱ بنت علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھادج کے منہ پیاس سے زینبؑ نے کی نگاہ گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنت علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانو پسر کے پاؤں پر غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر ۲۲ بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر زینبؑ پکاریں چھوٹ کے ہم کو چلے کدھر
اپنا رخصا حسینؑ سے لے لو تو جانیو

کاندھامرے جنازے کو ذرے کو تو جانیو
کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار ۲۳ اشد اداری بھول گئے سب ہمارا پیار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار بن گیا ہے تم ابھی تو ہوا سے میرے گلزار
سہرا دکھا کے مادر پر غم کو چھڑو
آئے مہین تو صدتے مہنی ہم کو چھڑو

مرتے ہیں اشتیاق میں وہ دن خدا دکھائے ۲۳ یہ دانی اپنے ہاتھ سے دولہا تمہیں بنائے
فل ہو کہ لوحین بہر گھر میں بیاد لائے اچھا نہ ہم سے آکھ بلانا، دہن تو آئے
جیتے ہیں گر تو حسرت دل یوں نکالیں گے

اب ہم تمہاری طرح سے پوتے کو پالیں گے
اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پر رات بھر ۲۵ کُرت وہ پہنے دوڑتے پھرنا، ادھر ادھر
یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گھر یا آج تیغ ہاتھ میں ہے دوشن پر سپر
قاری ہو، صف شکن ہو، سعادت نشان ہو

کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو
دادا کا مرتبہ تمہیں دے رہا دو الجھال ۲۶ قائم تمہارے سر پہ رہے، غلط کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے داری، ہمارا حال بچپن کی دایوں کا بھی رکھنے ذرا خیال

کس سے ہو پھر اُمید اگر تم سے یا اس ہو
اب تو تمہیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو
دنیا میں کوئی شخص لگتا ہے گر فحشر ۲۷ ہوتی ہے یہ اُمید کا، دے گا کبھی ثمر
بالغرض، یہ جہاں میں نہ پھوٹے پھلے گا گر خوش ہوں گے اس درخت کے سایہ میں بیٹو کر
کچھ تو لے ہیں بھی ثمر اس نہال کا
صدتے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا

قوت تمہیں ہو دل کی، تمہیں پارہ جگر ۲۸ یہ بھی خبر نہیں مجھے، کب مر گئے پسر
لاشیں بھی گھر میں آئیں، تو پٹیاں نہیں نے سر میں کہتی تھی، جیسے یہ مرا غیبت قمر
اکبر تو ہے اگر مرے پارے نہیں نہیں
روشن ہے گھر میں چاند تاسے نہیں نہیں

باتیں یہ کر کے منہ پہ لیا، گوشہ ردا ۲۹ سر چوب سے پنک کے کہا، نام مستند
بس گر پڑا پھر بھی کے قدم پر، وہ مر تھا کی عرض روکے اسے پھر بھی اماں کروں میں کیا
میں بے وفا نہیں ہوں، یہ روشن ہے آپ پر
نرہ ہے فوج کا، مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹائیے تو بدوا بہر کردگار ۲۰ اچھا نہ جائیں گے سوئے میدان کا زلزار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دل نگار میں کون مدتے جاؤں تمہیں کو ہے اختیار

اسنہ ہو یا کہ تم ہو مجھے سبے یاس ہے

رخصت نکلا کٹانے کی لو ماں تو پاس ہے

اکبر نے ماں کے چہرہ اقدس پہ کی نظر ۲۱ ماں نے کیا اشارہ کیا اے غیرت مہتر
تم سے بچو بھی خفا میں، تمہکا دو قدم پہ سر قربان جاؤں، مڈر کرو ہاتھ باندھ کر

سر کی نہ کچھ خبر ہے، نہ چادر کا ہوش ہے

واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام ۲۲ تقصیر عفو کیجئے، اے خواہرِ امام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام

بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے

راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

انصاف کیجئے کسے پیاری نہیں ہے جاں ۲۳ اور وہ علی انخصوص کج ہوئے فوجواں
کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا، رائگاں روتے ہیں بیر بھی جرجھٹے گلشن جہاں

لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے

عزت پہ بات آئے تو مزا ہی خوب ہے

اکبر نے یہ کلام کئے جب بہ صد ادب ۲۴ اُلفت کا جوش آگیا، بنت علی کو توب
لے کر بلائیں چہرے کی، بولی وہ تشوہ گردختے ہو کس لئے میں تمہیں دکتی ہوں کب

سچ ہے جہاں میں تمہارا، کوئی با وفا نہیں

واری تمہارے سر کی قسم میں خفا نہیں

کیوں کانپتے ہو عاشک میں آنکھوں کیوں واں ۲۵ تم راست گرو مج ہے تمہارا یہ سب دیاں
لو میں نے دی رضا تمہیں اے میرے فوجواں تم جانو آگے مدتے گئی اند تمہاری ماں

یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے

کچھ ماں کا حق بھی کہ نہیں ہوتا ہے باپ سے

جس شب کو بونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر ۳۶ گودی میں لے کے تم کو رہ پھرتی تھی تا سحر
 دشمن تمہارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر بس جاگتا تھا اور دُعا میں تھیں رات بھر

جب تم کو رات بے تھکے، پیش کھا کے گرتی تھی

جھولے کے گرد، صوبت پر دانہ پھرتی تھی

آنکھیں پھٹائیں ماں نے، جو تم گھٹنیوں پہلے ۳۷ تلووں سے اس نے دیدہ تھی میں سدا لے
 نازوں سے منتوں سے، مرادوں سے تم پہلے صدقے ہوئی کبھی، تو لگا یا کبھی گلے

مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے

برسوں یہ بی بی، ایک ہی کرٹ سے سوئی ہے

بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا ۳۸ صدقے گئی کنسیر کی خدمت کا ذکر کیا
 اس قافلہ میں آپ ہیں اب فاطمہ کی جا میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا

صدقے ہے یہ بھی صورت پر واد آپ پر

پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے، باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ، بحسب دبر ۳۹ لے لیں بکائیں بھائی کی زینب نے دوزخ
 بانو بھی روئی شر کے قدم پر جھکا کے سر بولی پٹ کے بالی سیکندہ، کہ اے پدر

سنتی تھی میں کہ زن سے علمدار آتے ہیں

لواب تو گھر سے نہر یہ بھیا بھی جاتے ہیں

بانو کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا ۴۰ کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
 وہ چپ ہوئی، تو بولے بہن سے شہزاد کھینے، پھوپھی بھتیجیوں میں کیا فیصلہ ہوا

راہیں سب ان کے روکنے کی بند ہو گئیں

سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں

ہاتھوں کو جڑ کر علی اکبر نے عرض کی ۴۱ اماں نے بھی رضا نہیں دی، اور پھوپھی نے بھی
 زہرا کی وہ بہو ہیں، تو یہ دستبرائی آفتا، سوال رو نہیں کرتے کبھی سخی

رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگایا

مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے چلایا

عاشق ہیں یہ حضورؐ کی • یا شا و نامدار ۴۲ مجھ سے ہوں سو پسر تو کریں آپ پر مزار
دیکھی ہیں کس بے بیبیاں ایسی فلک قمار وہ باجرہ کا غنہ، یہ مریمؑ کا انقار

سب فاطمہؑ کا صبر ہے غور ہو تو ایسی ہو

بیٹی ہو اس طرح کی، بہو ہو تو ایسی ہو

ماں نے کہا، پسر کی فصاحت تو دیکھئے ۴۳ نام خدا، زباں کی طلاقت تو دیکھئے

زینبؑ یہ برلیں ذہن کی جروت تو دیکھئے ہر بات میں، ثبوت اجازت تو دیکھئے

کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی

گویا زباں ہے مصحف ناطق کے لال کی

روزاں رکھ کے آنکھوں پہ بولے امام دیں ۴۴ تم دوگی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقین

سچ ہے اہل سے کچھ کسی انسان کا بس نہیں آیا تھا اتنی عمر ہی لے کر یہ مہجسین

بے جا ہے روکنا جویہ طالب فضا کے ہیں

اے زینبؑ فاطمہؑ، یہ کرشمے فضا کے ہیں

آیا بتائے ہستی انسان میں جب محل ۴۵ روزا ہے بے حصول کہ ہے سہمی بے محل

جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل روڈ کہ خاک اُڑاؤ نہیں چھوڑتی اہل

نے فاطمہؑ رہیں، نہ امیر عرب رہے

ہر شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے

رو کر کہا پسر سے کہ، اچھا سو عاریئے ۴۶ پرشاک تو پیٹئے، یہ کپڑے آگاریئے

زینبؑ سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ماریئے شانہ منگا کے، گیسوئے اکبرؑ سنواریئے

لے آؤ مصطفیٰؐ کی تباہی ان کے واسطے

خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

آنسو بہا کے باقوئے انشا سے کہا ۴۷ پمدان آج چڑھتا ہے صاحب یہ مہربا

لاؤ عمامہ شب معراج مصطفیٰؐ ارمان تھا بہت تمہیں اکبرؑ کے بیاہ کا

جاتے ہیں برجیوں میں انھیں دیکھ بھال لو

دو لہا بسنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

کشتی میں لائی، بنسبت ملّیٰ بیاد کا لباس ۴۸ اکبرؒ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بدردو یا س
 کپڑے تو یہ نہ پہنوں گا میں لے فلک اساس تازہ ابھی ہے ماتم عباس حق ششاس
 ہیں سوگوار ہاتھ میں ردالم دیجئے
 گردن میں لاکے شال عروا مال دیجئے

محتاج قبر ہے، ابھی محبت دلِ حسن ۴۹ عریاں پڑے ہیں عون و محمدؑ سے گلشن
 ہم کس طرح سے پسینیں یہ شادی کا پیرہن عباسؑ نامدار نے پایا نہیں کفن
 بھائی کے غم میں چاک گریباں ہے شاہ کا
 مگر کفن ملے، یہی جوڑا ہے بیاد کا

تڑپتی یہ سن کے زوجہ عباسؑ نامور ۵۰ قاسمؑ کی ماں پکاری کہ ہے ہے مرے پیر
 کُبراؑ نے آہ سرد بھری اک مجھکا کے سر بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینبؑ کا بھی مگر
 فریاد شاہ دیں کی صدا تا فلک گونئی
 عتر کا حال سن کے سکینہؑ ہلک گئی

جنت بہر جنگ، اکبرؒ شیریں سخن چلے مطلع دم بانو پکاری اے مرے گل پیرہن چلے
 ماری اجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے ۵۱ پیچھے جواں پر کے، امام زینؑ چلے
 پرزدہ اٹھا، خرمیمہؑ گردوں پر شاہ کا
 اک برج سے طلوع ہوا، مہر و ماہ کا

خدا م تازی علی اکبرؒ کو در پہ لائے ۵۲ آنکھوں سے اشک قبلہ کو زمین نے بہائے
 ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؒ قریب کئے چلائے شہ کو چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
 اللہ کتنا شوقِ شہادت ہے آپ کو
 دو چار گام ساتھ تو چسپنے دو باپ کو

دنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر ۵۳ لے لال قبر تک تمہیں پہونچا تو دے پدر
 جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہ بحر و بر
 رونے کو ضبط کیجئے، مگر کو سنبھالیے
 ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیے

شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو، گھر کہاں ۵۳ بیٹا نہ ہو تو نطفہ حیات پدر کہاں
اس وقت تم کو روہیں نہ ایسا جگر کہاں خود بے خبر ہیں ہم کو کسی کی خُشب کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو
ہم کو سنبھالنے کو، کسے چھوڑے جاتے ہو

فرزند نے جو رُوحِ محمّد کہ دی قسم ۵۵ بس تھر تھرا کے بیٹھ گئے، قبلہ امم
منہ دیکھ کر پس رکایہ بولے بہ چشمِ ہم اچھا سدھار دُخیر نہ جائیں گے ساتھ ہم
پھر اس طرف کی راہ، اُدھر جا کے لیجیو
مُر جائیں ہم تو، جلدِ خُبر آ کے لیجیو

روتا ہوا بڑھا سوئے گلّوں وہ گلبدن ۵۶ گویا چڑھے براق پہ، محبوبِ نور العین
گھٹا سجا ہوا تھا، بہتاد رکا یا دُہن ہر گام پر دکھاتا تھا، طاؤس کا چلن
آہو نعل تھے، کبابِ درّی کو حجاب تھا
دریا پہ موج تھا، تو ہوا پر عقاب تھا

پہونچا عجب شکوہ سے رَن میں وہ رحیب ۵۷ کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
آئے رسولِ حق، یہ ہراک کو ہوا یقین غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسف سے بھی حسین
تصویرِ سر سے تا بہ قدمِ مصطفیٰ کی ہے
اس حُسن کے بشر بھی ہیں، قدرتِ خدا کی ہے

مُش کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر ۵۸ آرجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
سر بر نہ ہونے دیں گے عود کو دُخرو کے تیر ہیں اس کمان و تیر کے قراں، جوان و پیر
قراں چشمِ سرمہ کشیدہ کی شان پر
چلتے پڑھا ہوا ہے، کبِانی کمان پر

ہے جلوہ جبینِ میں، چاند سے در چند ۵۹ گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے پسند پایا ہے ابروؤں نے، عجب رتہ بلند
ہے عینِ راستی پہ، کبھی دل نواز ہیں
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ لے سرفراز ہیں

آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست ۶۰ کیفیتِ حقیقِ محبت سے ہیں پرست
صانع نے کر دیا صدفِ مژگاں کا بندوبست عین الکمال سے انھیں پہنچے نہ ان شکست

مردم میں روشنی ہے اسی نور میں سے

دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسین سے

ہم شکل میں جنابِ رسالتِ آت کے ۶۱ کہتا ہے سخنِ خود کو، نثار میں شباب کے
گیسو ہیں یا ہیں مادہ پہ لگے، سحاب کے رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں مٹلاب کے

دونوں سے نور میں مرد و خورشید ماند ہیں

زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں

گلزارِ جن سے کوئی دیکھے دمن کا رنگ ۶۲ اڑتا ہے غنچہ و سمن دیا سمن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہے سخن کا رنگ

بلبل بھی مدحِ خواں چمنِ مرقعی کی ہے

غنچے سے پھول بھڑٹے ہیں قدرتِ خدا کی ہے

اللہ رے نورِ گوہر دندانِ آبدار ۶۳ بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
الماس صدقے، حاصلِ بحرِ عدن نثار ہیں گوہرِ خزینہ محبوبِ کردگار

دولت ملی ہے اکبرِ شیریں مقال کو

ان موتیوں سے عشق ہے زہر کے لال کو

روشن ہے دشتِ گردنِ نازک کے نور سے ۶۴ فی الواقعی فزوں ہے فیضِ اشمعِ طور سے
موسیٰ دکھاتے ہیں، یدِ بیضا کو دور سے شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے

گردن بھی بے مدیل گلابے مثال ہے

سمکھ سہیل ہے تو گمریاں ہلال ہے

ظاہر ہیں ان کے باتوں کی زدِ آزمائیاں ۶۵ مثلِ علیؑ کریں گئے صفوں کی صفائیاں
سحر کی ہیں دم میں بدرِ واحد کی لڑائیاں زورِ یدِ الہی سے بھری ہیں گلابائیاں

بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علیؑ کا ہاتھ

پہنچے یہ واں جہاں نہیں پہنچا کسی کا ہاتھ

سینہ خیزینہ کرم و ددل و داد ہے ۶۶ ہاں لا کلام، معصوب رب غلام ہے
جو رطب یا بس میں ہے سب انکریا ہے ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
دولت جو فوج کی ہے سینے میں ان کے ہے

جو طور پر ضیافتی وہ سینے میں ان کے ہے
وہ سینہ جس کا معصوب اکبر، مشتبہ بہ ۶۷ نیزے لگائیں اس پہ لیں کیا غضب ہے یہ
ہیواد برہمیوں کی ہو تیروں کا برسہ مینہ سوراخ ہو بدن کی قبا صورت زورہ
دیندارا سٹھیں ملتے ہیں دست فقیر پر

کیا بات تھ تھے اٹھے جو نبیؐ کی شبیہ پر
کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم ۶۸ جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہاں، کہاں صفت قازم کرم مور ضعیف مدح سلیمان ذی حشم
یاں سب تعلیایں شعرا کی فضول ہیں
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہ رسولؐ ہیں

کون شان سے کھڑے ہیں علی اکبرؑ جواں ۶۹ اور اس طرف کھلے ہوئے ہیں فوج کے نشان
کہتا ہے ابن سعدؒ تم گارخت جاں شبیرؑ کے چراغ کو جلدی بجھتا دے، ہاں
صدمہ مفارقت کا امام زماں پہ ہو
دیکھیں حسینؑ اور سر اکبرؑ بناں پہ ہو

کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈراے امیر ۷۰ چپ رہا رہے مٹا نہ یہ تصویر بے نظیر
حاکم کے گرجا کا ڈر ہو نہ اسے شریر اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جان دیر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبی نہیں

تیرے ہمارے بچے میں ہے روئے مصطفیٰ ۷۱ کھا تو قسم نہیں ہے یہ گیسوئے مصطفیٰ
قامت ہے صاف قامت دلجوئے مصطفیٰ ایسے نہ تھے بلے ہوئے ابروئے مصطفیٰ
سب روشنی جالی رسولؐ زمین کی ہے
جنگل بسا ہوا ہے یہ لوکس بدن کی ہے

کیوں ایسے ہرزشت کا ہوم تکب بشر ۷۲، ایساں کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ میں سید البشر اُترا ہے آسماں سے ملک وہ نہیں ہیں مگر
بیشک کرم کیا ہے رسالت پناہ نے

تجھ کو تو کور کر دیا ہے محبت جاہ نے
مجھے نگاہ یہ تب رُسا سے وہ فتنہ گر ۷۳، مجھ سے نشانِ خیر و راسِ نوسر
ہوتا نہ تھا منگش کا تن پاک تک گذر سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گنداس جناب کا
رہتا تھا فرق پاک پہ سایہِ سحاب کا

جس راہ سے گذرتے تھے پیغمبرِ زماں ۷۴، پھولوں کی تین رندہ یک رتہ تھی وہاں
محبوبِ کبریا میں ارم میں، یہاں کہاں؟ اکبر ہے یہ حسینؑ کا فرزندِ نوجواں
محبوبِ کبریا نہیں کوئی ملک نہیں
ہم صورتِ رسولؐ ہیں کچھ اس میں شک نہیں

بالفرض گونبی ہے تو پھر تم کو خوف کیا ۷۵، فرمانِ جوامید کا حاکم کی جو رضا
اکثر بہادروں نے رسولوں سے کی دفا پتھر سے توڑے، گوہرِ دندانِ مصطفیٰ
درپے رہے جنابِ رسالت پناہ کے
تلوارِ راری فسق پہ شیعہ الہ کے

اسلام کس کو کہتے ہیں ایساں ہے کس کا نام ۷۶، بندے ہیں زکے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
دشمن کی مدح، واہ یہ ہے کون سا کلام ہوتی ہے دیر جاؤ یہ قصہ کرو تاہم
گروں کرو گے رحم ہر اک نورین پر
کیوں کر چھری پھراؤ گے، طلقِ حسینؑ پر

اکبر کو غیظ آگیا، سنتے ہی یہ کلام ۷۷، دی ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حرام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو ادھمک حرام لیجو زباں سے، پھر نہ امامِ اُمم کا نام
ان کے قدم پہ جن دلشیر جان دیتے ہیں
نامِ حسینؑ صلی علیٰ کہہ کے لیتے ہیں

سُن کر صدائے شیرِ بٹا فوج سے شیرِ ۷۸ یاں سے بڑے تھے یک پہلے اس طرح تیر
 سفر کرنے کی، نیام سے تیغِ قضا نظیرِ سمٹی زمین لرز نے لگا آسمان پیر
 بجلی حیاں ہوئی غضبِ کردگار کی
 یاد آگئی ہر اک کو چمکِ ذوالفقار کی

پڑھ کر جزوِ دلیر در آیا سپاہ میں ۷۹ گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
 پہل ہوئی جری جدرِ آیا سپاہ میں خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
 بجلی خدا کے قبر کی تھی یا حسام تھی
 پہلے ہی دار میں صفِ اول تمام تھی

دونخ میں ناریوں کے پرے پیشِ پس گئے ۸۰ پانچ اس طرف پہونچ نہ چکے تھے کہ دس گئے
 آگے گئے سوارِ قہیچے فرس گئے جب برقِ تیغ کو ند گئی، سرِ برس گئے
 چھایا تھا ابرِ غم سپہِ بد صفات پر
 غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر

جو ہر شناس تیغِ زباں نمودِ ادر کر ۸۱ تیزی کو حرفِ حرف کی تیرِ نظر کریں
 دشمن ہزار سینے کو اپنے سپہ کریں منہ سے وہ جاگڑا ہیں کہ کڑے جگر کریں
 بیتوں میں ذوالفقار کی سب آئے تاب ہے
 بین السطور تیغِ حسینی کی تاب ہے

در پے تھی سرکشوں کے جو وہ تیغِ جانتاں ۸۲ گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں
 ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کہاں گزرن سے سرگروں سے ہوا در بدنِ جاں
 یادِ عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
 دن میں کہیں نشانِ قدرِ انداز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے، برتن سے سریا ۸۳ برقی سے پھلِ توڑیں فرس سے تبرِ لب
 ڈھالوں سے پھول لے گئے پھولوں سے ندیا اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
 بہرِ حصولِ جزوہ جو وہ تیغِ کُٹ گئی
 اک اک گرہ بندھی ہوئی، نیزے کی کُٹ گئی

ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر ۸۴ کاتے ہوئے پڑے تھے وہ دیتی پہ سر بسر
ہراک عقاب تیر کے، ٹوٹے ہوئے تھے پر طاقت دیتی کہ شرابخ کہاں تک کریں گذر
اس جنگ میں دہن کو نہ سونا کھولے تھے

طاہر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے
سر لوٹتے تھے برہمیوں والوں کے ہر طرف ۸۵ نکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پامال تھے سوا ز رسالوں کے ہر طرف پر کالے اڈتے پھرتے تھے دھالوں کے ہر طرف
فاطر نشان دیتی کسی آفت نشان کی

انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کسان کی
جی سن سناگئے، وہ جدھر سن سے آگئی ۸۶ گویا سموم، کوہ کے دامن سے آگئی
جلتے ہوئے کباب کی بوتن سے آگئی چمکی تو الاہاں کی صدا، زن سے آگئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسید تھی

خوں میں زیں بھی صورت بہل چیدہ تھی
ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ ۸۷ اڑتا تھا سر پہ یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
سب تھک گئے، مگر نہ تھکے دھن کے ہاتھ وہ مہر کہ رہا، اسی گل پہ سر بہن کے ہاتھ
پہونچا تھا ہاتھ ہاتھ جو دست خدا کا زور

ہر ضرب میں دکھا دیا خیمہ کشا کا زور
نک میں جمے تھے دلبر ضرغام دیں کے پاؤں ۸۸ سجے کہیں اکھڑتے ہیں رکن کہیں کے پاؤں
دہشت سے اٹھ گئے تھے پہاڑ عین کے پاؤں تھمتی نہ مہر کے میں جو بہتے زیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب ضرب اسے یاد آتی ہے

یہ نزلہ نہیں ہے، زیں کانپ جاتی ہے
دب کر سوار شام کے لشکر کے رہ گئے ۸۹ غالی صفوں میں سر و نفس بھر کے رہ گئے
نڈیں کہاں کی ڈھیر تن دسر کے رہ گئے ہر چند رنگ دل تھے پہ مہر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

سر سے عدد کے خود جدا تن سے سر جدا ۹۰ شافوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ دہر جدا
 سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا گھٹنوں سے دونوں پائے طالت اثر جدا

مکڑے تھے عضو قطع تھا جا مریات کا

عالم مرگبات میں تھا مفردات کا

جس بیوی وہ تیغ، نسا ہو کے رہ گیا ۹۱ سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا
 بڑھ کر قہمی تو حشر ہپا ہو کے رہ گیا گردن سے تا کمر کوئی لا ہو کے رہ گیا

تھا ایک ہاتھ میں سر اسوار زین پر

رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

سر سبز پتہ تھا، شجر گلشن رسول ۹۲ تھے زرد و مثل برگ خزاں دیدہ صبح جہل
 گرتے تھے بار بار یہی تھا اثر حصول برہمی سے پھل کمان سے شاخیں پیر سے پھول

زہرا کا باغ اجاڑ کے راحت سے سنے تھے

آخر آگے نہ سب دی کاٹے جو بے تھے

لکھتا ہے، ادم قلم، اب سرعت عقاب ۹۳ نعل اس کے ماہ نوہیں تو رسم رشک آئین
 پستی میں سیل ہے تو بلندی میں بے سحاب سرعت میں برق گرم نواں میں چھٹے آب

اُڑنے میں اس فرس کو پرندوں پانچ ہے

اک شود تھا قدم نہیں دیدیا کی موج ہے

افزون ہے زلف خود سے خوشنویاں کی ۹۴ دیکھیں تولیں بلائیں سدا بال بال کی
 پریاں خرام ناز میں، شاگرد چال کی غصے میں جست شیر کی شوخی خوال کی

وہ حسن تن پہ ساز کا، جو بن براق کا

دُلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

نازک مزاج و فترت انعام و تیز رو ۹۵ گردن سیر، باد یہ پیمای برق دو
 اس کا نہ اک قدم نہ ز فندیں ہرن کی سو دو روز سے نہ کاہیلی تھی اُسے نہ جو

رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا

سرعت میں کچھ کی تھی نہ چل بل میں فرق تھا

ضرر سے تند بُوے بگ نہ ہوا سے تیز ۹۶ چالاک نہم و فکر سے زمین سے تیز
طاؤس و بک و سر و عقاب و ہما سے تیز جانے میں اڑ کے، بد بھر شہر صبا سے تیز

زی جاہ تھا، سید تھا، فیروز بخت تھا

رہوار کیا ہوا پہیلیاں کا تخت تھا

بٹا، جما، اڑا، ادھر آیا، ادھر گیا ۹۷ چمکا، پھرا، جمال دکھایا، ٹھہر گیا
تیروں سے اڑ کے، برہمیوں میں بے خطر گیا برہم کیا صفوں کو پروں سے، گزریا

گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے نگار تھا

ضرر تھی نعل کی کر، سر وہی کا دار تھا

جب خوب لڑ چکا شہر دیں کا سر زباں ۹۸ نکلا، ادھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
برکار و بد سرشت و بد آئین و بد زباں سر ہنگ و جنگ جو سلح سور و پہلواں

غزہ تھا اپنے زور پہ خانہ غراب کو

رستم کو مانتا تھا، نہ افراسیاب کو

افزون تھا دیو سے بھی تن و توشیابکار ۹۹ قوت میں عمرو غنتر و مرحب کا یادگار
اسفند یار، عصر و نمودار و نام دار شہر آئے سانے تو گریے تیر سے شکار

شورش مزاج میں تو تم آب و گل میں تھا

نے آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اسکے دل میں تھا

بارگشاہ حاکم فاسق تھا خود سر ۱۰۰ تھی رُوسیا بی پسر سعد کی پسر
زی جو شن شقی کا جو تھا ناخلف پسر پہنے تھا اس کی تن کی زرہ بریں بد گہر

ظاہر کہاں سے، سر کشی بد نہایتھی

قبضے میں تیغ بدعت ابن زیاد تھی

میدان میں یوں ریزہ ریزہ اُس نے بشد و بد ۱۰۱ تھرائے قلب، بل گئی شہراب کی لحد
مگر رہا تھا رخس کو وہ بانی حسد یاں سے بڑھا سرور دلِ ضیفم صمد

پڑھتے دُعا، ملک عقب باد پاٹے

مرج کے قتل کرنے کو شیر خدا چلے

وہ کفر تھا یہ دیں تھے وہ ظلمت یہ نور رب ۱۰۲ یہ رشک آفتاب دوشماں وہ تیرہ شب
وہ ننگ روزگار تو یہ عزت عرب یہ خیر میں رسول، وہ شر میں ابو لہب
کاذب تھا وہ شقی، یہ صداقت نشان تھے

وہ جسم کفر کا تھا یہ ایماں کی جان تھے
تمازی کو تیز کر کے یہ غازی نے دی ہدا ۱۰۳ ادخوں گرفتہ کچھ تھے دعویٰ ہے گز تو آ
انساں کو اپنی آپ ستائش نہیں روا قائل ہیں جس کے سب وہ ہمارا ہے مرتا
ذی قوت رہیں سعید میں عالی جناب ہیں

ڈرے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں
یوسف نہیں ہے وہ جو کرے دعویٰ جمال ۱۰۴ کب بدرنے کہا کہ میں ہوں صاحب کمال
پایا ہے آفتاب نے کیا آؤج کیا جلال کی سرکشی ادھر کہ ادھر آگیا زوال
شیطان کو وصل نار کا آدم کو نور کا
یہ عجز کا ثمر ہے وہ پھل ہے غرور کا

ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب ۱۰۵ روشن ہے آفتاب سے اپنا حسب
کس کا ہے جد شفیق ام سید عرب ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیر ذات رب
جود و ست ہے خدا کا پس اس ولی کے ہیں
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے عشی کے ہیں

شامی بڑھا ادھر کو جو بحال انبھال کے ۱۰۶ صفدر نے دی صدا کہ فردا دیکھ جمال کے
ہمیز کی فرس کو جو کا دے پہ ڈال کے رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے
سیاہ ہو جو گرم تو پھر کیا تارے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اتارے

پچھے بٹا جھبک کے جو غنخور کا سمند ۱۰۷ آگے بڑھا حسین کا فرزند ارجمند
دونوں طرف نبر میں نیزے ہوئے بلند عقدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھر ریے کھلے ہوئے
دواڑ دے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

گر ٹانڈ پر تھی ڈانڈ، سناں پر کبھی سناں ۱۰۸ انیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کراٹاں
ہر تان تھی غضب کی تو آفت کی ہر تکان طاقت کا جائزہ تھا، شجاعت کا امتحان

یہ بھی غرق میں، وہ بھی پسینے میں غرق تھا

پر زور و ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

گزار کی بندھی ہوئی چوٹیں تبیں سب ادھر ۱۰۹ زخمی کبھی گلا تھا، کبھی ہاتھ، گاد سہر
ہُشیار کر کے حید کو، جھپٹاؤ شیر نر نیزے سے کار تیغ لیا، واہ رے ہنسر

سہر بر بھلا ہوئے ہیں سخی سے دُئی کہیں

بُوڑی کہیں تھی، ڈانڈ کہیں تھی، اُنی کہیں

گزر گراں اُٹھا کے بڑھا، وہ سیہ دروں ۱۱۰ آنکھیں غضب سے سُرخ ہوئیں، مثلِ جامِ خوں
چلتا ہے کوئی سامنے، عجا ز کے فسوں ہر ضرب میں خفیف ہوا، خوردہ ذوفنور

تھان کا ہاتھ فضلِ خدا سے علی کا ہاتھ

بے زخم کھائے ہو گیا، جھوٹا شقی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پینک کے قبضے میں لی کماں ۱۱۱ آیا مثالِ پیل، قوی ہیکل و دماں
جھوٹا شقی نے تیر سہ پہلو کو، الا ماں تھاسر پہ تیغ تول کے شہزادہ جہاں

ضربت تھی یا کہ قبر خدائے قدیر تھا

گوشہ تھانے کماں تھی، نہ چلا، نہ تیر تھا

رُخ پھیر کر چلا تھا، کاغذی نے دی صدا ۱۱۲ ادھی نہاد و سرکش و بدکیش و بے حیا
کیوں سہمگیں ہے، کینچ کے تلوار منہ پہ آ میداں سے بھاگتا ہے، یہ ہے تیسری خطا

تینیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے نہیں

ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں

لی زرد رُونے میان سے شمشیر برق دم ۱۱۳ دد، بجلیاں جھکے ہوئیں، یک بہ یک علم
لکے سیاہ ابر سپر سے اُٹھے، بہم چالاکیاں دکھانے لگے، اسپ خوش قدم

دو نوں طرف ہوئی، تنگ ددو کار زار میں

یہ گرداؤں کی چھپ گیا گردوں غبار میں

چڑیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار ۱۱۳ کس کس ہنر سے زد کئے اس بے ادب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار یاد آگئے ہر اک کو، اسیہ پر عرب کے وار
رنج زرد تھا، پر اس سے اُس ہرزہ گرد کا
یاں ٹھاٹھ تھا علی دلی کی نبرد کا

شوکت دہی شکوہ دہی اور دہی جلال ۱۱۵ تیور دہی خواہی اور دہی کمال
تیغ و سپر میں شیر الہی کی چال دھال دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تکبر، نہ قیل و قال
نقشہ دکھا دیا شہ دلہل سوار کا
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا

دھالوں کے پُرزے ہو گئے پیہم رُکے جو وار ۱۱۶ بھرتا تھا اژدھے کی طرح دم سیہ کار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
جس طرح زخمی صید دُکھتا ہے شیر سے

لایا کلام سخت، جوں لب پر وہ بد زباں ۱۱۷ بس آگیا، جلال میں شہزادہ جہاں
دست اجل بڑھا کر اُٹھی تیغ جاں نستان اُڑ کر گیا فرس پہ سمندربک عنان
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آگیا
عصفور، شاہباز کے پنجے میں آگیا

نے وہ تہمتی تھی، نہ وہ زور، گیو کا ۱۱۸ منہ پھر گیا طمانچہ، ضیغم سے دیو کا
خالم شکار بن گیا، گیہاں غدیو کا کافروہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جینیو کا
نکلی بفل سے تیغ، عجب کروزر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

دیکھا جرباپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر ۱۱۹ بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہ بحر و بر
سجڑے سے سر اٹھا کے پکا سے جیشیم تر یارب لڑا ہے، تیسرے فلقے سے یہ پسر
قابو میں دل نہیں ہے، بہت بیقرار ہیں
ہاں تیرے رحم و لطف کا امیدوار ہیں

بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے ۱۲۰ مایا ہے تو یہ ہے جو رضاعت ہے تو یہ ہے
گذری بہار زیت کی، آیا زمان دے اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حرمت سے اس پسر کو شہادت حصول ہو

یارب فقیہ کا ہے یہ ہدیہ قبول ہو
مقبول جس طرح ہوئی قربانی خلیل ۱۲۱ اس طرح سرفراز ہو یہ بندہ ذلیل
دُنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبریلؑ میں اس کا بقی نہیں، اے خالقِ جلیل
امت بھی بخشی جائے، پسر بھی سید ہو
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو

مصرف تھا دم میں اُدھر فاطمہؑ کا لال ۱۲۲ ڈوبا ہوا تھا، فوجِ عدو میں وہ نونہال
بڑھ کر دغا کرے، یہ کسی کی نہ تھی مجال لاکھوں سے معرکہ تھا، ہزاروں سے تھی بدل
سوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی نافوخ زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا، کلائی میں درد تھا

یہ دیر سے لڑے ہوئے، وہ فوجِ تازہ دم ۱۲۳ ناقول کا ضعف، بیاس کا صدر، پدر کا غم
ہاتھوں کا زرد کم ہوا جاتا تھا دم بہ دم پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
آنکھیں تو سرخ غیظ سے تیوری چرمی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی پہ بہت بڑھی ہوئی

بکلا پرے سے ایک جفا کار روکینہ خواہ ۱۲۴ تھا کید میں خلیفہ مشیطاں وہ رُویا
چلا یا دیکھ کر طرب بارگاہِ شاہ آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس فوجوں کے، بھر میں آخر نہ کل پڑی
لو گھر سے بنت فاطمہؑ زہراؑ نکل پڑی

تھا عشق سے پھر بھی کے تو واقف وہ لالِ نام ۱۲۵ گہرا گیا حسینؑ کا فرزند نیک نام
گردن پھر کے جلد نظر کی سوئے فرائم مستند پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
بر بھی کسی کی، سیدؑ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈنگانے لگا تمام کر جگر ۱۲۶ فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
سب ہو گئے وہ دستِ بلوریں لبوں میں تر رہوار سے پلٹ گئے ہرنے پہ رکھ کے سر
بجز بیکی نہ تھا کوئی اس ماہِ رو کے ساتھ

ہلڑے کبڑے زخم سے نکلے بہو کے ساتھ
لیتا تھا غش میں اچکیاں وہ چودھویں کا ماہ ۱۲۷ جو گرز فرق پاک پہ مارا کسی نے آہ
بیٹھا گلے پہ تیسرا کہ حالت ہوئی تباہ رہوار سے گرا، پسرِ شاہِ دریں پناہ
بنتِ رسولؐ رونے کو مٹھ دے لپٹے لگی

ترپا وہ فوجاں کہ زمیں کا پینے لگی
سر کاٹ لو، یہ غل جو لگے کرنے اشتیقا ۱۲۸ گردن سے تیر کینچی کے بابا کو دی صدا
اے نور عینِ فاطمہؑ اے سبطِ مطلقہؑ اے بحر فیض اے قمر برجِ حمل اتنی

جلد آئیے، غلام پہ احسان کیجئے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجئے
جس دم سنی حسینؑ نے یہ جاگزا صدا ۱۲۹ صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اٹ گیا
باتھوں سے دل کو تمام کے دوڑے برہنہ پنا نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کروں میں کیا
مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جانیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جانیو

جے جے مرے شفیق پسر مہرباں پسر ۱۳۰ خوش رو پسرِ سعید پسرِ قدرداں پسر
مادر کا پین، باپ کا آرام جاں پسر کم گو پسرِ شہید پسرِ فوجاں پسر
مقتل کہ مرے، کوئی بتا نہیں مجھے
اے نور عین، کچھ نظر آتا نہیں مجھے

مجھ کو غریب دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار ۱۳۱ اک بار یا شہِ دوستِ اکبرؑ کے پھر پکار
اے شیرِ سیدائشِ اکبرؑ کے پھر پکار صدقے ہو باپ، یا ایتنا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جانِ تن سے ترے ساتھ جلتے گی
مراؤں گا، یہیں جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بے حواس ہوں ۱۳۱ زخمی ہے قلب گشتِ اندوہ و یاس ہوں
 غلیں ہوں مرزہ دل ہوں حویں ہوں اداں ہوں دم توڑو تم تو بے غضب اور میں نہ پاس ہوں
 کیوں کرتا رار آئے دل نا صبور کو
 لاؤں کہاں سے دھوئندے آنکھوں کے نور کو

ناگاہ آنی حضرت زہرا کی یہ صدا ۱۳۲ ہے حسین تیرے تڑپنے کے میں خدا
 دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مر لقا جاں اس کی تجھ میں انکی ہے اے میرے لڑیا
 دیکھے یہ تم کو، تم اسے اک بار دیکھ لو
 آؤ پس کا آخری دیدار دیکھ لو

چلائے سر کو پیٹ کے شبیرِ نامدار ۱۳۳ اماں خدا کے واسطے اکبر سے ہوشیار
 جو یا ہوں ان کا میں انھیں میرا ہے انتظار کہہ دیجئے کہ آتا ہے بابا جگر و نگار
 عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کر کے جائیں
 دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کر کے جائیں

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطان بھر دبر ۱۳۵ بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
 اٹھایہ دل میں درد، کھنم ہو گئی کمر دیکھا جو زخم، منہ کے قریب آگیا جگر
 تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
 غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیر مر گئے

ہوش آیاتین ساعتِ کال کے بعد جب ۱۳۶ دیکھا کہ مرٹ رہی ہے شبیر رسول رب
 آنسو بہا کے رکھ دیئے بیٹے کے لب پہ پل چلاتے تھے کہ چھوڑ پلے ہم کو بے غضب
 دل سے گلے پٹنے کی حسرت نکال دو
 باہیں اٹھا کے باپ کے گردن میں ڈال دو

بابائے کوئی بات تو اسے مر لقا کرو ۱۳۷ غفلت کا وقت یہ نہیں ذکرِ خدا کرو
 ایشی ہے گرزبان، تو آنکھوں کو دا کرو صدقے پر اشارے میں مطلب ادا کرو
 داوی کے پاس چشمہ کوثر پہ جاتے ہو
 حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکرتے ہو

اکبر نے انھیں کھول کے دیکھا رُخ پدر ۱۳۸ نکالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے ادھر ادھر
فرمایا مشنہ زانو پہ رکھ کر سر پر سر روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ حتر

یاں سے اٹھ کے آلِ پیر میں لے چلیں

غمِ ماں کا ہے تو آؤ تمہیں گھر میں لے چلیں

کی عرض بہت اتنی کہاں اے شہِ اُمم ۱۳۹ اب کیجے قبلہ زور کز بھٹکتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھ لئے آپ کے قدم غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہیں ہے غم

ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دونوں

دوتا ہوں اس لئے کہ اکیلے حضوری میں

مشنہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ روؤ بس ۱۴۰ ہو گا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش ہو
دُنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہو کس میرے لئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس

اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہے

جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

بتلاؤ کس اُمید پہ یہ نیم جاں جئے ۱۴۱ افسوس شیر قتل ہو اور ناقواں جئے
دُنیا میں جس کا تم سا نہ کر لیں جواں جئے وہ باپ کس طرح جئے کیونکہ وہ ماں جئے

پہلے نہ ہم گذر گئے شہِ زندگی یہ ہے

ہم دونوں تیرے ساتھ نہیں زندگی یہ ہے

یہ بات سن کے لینے لگا چچکیاں پسر ۱۴۲ سونکھی زباں دکھائی کہ چایا ہوں اے پد
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر پر سر دو بار لی کراہ کے کروٹ ادھر ادھر

دنیا سے انتقال ہوا فوراً عین کا

ہنگامِ طہر تھا کہ کٹا گھر حسین کا

نہلی ادھر تو جسم سے اکبر کی جان ناز ۱۴۳ یاں بیبیاں ہوئیں درِ نیمے پہ بقیہ راز
فقط پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر بیک بار اکبر پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار

چھریاں غمِ دالم کی کلیجے پہ چلتی ہیں

جلد آئے کہ حضرت زینبِ بختی میں

گھر کے شاہ دیں نے اٹھائی پسر کے لاش ۱۳۳ پٹائے تھے کلیجے سے نحتِ جگر کی لاش
لائے تھیں خیمہ جو اس سیم بر کی لاش غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قر کی لاش
زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکلیں

سب بیبیاں خیام سے باہر نکلیں
سرخ شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام ۱۳۵ تھے بیچ میں شہید کا لاش لے امام
بانو پکاری تھی کہ یا شاہ تشنہ کام جیتا ہے یا جہاں سے گیا میرا لالہ نام
منکا دھلا ہے ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہ! مرے بچے میں جان ہے

زینبؓ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار ۱۳۶ یہ لاش میری گود میں دیکھے، بہنِ نشار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار صدے گئی لرزتا ہے فاقوں سے جسمِ زار
شکرتے تھے یہ کام ہے مجھ سے جان کا
تھوہے بہن اٹھے گا نہ لاش جو ان کا

لاش پسر کا، غیمے میں لائے امام پاک ۱۳۷ مسند رسولِ حق کی بچھائی ہوئے خاک
شہ نے بٹاکے لاش جو کی آو دردناک دل بیسیوں کے ہو گئے، سینے میں چاک چاک
پہلے لگاں تھاغش ہیں دغا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں

لاش کے پاس لائے پسر کہہ کے ماں گری ۱۳۸ ہاتھوں سے دل بکڑ کے پھونچی نیم جاں گری
دل پر ہر اک کے برقی علمِ نوجواں گری غش ہو کے پاں گری کوئی اور کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاش سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا، صفِ ماتم اُلٹ گئی

بس اے ایسا اب نہیں آگے بیاں کی تاب ۱۳۹ لکھوں حرم کے مین تو ہوتی ہے اک کتاب
گر قدموں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب جلدی مدد کریں گے شہِ آسمانِ جناب
تو ذاکر حسین علیہ السلام ہے
تیری انھیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

مرثیہ (۱۷)

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر ۱ راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ مثر سے نہیں بہتر نکبت کوئی بوئے مٹی تر سے نہیں بہتر

صدموں میں علاجِ دل مجروح یہی ہے

ریکاں ہے یہی، راح یہی، روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچہ خنداں ہے اسی سے ۲ وہ گل ہے کُھر رشک گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا سماں ہے اسی سے آبادی کا شایہ انساں ہے اسی سے

کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے

گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیرِ جوان رہتا ہے جس سے ۳ یہ وہ ہے نگیں، نام و نشان رہتا ہے جس سے
دو شمع ہے، پُر نور مکان رہتا ہے جس سے وہ دُربے قوی رشتہ جاں رہتا ہے جس سے

کھوتے نہیں یہ مال، زرد مال کے بدلے

موتی بھی ٹاڈتے ہیں اس لال کے بدلے

صولت یہی شوکت یہی اجالاں یہی ہے ۴ ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سرایہ یہی، نقد یہی، مال یہی ہے گوہر یہی، یا قوت یہی، لال یہی ہے

دل بند ہو، پہلوئیں تو غم پاس نہیں ہے

کچھ پاس نہیں گریہ، رقم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے ۵ تنہی میں بھی جینے کی طاقت ہے پسر سے
خونِ جسم میں آنکھوں میں بھسار ہے پسر سے ایامِ ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے

آرام جگر تو توبہِ دلِ راحت جاں ہے

پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزندِ جوان ہے

وہ غم ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے ۶ وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ نعل ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے وہ دُہ ہے یہ دُعبان لڑی رہتی ہے جس سے

آرام بجز تاب و توان ساتھ ہے اس کے

پھرتا ہے بدرِ رشتہ جاں ساتھ ہے اس کے

مالک سے بھرے گھر کے اُڑ جانے کو پوچھو ۷ گھر والوں سے اس تفرقہ بڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو یعقوب سے یوسف کے بچہ بڑ جانے کو پوچھو

اللہ دکھائے نہ الم فورِ نظر کا

بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہوِ قلب بجز کا

اب زحمتِ اکبر ہے شہِ تشہِ وہاں سے ۸ فرزندِ بچہ پڑتا ہے امامِ دو جہاں سے
ہمیری ٹیلا پھڑاتا ہے فلکِ تازہ جواں سے کس نعل میں درمیش ہے فرقتِ تنِ جاں سے

آتی ہے اہل، گود کا پالا نہیں جاتا

صابر سے کلیجے کو سنبھالا نہیں جاتا

فرماتے ہیں فرزند سے آنکھوں کو چڑا کر ۹ دیکھ آؤ ذرا مادرِ ناشاد کو جا کر
کہتا ہے وہ ناشاد جواں اشک بہا کر اب جائیں گے خیمے میں سناں سینے میں کھا کر

مُنو نیلہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا

سب چھوٹیں مگر آپ کو چھوڑا نہیں جاتا

مولایہ غلامِ ابِ متمنی ہے رضا کا ۱۰ مشتاق ہے یہ خشک گلا، آپ بقا کا
شہرہ ہے علمدارِ دلاور کی وفا کا کچھ کام تو خادم سے بھی ہوا، راوِ خدا کا

اس خاک کا ذرہ ہو جو خورشیدِ وہی ہے

جو آج مرے، زندہ جاوید وہی ہے

جینے پہ مرے، عشقِ خدا جس کو نہیں ہے ۱۱ پتھر ہے محبت کا مزار، جس کو نہیں ہے
خاک اس زندہ گوہر ہے، بقا جس کو نہیں ہے نشئی ہے یہ دولتِ کبر، فنا جس کو نہیں ہے

ادنیٰ ہو تو اعلیٰ ہو گدا ہو تو غنی ہو

حضرتِ اسی کا ہے جو قسمت کا دہنی ہو

دوبے گا جو حیدر کے سفینے میں نہیں ہے ۱۲ نام اس کا شفاعت کے ٹیغے میں نہیں ہے
دل مُردہ ہے اگر دروہی سینے میں نہیں ہے مرنے میں جلدت ہے وہ سینے میں نہیں ہے

سر دینے کی لذت کوئی سرداروں سے پوچھے

زخموں کا مزہ اشک کے نلک خواروں سے پوچھے

پھر موت ہے گر عمر ملی ۱۳ لاکھ برس کی بلبیل سے اب اُختی نہیں تکلیف نفس کی
دامادوں کو آتی ہے یہ آواز جس کی ایذا ہے مسافر کو فقط چاند نفس کی

اُس دن کے سوا قوتِ عقیقی نہ ملے گا

دھونڈے گا تو پھر تفلہ ایسا نہ ملے گا

دُوری نہیں کچھ عمرِ سفر ہوتی ہے کوتاہ ۱۴ ہمت ہو تو کوٹ جاتی ہے نرمی سے کڑی راہ
سالک ہے دی، راہِ رضا سے ہے جو آگاہ آہیل کی صورت تجھے کوثر کی ہے گر چاہ

جاتا ہے وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے

دن بھر میں کہاں مہر پہونچتا ہے کہاں سے

کو تا ہی قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے ۱۵ محبوب محمد سے تجھل شادِ عرب سے
سر دینگے دم صبح ارادہ تھا، یہ شب سے ترپا کیے اور کچھ نہ کہا، پاسِ ادب سے

دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں

قاسم تو جو فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

چھوٹے جو ہوں وہ جو ہر شمشیر دعائیں ۱۶ ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
عباس علیٰ خوں میں لب نہر نہائیں بعد ان کے بھی سر دینے کا ہم اڑن نہ پائیں

فرزندِ فدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید

ہم حیدر کے گزار کے پوتے نہیں شاید

ہکچن میں ہیں آپ نے شمشیرِ عطا کی ۱۷ مٹ جائیں گے جو ہر جوہر میں نے، نہ وفا کی
ہم شیریں شیروں کے قسم شیرِ خدا کی حرمت میں شجاعت کی تو عزت ہیں وفا کی

قبضوں میں گمانیں زمین ہتھیاروں سے کیلے

ہکچن میں جو کیلے بھی تو تلواروں سے کیلے

۱۸ نہ صبر میں حضرت سا کوئی ہے نہ رضا میں مگر آپ نے صدقے کیا سب راہِ خدا میں
یہ جو صلہ کس کا ہے کہ روئے نہ خواہیں کیجئے مری ادا دیکھی اس رنج و بلا میں
گر بعد خدا کے بین تو ماں باپ ہیں مولا

دیکھئے مجھے رخصت کز سخی آپ ہیں مولا
۱۹ اے سالکِ منہا ج علی راہ دکھا دے مشتاق ہوں جس دُر کا وہ درگاہ دکھا دے
دروازہٴ رحمت مجھے بندہ دکھا دے دربارِ شہنشاہِ فلک جاہ دکھا دے
داں پہنچیں جہاں عرش بھی پایہ نہیں رکھتا
ہم سامنے میں اس کے ہوں جو سایہ نہیں رکھتا

یہ کہہ کے جوت دموں پہ گرا وہ مہرِ انور ۲۰ سر چھاتی سے پٹنا کے یہ کئے لگے سرور
میں مانعِ تحصیلِ سعادت نہیں دلبر جو تم سے بن آئے وہ کرد اے علی اکبر
یہ سنتے ہی دُنیا سے گزر جائے گی زینب
رونا مجھے اس کا ہے کہ مر جائے گی زینب

عمر اس نے گنوائی ہے محبت میں تمھاری ۲۱ سب میں یہ وہ عاشق ہے حقیقت میں تمھاری
اٹھارہ برس کھائے ہیں اُلفت میں تمھاری کیونکر اسے صَبّ رکے گا فرقت میں تمھاری
اللہ ہی چاہے تو نہ حائل کوئی شے ہو
یہ مرحلہ ایسا ہے کہ دو باتوں میں طے ہوا

بسم اللہ اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ ۲۲ ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ
رو کوں گانہ میں شوق سے پھر بر چھیاں کھاؤ آپ دمِ شمشیر سے یہ پیاس بجھاؤ
دیر اب کہیں دنیا سے گزرنے میں نہ ہوئے
ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہوئے

شہرت ہو جواب دیکھیے سر راہِ خدا میں ۲۳ سو نفع سے بہت تر ہے ضرر راہِ خدا میں
آبادی ہے لٹ جائے جو گھر راہِ خدا میں جو عیدِ خوشنشاں ہو پسز راہِ خدا میں
اک یہ بھی عطا ہے کہ بنے کام ہمارا
دولت تو اسی کی ہے سب اور نام ہمارا

یہ سن کے گیا خیمے میں وہ صاحبِ توقیر ۲۳ اُلفت سے پھری گردِ پسر، بانوئے دلگیر
پٹ کے گلے بکنے لگی شاد کی ہمشیر سونلا گئی ہے دھوپ میں یہ چاندی تصویر

دو دن سے اس آفت میں نہیں سوائے ہو بیٹا

آنکھوں پر درم کیسا بے کیا روئے ہو بیٹا

حضرت کی تو بے خیر کہو اے مرے دلبر ۲۵ اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ بولا وہ طائر

اب خیر کہاں کٹ گیا سب شاہ کا شکر نہ آپ کے بیٹا، نہ بھتیجے، نہ برادر

عمو نے بھگایا تھا جنھیں وہ بھی پھرے ہیں

مظلوم پدر لاکھ سواروں میں گھرے ہیں

اک جم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے ۲۶ اظہارِ جوا نردی جہد کر نہیں سکتے

فوجوں کے بٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے بے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے

در بار میں سر دینے کی باری نہیں آتی

سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی

رخصت ہیں ماں دیں نہ بچو بھی دیں نہ پدر دیں ۲۷ مجبور ہیں، کیونکر دستِ دم شاہ پہ سر دیں

دم بھر میں یہ میدانِ دغا، لاشوں سے بھر دیں سرکش جو ٹرے آتے ہیں، پاپا انھیں کر دیں

اندوہ و مصیبت کی منہیں ہٹ نہیں سکتیں

وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتیں

بائیں گے کہ ہر جب نہ رہے سیدِ عالی ۲۸ نے دوست، نہ ہمدرد، نہ موصی، نہ موالی

کیسی یہ مصیبت، فلکِ پیر نے ڈالی یہ آج کا جینٹ انہیں ادھال سے خالی

یا کوہ میں، یادشت کے میدان میں مریں گے

یا بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں مریں گے

اُلفت میں بڑتا ہے، بنا کام ہمارا ۲۹ اب صفوہ ہستی سے مٹا، نام ہمارا

شہر و تھا بہت روم سے تا شام ہمارا آغاز تو وہ، اور یہ انجام ہمارا

یہ منزلِ اندوہ بلا کاٹ کے مرتے

عمر منع نہ بڑتا، تو گلا کاٹ کے مرتے

سُروے کے شجاعانِ غربِ غلہ میں پہونچے ۳۰ دنیا سے بصدِ شِش و طربِ غلہ میں پہونچے
پھر راحت و آرام ہے جب غلہ میں پہونچے اے واہ! ہیں رہ گئے سب غلہ میں پہونچے

آفت میں کوئی روکنے والا ہی نہ ہوتا

اے کاش بھونپنے میں پالا ہی نہ ہوتا

کس کو بے نظر تشنہ دہانی پہ ہماری ۳۱ دے گا نہ کوئی نذر بھی پانی پہ ہماری
رونے کی ہے جامِ مرتبہ دانی پہ ہماری جیتے رہے خاک ایسی جوانی پہ ہماری

چرچا نہ مندا ہونے کا دنیا میں رہے گا

مانع ہوئے ماں باپ یہ کوئی نہ کہے گا

ہتھیار کہاں بھینکیں کہاں ٹھپنے کو جائیں ۳۲ کس بن میں رہیں کون سے جنگل کو مائیں
تنبہا ہیں سفارش کے لئے کس کو بلائیں امداد کریں شیرِ خدا فاطمہ! آئیں

اعجاز ہو تو کام مرا بند ہوگا

یوں تو کوئی رخصت پہ رضا مندر نہ ہوگا

زمینب نے کہا کس پہ یہ غصہ ہے میں واری ۳۳ کچھ منہ سے کہا میں نے کہ مادر نے تمہاری
کیا وجہ، یہ کس بات پہ ہے گریہ و زاری سچ لیجیے ہتھیار طلب کیجے سواری

انصاف کرو صدقے گئی اہلِ وفا ہو

روکیں تو پدر، پالنے والوں سے خفا ہو

کیوں کا ٹوٹا غیظ سے کیوں ہونٹ چہاؤ ۳۴ میں شہ سے دلا دوں گی رنما شوق سے جاؤ
مراؤں گی سر پر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ لورخ کی بلائیں تو میں لے لوں ادھر آؤ

تقصیر ہمیں سے ہوئی، لو جانے دو بیٹا

ابھی ہوئی زلفوں کو تو سمجھانے دو بیٹا

بانو نے کہا لوا نہیں یوں کون منائے ۳۵ غصہ بھی اٹھائے دہی جو، ناز اٹھائے
سمجھی میں یہ حضرت سے خفا ہو کے ہیں آئے اس پر دے میں پیغامِ جدائی بھی میں لائے

کچھ اُن کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بھائی کی تہیں

میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں

بانو کا یہ کہنا تھا کہ رقت کا ہوا غل ۳۶ رانڈوں میں شہیدوں کی مصیبت کا ہوا غل
آفت کی پڑی کوک قیامت کا ہوا غل اس شور میں اکبر کی بھی رخصت کا ہوا غل
گھبرا گئے سجادِ حزیں چونک کے غل سے
سمجھے کہ سفر ہو گیا اصغر کا غل سے

نقد سے کہا کیا ہوا، کیسی ہے یہ زاری ۳۷ سر پیٹ کے، وہ خادمہ خاص پکاری
شبیرا کیسے ہیں غضب ہو گیا واری اب جاتی ہے رن کو ملی اکبر کی سواری
ماں خاک اڑاتی ہیں پھوٹی غل میں پڑی ہیں
سب سیباں ملنے کیے گردانے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لا کہ برادر سے مل آئیں ۳۸ غازی سے مجاہد سے، دلاور سے، مل آئیں
دریائے شہادت کے کنارے مل آئیں شبیر کے پیارے علی اکبر سے مل آئیں
بھائی کا نہیں کوچ یہ رخصت ہے نبی کی
ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہے نبی کی

نقد نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا ۳۹ بستر سے اٹھا کانپ کے، وہ گیسوؤں والا
خم ہو گیا تھا، دردِ کمر سے تھرا ہوا تھرا کے پڑا پاؤں کہیں اور کہیں ڈالا
اشک آنکھوں سے بہتے تھے گریبانِ قبائر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر

آوازِ حسنین تھی، کہ مری جان برادر ۴۰ بیمار برادر، ترے شہربان برادر
ہم آتے ہیں، ٹھہرے رہو اک آن برادر ذی قدر برادر، مرے ذی شان برادر
ہم رو میں تھیں، تم ہمیں روتے ہوئے جاؤ
بھائی سے بھگلیز تو موتے ہوئے جاؤ

نابہ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبر ۴۱ آنکھوں کو کلاہاتھوں سے قدموں پہ پلا سر
حبت دہنے فرمایا، کیجیے سے لگا کر گردن میں مری ڈال دو باہوں کو ہرادر
شانے کے قریب زلفِ منبر ہے بھائی
چہرہ مرے چہرے کے برابر ہے بھائی

اے روشنی خانہ زہرا ترے صدقے ۴۲ اے باپ کے عاشق مرے شیدا تھے صدقے
اے تشنہ لب اے بیکس تہا تھے صدقے اے رہ رو فردوسِ مطلقا ترے صدقے

گھر آج آجڑا ہے نئے جاتے ہیں بھائی
ہم قافلے والوں سے چھٹے جاتے ہیں بھائی

غربت میں مبارک تمہیں ہمراہی شبیر ۴۳ کیا دیکھے دامندوں کو دکھلاتی ہے تقدیر
مرنے کی اجازت نہیں دیتے شبِ دلگیر شپ کیا مجھے آئی کہ پڑی پاؤں میں زنجیر
ٹٹ جائے گا گھر بعد شبنشاہِ زن کے
ہیہات گلا ہوئے گا حلقے میں رسن کے

اے اکبرِ مردِ تھے پاؤں گا کہاں سے ۴۴ اے صفدرِ خوشِ خواتم تھے پاؤں گا کہاں سے
اے نینبِ بدِ بھلو تھے پاؤں گا کہاں سے اے قوتِ بازو تھے پاؤں گا کہاں سے

بے غسل و کفن آپ تو میدان میں رہیں گے
ہم بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں رہیں گے

بیتیا یہ نقاہت مری اور بوجہ یہ گھر کا ۴۵ کیا زور ہے جو حکمِ شبِ جن و بشر کا
عثو کا سہارا نہ تھا ، نہ پدر کا غربت تو یہ اور سامنا اس شکرِ شر کا
گھر جلنے میں رہنے کا نہیں ہوش کسی کو
بچوں کو سنبھالوں گا کہ ناموسِ نبی کو

اے راحتِ جاں یادِ روغمِ خوارِ ہمارے ۴۶ دلدارِ مددگارِ پرستارِ ہمارے
پہلے نہ چلی حلق پہ تلوارِ ہمارے افسوس ہوئے تم نہ عوادارِ ہمارے

ملتے ہیں کہاں ساتھ کے کیلے ہوئے بھائی
فریاد کہ ہم آج اکیلے ہوئے بھائی

اللہ ری، ان بھائیوں کی گریہ و زاری ۴۷ جس طرح برستا ہے کبھی ابرِ بہاری
اں کہتی تھی تیرا بن میں آفتِ تمہاری بس صبر کرو تب میں غش آجائے گا داری

سہرا اسدا شد کی جانی کو دکھائے
بھائی کا خدا داغ نہ بھائی کو دکھائے

غش آنے لگا جب تو کہا بھائی سے رو کر ۴۸ کچھ ہم سے وصیت تو کرو اے علی اکبر
آہستہ کہا جاتے ہیں بھائی سونے کوثر پانی جو ملے یاد ہمیں کیجو برادر

مر کر بھی پسر قبلہ و کعبہ کے تئیں ہو

ثربت مری پائین مزارِ شہ دیں ہو

اس معرکے سے جب ہو وطن آپ کا جانا ۴۹ صفرا کو کئی بار کلیجے سے لگانا

کہنا کہ بہن پھر گیا بابا سے زانا وعدہ تو کیا تھا یہ نہ تم تک ہوا آنا

شب تیر پہ فوجوں کی گھٹا چھا گئی صفرا

آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آ گئی صفرا

یہ کہہ کے پھوپھی پاس گئے اکبر دل گیر ۵۰ ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ محل کیجیے تفصیر

منہ دیکھ کے مادر کا یہ کی یاس سے تقریب دودھ آپ بھی بخشیں تو ملے عزت و توقیر

اس مٹرنے سے تن میں مے جان آئے گی انا

دور روز کی یہ پیاس ابھی بجھ جائے گی انا

زینب نے کہا میں ہوں رضا مند و ثنا خواں ۵۱ تفصیر تری کچھ نہیں اے اکبر ذی شاں

ماں بولی میں ان شوکے ہوئے ہونٹوں کی قربان لودھو بھی بخشا تمہیں ماں نے بدولت جہاں

آگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی میں

یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی میں

یہ سن کے تڑپنے جو لگی زینب ناشاد ۵۲ ہے بے علی اکبر کی ہوئی رائیوں میں فراہ

جس وقت چلا جیسے سے وہ غیرت شمشاد غل تھا کہ بہو فاطمہ کی اب ہوئی برباد

یوں گرد حرم روتے تھے اُس سرور واد کے

جس طرح کہ ماتم ہو جنازے پہ جواں کے

نقد نے جو پردہ در دولت کا اٹھایا ۵۳ خورشیدِ ممین ہرج شرف سے بھل آیا

دروں پہ جو پڑنے لگا اس مہر کا سایا چلائی زین سب سے فزوں ہے مرا پایا

میں رتبے میں ہوں چرب چہارم سے زیادہ

خورشیدِ مرے پاس ہیں انجم سے زیادہ

پستی مری اس نور سے ہے طور تجسّی ۵۳ بھاری ہے ترازوئے فلک سے مرا پلا
دامن ہے مرا حورو ملائک کا مصلّا مجھ پر وہ مرنے جس کو علیٰ سے ہے تو لا

تاج شہر رہا فیض یہ شاہ شہب را کا
تبسّح مری ہوئے گی اور ذکر خب را کا

پہونچے جو قرین شر کے تو کی عرض کہ حضرت ۵۵ اقبال سے مولیٰ کے ملی جنگ کی رخصت
فرمایا کہے دیتی ہے جہرے کی بشاشت مسعود و مبارک سفر گلشن جنت

مرضی ہو تو یہ پیر بھی دے ساتھ تمھارا
نہد جائیں گے ہم تمھارے ہوئے ہاتھ تمھارا

اکبر نے کہا، آپ سلامت رہیں آقا ۵۶ دنیا کا شرف، دولت دیں، عزت عقبا
کو فرکی نہ خواہش ہے نہ جنت کی تمنا ہوں میں فقط آپ دم شمشیر کا پیاسا

توقیر ملی خلق میں ماں باپ کے آگے
مشتاق ہوں اس کا کردار آپ کے آگے

نام آپ کے انا کا ہے کونین میں شاہ ۵۷ یسین کہیں حق نے کہا ہے کہیں طاہ
جو آپ نے طفل میں کہا، اس کو نباہ چاہا وہی مولانے جراثید نے چاہا

قرباں مجھے کہجے، یہ تمھارے دلی ہے
میراث خلیل آپ کو حصے میں ملی ہے

فرمایا اَلَا اے پسرِ عاقل دوانا ۵۸ ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
جو آیا ہے اک دن اُسے درپیش ہے جانا آگے کوئی، پیچے کوئی، ہوتا ہے توانا

وقف کبھی دن کا ہے تو عرصہ کبھی شب کا
جب ملے ہوئی منزل تو کہاں ایک سب کا

تھی صبح کہ احبابِ مسافر ہوئے سارے ۵۹ دن دوپہر آیا تھا کہ جہاں سدھارے
اب جاتے جو قہرِ عدو زوال اے مرے پایے عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمھارے

تم اور نہ بھائی، نہ بھتیجا، نہ پسر ہے
روتے ہیں ہم اس پر کہ ضعیفی کا سفر ہے

۶۰۔ لاشے نہیں لے آئے، شمع عابی عرب کے
فاتحے سے کئی روز کئے جاگے ہوئے شب کے

ادا نے جہاں دوست کو مارا وہیں پہنچے

میدان میں ہمیں جس نے پکارا وہیں پہنچے

اتنا بھی کوئی اب نہیں اے اکبر مرد ۶۱۔ جب تیروں سے غریب کریں جسم جفا جو
تکواروں سے مجروح ہو سز تیروں سے پہلو گھوڑے سے اتارے تو کوئی تمام کے بازو

پامال ہمیں، لشکرِ نااہل کرے گا

پر خیر یہ مشکل بھی خدا سہل کرے گا

بہر طرح گندہ جائے گی ۱۰۱۔ اکبر زنی جاہ ۶۲۔ پر الفتِ اولاد سے عاجز ہے بشر، آہ
کچھ جان بولی جاتی ہے تن سے ترے ہمراہ غش آتا ہے گرتے ہیں سنبھالو ہمیں شد

جس پاس پسر ہو وہ جواں بخت ہے بیٹا

یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہے بیٹا

کس طرح سنبھالوں کہ دل زار نہ تڑپے ۶۳۔ کچھ دل کی کہوں قلبِ چراگ بار نہ تڑپے
اس طرح کوئی مرغِ گزرتار نہ تڑپے یوں مڑتے ہوئے صاحبِ آزار نہ تڑپے

تازہ غمِ محبوبِ خدا ہو گیا، مجھ کو

اب تک تو میں اچھا تھا یہ کیا ہو گیا مجھ کو

گذری نہیں اس طرح کی ایذا کبھی دل پر ۶۴۔ ۱۰۱۔ لال یہ صدر نہیں پہنچا کبھی، دل پر
برہنہ کبھی سینے پہ ہے نیریزہ کبھی دل پر گدہ دل ہے کلیجے پہ، کلیجہ کبھی دل پر

اب اشکوں کی ندی بھی بہائی نہیں جاتی

وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

لو جھاتی سے پشو کو تیرا آئے جگر کو ۶۵۔ فرزند نے خم ہو کے، رکھا پاؤں پہ سر کو
حضرت نے کہا جھاتی سے پشا کے پسر کو برباد کئے جاتے ہوا کبڑے مرے گھر کو

منظور یہ تھا ساتھ مردوں ساتھ خدا ہوں

پر خیر سدھارو کہ میں راضی برضا ہوں

دھت ہوئے جب شر سے علی اکبر زیشاں مطلع دم گھوٹے پہ چڑھے آپ کھلا ریل پہ قرآن
وہ دیش کی چیل بل وہ فیائے شیخ تاباں ۶۶ اک برق چمکتی ہوئی پہونچی سرسبداں

زردی رُخ خورشید پہ چھائی نظر آئی

پرتو سے زمیں زن کی طلائی نظر آئی

سب دھت بسا پھولوں سے بوتن کی جڑ پھلی ۶۷ فردوس میں مہان خدا جن کے طفیلی
نور ایسا جہاں چادر بہت اب بھی نیلی گیسو وہ کہ مجنوں ہو جنھیں دیکھ کے نیلی

اک عشق ہے ہونٹوں سے ملاوت طلبوں

گر دیکھے تو چاٹا کرے شیریں بھی بوں کو

آنکھوں سے محسوس ہوئے چینی خطائی ۶۸ دونوں نے یہ چتون یہ سیاہی نہیں پائی
مردم کے لئے فخر ہے یاں ناصیہ شائی شیریں کو شپ آتی ہے دم چشم نہائی

یاں کچھ گل و بادام حقیقت نہیں رکھتا

نرگس وہ کہے گا جو بصارت نہیں رکھتا

دیوانی ہوں پریاں، نظر آئے جو یہ رفتار ۶۹ گوشق شہادت ہے پہ عجلت نہیں زہا
تم تم کے اٹھاتے ہیں قدم مردم ہموار پہونچاں سیماں سے کبھی مور کو آزار

لازم ہے سدا پاسن ضعیفوں کا قوی کو

دیکھا ہے کبھی شیر کی آہستہ روی کو

پیشانی پہ ٹھہرے یہ نظر کو نہیں یارا ۷۰ سجدے کا نشان ہے کہ چمکتا ہے ستارا
دشمن کے لئے تیغ ہے ابرو کا اشارا پلکیں بھی ہیں خونریزی ادا پہ صف آرا

خال ایسے کہ اختر بھی شرارتے ہیں جس سے

آنکھیں وہ ہرن شیر دُک جاتے ہیں جس سے

وہ شان وہ شوکت، وہ تہوڑ وہ جلالت ۷۱ چھپتے ہیں کہیں، جو ہر شمشیر امالت
طینتیں کرم طبع میں انصاف و عدالت اقبال علی، شان شہنشاہ رسالت

دیکھا جو وہ رخ عرش کے ستراج کو دیکھا

زلفوں کو جو دیکھا، شب معراج کو دیکھا

جورخ میں صباحت وہ کہاں نورِ سحر میں ۷۲ چشمِ اسد اللہ کا سب رعب نظر میں
تابندہ نیرِ حضرت داؤد کی بریں کاندھے پہ سپر لب پہ رجز تیغ کمر میں
شوکتِ اسد اللہ کی تصویر نبی کی

داؤد کی آواز تھی، تقریر نبی کی
بیجی ہیں مسیں سبز خط بھی ہے نمودار ۷۳ گویا کہ حضرت آب بقا کے ہیں طلب نگار
وہ فصلِ ش باب اور وہ رنگِ گلِ رخسار دندان وہ سب الماس سے وہ حل گہر بار
واں جوڑے ہوئے ہاتھ انصاحت بھی کھڑی ہے

تقریرِ مسلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے
کس حُسن سے لب پر ہے تاشِ آبِ حیدر کی ۷۴ امداد کو دکھاتے ہیں وہاں ہر دُعا کی
نعرہ ہے کہ حیدر نے رسولوں کی مدد کی توڑا ہے درِ قلعہ کو شدت میں رند کی
گردش کبھی دی اور کبھی اونچا کیا سر سے
ہلکا تھا وہ در دستِ مبارک میں سر سے

بے جب نہ تھا خندق سے اترنے میں تامل ۷۵ خندق کا اسی دُر کو بہا در نے کیا پُل
جب تک نہ گئی فوجِ نبی قلعہ میں بالکل تھلے رہے اک ہاتھ سے درِ صاحبِ قلعہ
وہ پائے مبارک تھے ہوا پر نہ زمین پر

مولا کے قدم تھے پر جب پُلِ امیں پر
تقسیمِ فہیمت سے ہوئی جب کہ فراغت ۷۶ پھر توڑ کے اس در کو گئے ہانٹے حضرت
فولاد ہوا موم، رہے زورِ ولایت کس میں تھی سوا بازوئے احمد کے یہ طاقت
سب ٹکڑے برابر تھے، عجب عدل و کرم تھا
تو لا تو نہ جو بھریہ زیادہ، نہ وہ کم تھا

آفاقِ رجز تھا کہ ہوئی تیروں کی بوجھار ۷۷ شہزادۂ عالم نے بھی لی میان سے تلوار
تلوار کا کھینٹا تھا کہ تھا فوج میں رہوار رہوار کی چل پھر میں صغیں پس گئیں دوچار

اس شان سے لختِ دلِ شیرِ صہ آیا
گویا صفِ آہو پہ یکا یک اسد آیا

ہل چلی تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے ۸، دھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اڑ گئے تھے
 طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے آگے تھا ہرن مشیر سے اور شیر ہرن سے
 غل تھا یہ بڑی مشل ید اللہ لڑے گا
 تر ہوگی زمین خوں سے وہ دن آج پڑے گا
 تلوار تھی جستار کی یا قبر خدا تھی ۹، سر تھا تو الگ تھا جو کمر تھی توجہ داتی
 بجلی جوادھر تھی، تو اُدھر سیبل فنا تھی تلوار بھی یوں سر پہ جب آئی تو نقصا تھی
 بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اسکی
 چاٹا جو لہو اور برش بڑھ گئی اسکی
 جس صف پہ چلی خون میں غلطان کیا اُس کو ۱۰، مجمع تھا جادھر دم میں پریشاں کیا اُس کو
 جو آگے بڑھا غول سے بے جاں کیا اُس کو بخشی جسے جاں، بندہ احساں کیا اُس کو
 بے سر تھا ازل سے تھی خطا اہل میں جس کی
 مارا سے دیندار نہ تھا نسل میں جس کی
 کیا ہاتھ تھا، کیا تیغ تھی، کیا ہمت عالی ۱۱، دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں عالی
 جب مجموع کے دھالوں کی گٹھا آتی تھی کالی بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
 بلتا تھا نشان دن میں صفوں کا نہ پروں کا
 تھا شور کہ مینہ آج برسا ہے سروں کا
 آفاق میں جن کی تدر اندازی کا تھا شور ۱۲، ہاتھ اُن کے پیادوں کی طرح ہو گئے کمزور
 بے جاں کوئی سرکش، کوئی بدکیش پگور کردیتی تھی تابندگی برقی دودم کور
 سوار کو پلے سے ملانا، کسے سوچے
 دُخ پھر گئے ہوں جب تو نشانا کسے سوچے
 کیا حرب تھی، تیر بان جگر گوشہ شبیر ۱۳، نکلا جو کہاں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
 آیا جو کہاں لے کے کیس سے کوئی بے پیر گوشہ تھا، نہ چلے تھا، نہ حلقہ تھا، نہ رہ گیر
 جودار تھا صفِ در کا ندائی سے جدا تھا
 قبضے سے کہاں، ہاتھ کلائی سے جدا تھا

یا شیرِ خدا کہہ کے جب ادا میں در آئے ۸۳ انبار تن و سر کے دورستہ نظر آئے
یوں غیظ و غضب میں ادا مر آئے ادا مر آئے جیسے صدفِ آہو کی طرف شیرِ زر آئے

جانوں کو بچاتے تھے پیادے ہی نہ ہٹ کر

گر پڑتے تھے گھوڑے بھی سواروں پہ لٹ کر

کٹکٹ کے ہراک ضرب میں سر گرتے تھے سر پہ ۸۵ بر بھی پہ نہ پھسل تھا نہ کوئی پھول سپر پہ
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی، گاہ جگر پہ مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پہ

ننگی جو کمر سے تو چلی خانہ زیر پر

زیر سے تھی جو مرکب میں تو مر کبھی زیر پر

نہ خود، نہ چہرہ، نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ ۸۶ نہ ہاتھ، نہ بیرق، نہ علم چھوڑتی تھی وہ

نہ خلق، نہ سینہ، نہ شکم چھوڑتی تھی وہ نہ خون، نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ

آ جاتی تھی آواز زہے ضرب کی زہ سے

غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اٹھنے کی زہ سے

واں شامیوں میں شب تھی ادا نور کا تڑکا ۸۷ قرہ کی وہ آواز وہ کڑکیتوں کا کڑکا

تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کھٹنے کا دھڑکا اک غل تھا کہ دلا کہ یہ بھاری ہے یہ بڑکا

تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق اس میں نہیں ہے

مرد جسم سے اڑ جائیں گے فرق اس میں نہیں ہے

اللہ ری زباں آوری تیغ بلا نوش ۸۸ زریں ہمت تن چشمِ تھیں ڈھالیں ہمت گوش

گھاٹ ایسا کہ دوسے لب دیا بھی ہیں خاموش بازو ایسی کہ ہیں پھلپھل پانی میں نہ پوش

کھٹے ہیں گلے تیز زبانی سے اسی کی

دیرا بھی ہے چکر میں روئی سے اسی کی

نابیں وہ کہ شہرگ کسی گردن میں نہ چھوڑیں ۸۹ دشمن کا گلا قلعہ آہن میں نہ چھوڑیں

جو ہر وہ کہ طلقہ کسی جو شمن میں نہ چھوڑیں پٹے وہ قیامت کے لبوتن میں نہ چھوڑیں

منہ وہ ہے کہ دم سے شیطاںوں پہ تہی ہے جس کے

قبضہ وہ ہے قبضہ میں ظفر رہتی ہے جس کے

جلدی کی طرح شام کی جب فوج گھرائی ۹۰ پھر صبح نے کھل سب اعدا پہ گرائی
دوئی تھا مگر بھول گئے بزرگستانی چلاتے تھے بھاگو کہ دو خونخوار پھر آئی

ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے

یہ مرگ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

شمشیر کے اک جزو سے ہے شیر جو ہم نام ۹۱ رعبا س نے یہ پایا ہے کہ تھرتے ہیں اندام
تھم جاتی ہے جلی گھر اس کو نہیں آرام گیتی کو الٹ دے یہ قیامت ہے وہ محاکم

مزید لرزتا ہے تو جو ہر سے اسی کے

شیروں کو خرمی رہتی ہے تپ دے اسی کے

چاٹائیں یوں کٹتے تھے ایک ایک جواں کے ۹۲ جس طرح کہ ہتھاب میں ٹکڑے ہوں کہاں کے
سبھے تھے کماندوں کے دل خوشے ہاں کے چلہ نہ کھنچا تھا کہ یہ قہمی سہ پہ کہاں کے

چلاتے تھے سب مشل اہل آتی ہے یہ تو

سیٹی سے بھی جلدی کہیں پل جاتی ہے یہ تو

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا ۹۳ یہ شیر بھی شمشیر و دم تول کے آیا
شہباز اہل میدان پر کھول کے آیا آڑتا ہوا سر بیچ میں اس غول کے آیا

حق جس کی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے

سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

ہم شہید تھا ابرو سے سینوں کے غم اس کا ۹۴ اندری چمک برقی بھی بھرتی ہے دم اس کا
ناگن حق اترتا ہی نہ تھا بڑھ کے غم اس کا ہر باتھیں باتھ اس کا تو باز و تسلیم اس کا

جوہر کی چمک دیکھی نہ بیروں کے گلوں میں

یوں دوڑتی تھی تن میں لہو جیسے رگوں میں

اک برقی سی گرتی تھی ہر اک دشمن جاں پر ۹۵ گر سر پہ کبھی ڈھال پہ تھی گاہ سناں پر
ترکش پہ کبھی سن سے کبھی گاہ کہاں پر کس طرح بھلا ذکر برش لاؤں نہاں پر

دل سے کہیں بیٹنے کی ہوس قطع نہ ہو جائے

دم بند ہے دھڑکے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

لوہے سے اسی تیغ کے آئینہ بنے گر ۹۶ عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے سر
پائے نہیں اب تک کسی حریف نے یہ جوہر

قطارِ طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جا
کیسی ہی کڑی راہ ہوا کہ آن میں کٹ جا

مشتوق کو عاشق سے جدا کرتی تھی شمشیر ۹۷ ہر آنِ حق اکبر کا، ادا کرتی تھی شمشیر
جھکتی تھی جدھر حشمتِ پاک کرتی تھی شمشیر جب اٹھتا تھا سرِ جدِ خدا کرتی تھی شمشیر
ترتیب بھی دل باختہ تھا سامنے اس کے

گردوں سپر انداختہ تھا سامنے اس کے

بلبل میں یہ صف کرتی تھی جب منہ پادھر کی ۹۸ نہ ہوش تھا تن کا، نہ خبر تیغ و سپر کی
بھولا ہوا تھا باپ، محبت کو سپر کی بھاگے تو یہ سمجھے کہ ضم پاؤں نے سر کی
مرنے تو بھو تیغ کی گردن پہ نہ ہوتا

کرتے نہ مدد پاؤں تو سرتن پہ نہ ہوتا

سو سو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا ۹۹ یوں غیظ میں شیروں کو بھینٹے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جستا کر کھینٹتے نہیں دیکھا گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اٹھا برہمچویں پھر آتا ہے گھوڑا

پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

آفت میں زماں تھا تلاطم میں خدائی ۱۰۰ چلاتی تھیں پریاں کر سیلاں کی دُہائی
دکھلا گئی تیغ اپنی برش، سر پہ جب آئی ہر صف کو دکھا دیتا ہے ہاتھ اپنی مغلّی
وہ چڑھتا تھا پاؤں سے، جو تن پہ چڑھتا تھا

سوار تو اسوارِ فرس رن پہ چڑھتا تھا

ہر فعل تھا، غیرتِ دو تیغِ صفہائی ۱۰۱ جب ٹاپ پڑی خاک سے پیدا ہوا، پانی
کف منہ سے گزاتا، یہ غضب کی تھی نشانی تیزی یہ ہوا میں تھی، نہ دریا میں، دعائی

ہوں دکھتا تھا آہستہ قدم، دو شبنم صابہ

بُڑے گل تر جاتی ہے جس طرح ہوا پر

سرعت میں تگ و دو میں پھسلادے سے زیادہ ۱۲ باگ اس کی تھی کیا جودل راکب کا ارادہ
دریا پہ سمجھتا تھا ہر اک منہ کو نہادہ تیار کھل، تنگ کمر، سینہ کشادہ

شعلہ ہوا، لپکا جودرا غیظ میں آ کے

بجلی کی رگیں آگ کا دم، پاؤں ہوا کے

جب خاک پہ جنگل میں تدم رکھتا تھا تن کے ۱۳ سراپنا پنک دیتے تھے طاؤس چین کے
رشتک مہ نو گردن پر نور کے منکے مجرم کے آئادہ، قواؤے ہوش ہرن کے

پامال ہوا جاتا تھا دل بک دری کا

گھوڑے کی اچانک، کہ جھکڑا تھا پری کا

گر لاکھ مدد گر دشب ایام کو پہونچے ۱۴ کب سرعت شہید بک کام کو پہونچے
واں پہونچے یہ اور بیج نہ اتمام کو پہونچے جس بن میں نیم سہی شام کو پہونچے

وقف کہیں، یہ اسپ بک پئے نہیں کرتا

خوشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا

گر آگ کہوں آگ یہ سرعت نہیں رکھتی ۱۵ گر کیئے ہوا، وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر برق کہوں برق یہ جدوت نہیں رکھتی گر خور کہوں، خدہ یہ صورت نہیں رکھتی

یاں قدر نہ بجلی کی، نہ کچھ بیک ہوا کی

بس خاتمہ اس پر ہے کہ قدرت ہے غوا کی

پریوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی ۱۶ ان پھرتیوں سے باو بہاری نہیں چلتی
اس زرد سے تلوار دو دھاری نہیں چلتی چلتے ہیں تدم یوں کہ ناری نہیں چلتی

دو گام بھی ساتھ اس کے فرس چل نہیں سکتا

اس طرح یہ چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا

جس وقت دفا کا نہ رہا ایک کو یارا ۱۷ خیمے سے نکل کر پسر سعد پیکارا
دولا کھنے بھی مل کے ناک طفل کو مارا اب چادریں اوڑھو کہ بیٹ نام شہارا

جی بار دیا فوج نے عزت گئی سب کی

بے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی

یہ سنتے ہی غیظ اک یل غدار کو آیا ۱۰۸ میڈاں میں اڑاتا ہوا رہوار کو آیا
کس غیظ سے تو نے ہوئے تلوار کو آیا دل بندید اللہ سے، پیکار کو آیا

کاندھے پہ سپر لب پہ سخن بے ادبی کے
ظالم کو عداوت تھی مگر انے سے نبی کے

رستم کی طرح اپنے تن و توشس پہ غزا ۱۰۹ خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں دُرا
بدکار جہاں حسنِ یاقوت سے مُعرا گردن تھی ازل سے، تہ شمشیر تہرا
پُر ہول ہو رستہ وہ یہ رُوجو گزر جائے
صورت وہ کہ غفریت جسے دیکھ کے درجائے

وہ خود ہمتن سے بھی جس کا نہ اٹھے بار ۱۱۰ چار آئینہ، اک قلعہ فولاد کی دیوار
اژدہ تو خُرد اور مار یہ نیزہ خو خوار دو گرد ز گراں سر جو کرے کوہ کو سمار
خنجر وہ کہ قریخ کا رنگ اڑتا تھا جس سے
دُعاں ایسی کہ تلوار کا منہ مڑتا تھا جس سے

کافر نے جس نہ پڑھ کے تگاؤر کو نکالا ۱۱۱ اکبر بھی بڑے چلنے لگا بھائے پہ بھالا
اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا گردن کو لڑائے ہوئے تھا، کالے سے کالا
پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشت و فانیں
چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

ہر طبق میں یاں مڑ گئے واں اڑ گئے رہوار ۱۱۲ نقطہ یہ سمٹنے میں وہ پھر جانے میں، پرکار
چڑیں جو کئی کھاکے جب کھنے لگا غدار نیزے کو اڑالے گیا نیزے سے یہ جزا
کیا بند بندے تخت دل عقدہ کشا پر
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی ڈانڈ ہوا پر

نعتے میں کہاں لے کے بڑھا سرکش بے پیر ۱۱۳ سر پر تھا، عقاب علی اکبر، صفت تیر
پنہ تھا، کہ سر پنچہ ضرغام عدد گیر غل تھا کہ زبے زور جگر گوشہ شبیر
یا دیکھتی تھی فوج، فرس کی تگ و دو کو
یا پنچہ خورشید میں دیکھا میر نو کو

پھر گرز گراں شیر کو، عذار نے مارا ۱۱۳ اُس ضرب کو زد کر کے بڑھا، شاہ کا پیارا
 چمکا جو تب زریں، ملک الموت بکارا لوقطع ہے اب نخل حیات تم آرا
 شیروں کے جگر کانپ گئے خوف سے میں

دو لکڑے ہوا گرز گراں ایک تیر میں
 خفت ہوئی جھٹکے کئی، ظالم نے جو کھائے ۱۱۵ پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چھائے
 روباہ، نظر شیر پہ، کس طرح سے پائے پھر گرز ہے خاک اڑ کے اگر عرش پہ چھائے
 اس سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
 اسفل کبھی اسفل کے مقابل نہیں ہوتا

اکبر نے کہا: خیر تمہ کا گر ہے، تو دم لے ۱۱۶ بے تیرے بڑھے دار کریں ہم، تو قسم لے
 دم لے کے بس اب بیان سے شیر دو دم لے کیا کرتے ہیں ہم، دیکھ ذرا شیروں کے حملے
 ناخن جو نہ ہو عقب یہ مشکل نہیں کھلتا
 جب تک کہ نہ تلوار کھنچے، دل نہیں کھلتا

مرغوب ہے درہم کی نہ دینار کی، جھنکار ۱۱۷ بھاتی ہے نہ زنجیر کی نہ تار کی جھنکار
 دجسپ نہیں طرف طلا کار کی، جھنکار کانوں کو بھل لگتی ہے، تلوار کی جھنکار
 وارفتہ اسی کی ہے زرہ، ڈھال اسی کی
 کتے ہیں گلے جس سے وہ ہے چال اسی کی

ہے طول آل نسیزہ خطی کا بلانا ۱۱۸ کرتی ہے کہاں، تیر سخاوت کا نشانہ
 ہے گرز، فقط ہار گراں، دوش پہ لانا لہے کو مگر تیغ کے مانے ہے زمانہ
 ایسا کوئی نصف ہے، عرب میں نہ ہم میں
 جب کھنچ گئی تلوار تو ہے فیصلہ دم میں

خوشتر ہے خم اس کا، خم ابروئے منم سے ۱۱۹ بُت اس نے نکالے ہیں اٹا یہ میں حرم سے
 پایا ہے رہ راست کو، تلوار کے خم سے یکے کوئی آتش نفس، تیغ دو دم سے
 دشمن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہے اس کو
 یہی کی دُعا، دردِ زبان رہتی ہے اس کو

تلوار سے کانپا کیے، کف یا عرب ب ۱۲۰ دنیا سے جہنم کو گئے، عنترہ و مر حب
سرتا بقدم عمرو بھی تھا، جہلی مر حب ظلمت نہ رہی کفر کی، وہ قتل ہوا جب

نصرت تھی جدھر تیغ ملی حق کے دل کی
اللہ نے کی آپ ثنا ضرب علی کی

سر سبز کیا گلشن اسلام، اسی نے ۱۲۱ کعبہ سے ہٹا کر دیئے امنام، اسی نے
شاہوں کو دیئے موت کے پیغام، اسی نے قبضہ میں کیا روم سے تا شام، اسی نے

کانپا کیے خاقان جہاں حرب سے اس کی
جاری ہوا، سکے کا چلن ضرب سے اس کی

آفاق میں ہے، دبدبہ شاہی کا اسی سے ۱۲۲ آغاز ہے، ملکوں کی تباهی کا اسی سے
اقبال چمکتا ہے سپاہی کا، اسی سے بیٹھا ہے محل شہر الہی کا اسی سے

یاد اُن کو نہ بھولی، کوئی دم تیغ علی کی
جسریں بھی کھاتے ہیں قسم تیغ علی کی

چار آئینہ مردوں کے لئے، دُفع ضرر ہے ۱۲۳ جو ہر ہیں زندہ، قبضہ شمشیر، سپر ہے
گہ ہاتھ کی زینت ہے، گہے زیب کر ہے رکھ لیجئے پہلو میں تو آرام جگر ہے

خوش قدر ہے خوش ملو بیگ خوش در بخسین ہے
جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہے

جب تیزی شمشیر زیاں اس کو دکھائی ۱۲۴ ٹھنڈا تو ہوا تھا، پہ حرارت بھی کچھ آئی
تلوار علم کر کے جو دُعاں اُس نے اٹھائی معلوم ہوا تیسرہ گشا، کوہ پہ چھائی

خود شہید ہوا زندہ آڑی گرد یہ تن کی
گھوڑے کی نگاہ سے زیریں ہی گئی تلک کی

شہدیز کو، اکبر نے بھی کا دے پہ لگایا ۱۲۵ واں سے بھی تڑپ کر، فرس تیز رنگت آیا
منہ کھولے ہوئے خیر پہ حملے کو لگ گیا پردہ کے الگ زندہ گیا، اور الگ آیا

لائی تھی اہل کینچ کے شمشیر کے منہ پر
آسکتا ہے روباہ کہیں، شہر کے منہ پر

اکبر نے مسدادی کو ٹھہر سامنے آکر ۱۲۶ کیوں منہ کو چھپاتا ہے سپر جہرے پہ لا کر
مردانہ دکھ واز حریفانہ وفا کر کچھ اپنے رسالے کے جوانوں سے جیا کر

ناداں ہے تیز حق و باطل نہیں رکھتا

تواتنے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا

یہ خوف کہیں جان نہ گہرا کے نکل جائے ۱۲۷ بودا ہے جولاڑے کی جگہ پا کے نکل جائے

ایسا نہ ہوتا وار کوئی کھا کے نکل جائے چنچے نہ شیروں کے شکار آ کے نکل جائے

یک جا صفت سایہ آہو نہیں تھمتا

سیاہ ٹھہر جاتا ہے، بر تو نہیں تھمتا

تجھ سا تو جوان لشکر بد خوئیں نہیں ہے ۱۲۸ ہاں زور شجاعت ترے بازوئیں نہیں ہے

گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابوئیں نہیں ہے فوجیں ہیں ادھر زیاں کوئی پہلوئیں نہیں ہے

ہم ایک ہیں جاننا زک فوج سے طے ہیں

کیا تجھ کو کہیں گے جو صفیں ہندے کھڑے ہیں

نیزے کو بلانے میں بھی تو زور کو ہارا ۱۲۹ کیوں میں نے کہاں چھین لی اور تیرہ تھارا

اک ضرب تبر تھی کہ ہوا گرز، دو پارا لڑنے پہ تیرا ہے ترے اور ستم آرا

آئینہ جوانانِ خورش اقبال کے اوپر

چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے منہ پر

یہ سن کے بڑے غیظ و غضب سے وہیل آیا ۱۳۰ اکبر نے کہا آ کر مقام اجل آیا

بارے شجر جرات و ہمت میں پھل آیا بس روک لے پودا کہ فرس منہ کے بل آیا

یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے

گر پڑتا ہے جلدی تری کچھ اہل نہیں ہے

عمارین کنہیں برجیاں حکمیں علم آٹھے ۱۳۱ گھوڑوں کی تنگ دلوں میں برابر قدم آٹھے

نظارے کو، گردن پہ لٹکے سہم آٹھے گر گر کے ادھر خاک پہ شاہِ اُمم آٹھے

اکبر جو مقابل ہوئے اس ضال و ضل سے

خیر تیر سب آگئے میتابی دل سے

چلائے کر اے میرے بہادر ترے قرباں ۳۲ یہ پیاس کئی روز کی یہ دھوپ یہ سیدیاں
کچھ یہ توجہوں سے بھی قوی تر ہے مری ملاں اس دیو پہ اللہ نظر دے تمہیں اس آں

کیا پیاس بہت ہے کہ پیکارا نہیں جد کو

اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو

رونے لگے اکبرؑ یہ سدا شن کے پدر کی ۱۳۳ جوڑے جوئے ہاتھوں کو نہ تھ پہ نظر کی

کی عرض دعا بس ہے سبہ جن و بشکی اس وقت نہیں پیاس تھم آپ کے سر کی

غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہے

اس مثل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہے

تشویش نہ فرمائیے میں نے اے مارا ۱۳۴ آیا ہے تو جاتا ہے کہاں یہ ستم آرا

مرحب کی طرح طول میں کرتا ہوں دوپارا - اشد کی تائید ہے مولا کا سہارا

دل تپ بڑھائیں گئے تو بڑھ بڑھ کے لڑوں گا

اس دیو سے میں سوئے جن پڑھ کے لڑوں گا

بر چند بس اس کا ہے نیا دھرمے بن سے ۱۳۵ پانی بھی لبوں تک نہیں پہونچا کئی عرصے سے

بیزاری ہے جن و ملک دانش کو ان سے ہم وہ ہیں کہ جانبر نہ جوئے دیو بھی جن سے

اُس چاہ کے ارد گرد بھی جڑائے ہیں دم اب تک

مشہور ہے افسانہ سیرالام اب تک

غلام کی لڑائی نہیں کچھ نہ ابی تعریف ۱۳۶ آقا کے کرم سے ہے بہت پیاس میں صغیف

غم یہ ہے کہ موتی کو نہایت ہوئی تکلیف ہے دھوپ کو سیاہی میں لے جائیے تشریف

گھروں سے تہ تیغ اب اس عربہ جو کی

پھینٹیں نہ پڑیں قلعہ عالم پہ لہو کی

حضرت نے کہا خیر خدا حافظ ناصر ۱۳۷ جرأت میں نہ تم کم ہوا نہ میں صبر میں حاضر

یہ یکس دہے پر میں مدد کرنے کو حاضر دُوب جائے گا آؤنی سے بھی آؤنی ہے یہ کافر

تیرور کہیں چھپتے ہیں شجاع اذلی کے

اٹلی سے تم اٹلی ہو کہ پتے ہو علی کے

ہاں زبہنی طرف آنے نہ دیکھو اے زہبار ۱۳۸ گھوڑے کو بڑھائے ہوئے ارد کے ہوئے تلو
منفرد تن و توش پہ اپنے بنے یہ غدار خود منہ کے بھل آئے گا جو خالی گئے دو دار
دشمن جو لڑے جم کے تو پھر نطف سوا ہے
ہاں تمام لو باگ اس کے فرس کی تو مزا ہے

یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر زینہ ۱۳۹ بہو بچا تھا جسے زور علی سینہ بہ سینہ
شوکت وہی سب تھی وہی تلے کا قرینہ شہد زینہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
یوں سینہ کشادہ گئے اس عہد شگن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کہیں شیر برن پر

لڑنا ناوہ ڈھالوں کا وہ تلواروں کی جھنکار ۱۴۰ آفت کی لڑائی تھی قیامت کا براک دار
مرحب تھا ادھر ادھر ادھر حیدر کزار تلوار پہ تلوار تھی دہوار پہ رہوار
بکلی سی فزوں تھی تڑپ آتش نفسوں کی
اسواروں تک آجاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی

مہمیز پہ مہمیز تھی اور کوڑے پہ کوڑا ۱۴۱ ہر مرتبہ منہ ڈالت تھا گھوڑے پہ گھوڑا
کل پھر گئی جس باگ پہ جس نے جسے موڑا زخمی ہوئے پر کھیت کو دونوں نے نہ چھوڑا
اس زور سے تیروں کی بھی سرپاں نہیں ملتیں
یوں جھوم کے چلتے تھے کز پریاں نہیں ملتیں

زن سے جودہ تلوار گئی سن سے یہ آئی ۱۴۲ وہ خود سے ہلتی ہوئی گردن سے یہ آئی
وہ کنچ کے پہرے گئی جوشن سے یہ آئی وہ صدر سے خالی گئی تو سن سے یہ آئی
ہاں بعد علی کم ہوئی جنگ و بدل ایسی
غل تھا کہیں دیکھی نہیں رد و بدل ایسی

غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز ۱۴۳ شہزادے کے گھوڑے کے قریب گیا شہدیز
بس تمام لی اکبر نے خان فرس سب تیز جھپکا تھا وہ گھوڑا کہ ملی تیغ شہدیز
بوشس اڑ گئے اس بانی بید اوسم کے
سرکٹ کے گرا فرق پہ پائیس قدم کے

تازی کی عنقاں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا ۱۳۳ چاروں سم رہوار کئے صاف قضا را
گھوڑا جو گرا، دشتِ ستم ہی گیا سارا بس چور ہوا پس کے وہ کافر ستم آرا
دکھلا دیا صفدر نے جوار شاہِ پدر تھا

نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ سوار کا سر تھا
مصرف تھے لڑنے میں ادھر اکبر دل گیر ۱۳۵ بیتاب تھے تھامے ہوئے دلِ حضرتِ شہید
تقراتے ہاتھ اور زباں پر تھی یہ تقریر یہ سب تری تائید ہے اے مالکِ تقدیر
بیکس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہے
یارب یہ پسرتیسرے فاتح سے ملا ہے

بنفتم سے ہے پانی کا تلاطم مرے گھر میں ۱۳۶ نہ بھر میں پیاسوں کا ٹھکانا ہے نہ بر میں
دے صبر کبے تاب نہ ہوں بھر پیس میں لوٹا ہے مجھے اُمتِ احمد نے، سفر میں
فرزندِ جواں، باپ سے منہ موڑا ہے
چھوٹا جو ہے، گھوڑے میں دم توڑ رہا ہے

طالب نہیں اس کا کہ سلامت یہ پھر آئے ۱۳۷ مجروح تری راہیں ہو، برجیاں کھائے
خادم کے بزرگوں کا جو منصب، وہ پائے جرات جو دکھائی ہے تو غربت بھی دکھائے
دنیا سے پُر اراں سفر کرنے پر رو میں
سب پیر و جواں اس کے جواں گئے پر ندیں

یہ کہہ کے علی اکبر رو کوڑ پٹکا ہے ۱۳۸ احنت مرے شیرِ مرے پیاس کے امے
ٹھہر دکہ پدرِ چرم لے ہاتھوں کو تھکائے خالی ہے علمدار کی جا، اے مرے پیارے
جگر اسی کس بی سے اسی دھبے لڑے تھے
خیبر میں علی، بھی یو نہیں مر جب سے لڑے تھے

بالیدہ ہوا شہ کی صدا سن کے وہ جزار ۱۳۹ مجھ اکیا رہوار سے ٹھک ٹھک کے کئی بار
کی عرضِ شہادت کی دُعا کا ہوں، طلبگار اب پیاس نے مارا، مجھے یاسید ابرار
گری سے غش آتا ہے جھکا جاتا ہے سر ہی
ہتھیار بھی سب گرم ہیں جلتا ہے جگر بھی

قوت کا بٹا زور، گمشاد زورِ جوانی ۱۵۰ اب دیتی ہے پیغامِ اجل تشنہ دہانی
ہے دھوپِ کردی، اے اسد اللہ کے جانی جان آئے، زرہ پر جھجک دے کوئی پانی

سنبھلوں تو بھگا دوں ابھی اس لشکرِ شر کو

ایسی ہو کوئی چسینہ کہ ٹھنڈک ہو جگر کو

حضرت نے کہا، پانی کا ملنا تو ہے دشوار ۱۵۱ اب دور کرو، خود سے کیا تم کو سربکار
ملتی ہے زرہ گز، تو اُتار دو مرے دلدار کافی ہے لڑائی میں، جو انفراد کو تلوار

رہنے دوزخ ہو دھوپ میں آرام، سپرے

جو سینہ سپر ہو اُسے کیا کام سپرے

کہنے کو کہایا، پہ ہوا دل تہ و بالا ۱۵۲ اک سیب تروتازہ گریباں سے نکالا
بولایا اے شوگھ کے وہ گیسوؤں والا فرزند میں جاں آگئی، اے سیدِ والا

اعجازِ امامت، شہِ خوش خُونے دکھایا

پانی کا اثر سیب کی خوشبو نے دکھایا

اس سیب سے بُوکی، شت کا کسے یارا ۱۵۳ دید اس کی ہے پوربخت کے زخموں کا نظار
اُٹھ جائے گراس کی طرف، انگشتِ اشارا اللہ ری لطافت کو، وہ ہو جائے دوپارا

بہتر کوئی سیب اس سے نہیں خلدِ بریں میں

یو آج تک اس کی ہے مزارِ قبرِ دیں میں

تسلیم کی اور اس پُربخت کو اُڑا کر ۱۵۴ پھر ڈوب گیا فوج میں، وہ شبیرِ دلاور
یاں بیٹھ گئے تمام کے دل، بسطِ پیہر داں شام کے بادل میں گہرا، وہ میرِ انور

تیروں کی جو بوجھار ہوئی چھن گیا سینہ

دورن ہوئے اتنے کہ زرہ بن گیا سینہ

مکڑے ہوئے تیغوں سے، پہ بہت کونہ ہار ۱۵۵ مجروح نے اسی نفر اس فوج کے ماسے
مصر میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے پھر دیکھ گئے باپ کو، پھر زن کو سدھائے

دو کے نہ پدرِ قتل ہو تختِ بگڑایا

باپ ایسا ہو صابر، تو جری ہو پسرایا

ڑاتے تھے کہ پیشانی افور پہ لگا تیر ۱۵۶ سب خوں سے بھری اُمید مختار کی تصویر
لکھا ہے کیس میں تھا کوئی ظالم بے پیر برجمی جو گئی سیز میں حالت ہوئی قیصر

اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا

پہل اس نے جو کینچا، تو کلیجہ بھل آیا

نکودے جو بے خوں کے ڈیر دلی میں جگر کے ۱۵۷ غش ہو گئے سر گردن رہوار پہ دھر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں لکڑے ہوئے سر کے

تواریں تھیں یا آپ تھے یا سر پر خدا تھا

جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہونچوں سے جدا تھا

جس وقت برا دینے لگا زخم جگر کا ۱۵۸ سینے میں رکا آکے دم اس رشک قر کا
گرتے ہوئے گھوڑے سے خیال آیا پد رکا چلائے کہ اب کوئی ہے دنیا سے پسر کا

بیکس کی، مسافر کی، مدد کیجئے بابا

اپنے علی اکبر کی خبر لیجئے بابا

بیٹے کی صداؤں کے ہوا صد مدد جاں کاہ ۱۵۹ اک ہوک کھیجے میں اُمی بیٹھ گئے شاہ
معلوم ہوا، جان چسلی آہ کے ہمراہ دل تمام کے ہاتھوں سے کہا یا اسدا اللہ

ماں باپ کے سینے کا مزالے گئے بیٹا

عہدہ جو تمہارا تھا، ہمیں دے گئے بیٹا

چلائے، بتاؤ علی اکبر کہ مر آئیں ۱۶۰ ڈھونڈیں تمہیں اس بحر میں یا سونے برائیں
یتاب ہے دل قلب میں، لشکر کے قتل میں تم آ نہیں سکتے، تو ہمیں لاش پر آئیں

رنگ اڑ گیا تھا، گیسوؤں پر گر رہی تھی

تیورا کے جو بیٹے تو بھارت میں کمی تھی

بیٹا ہیں پھر یا ابستا کہہ کے نکلاؤ ۱۶۱ مظلوم غریب الفربا کہہ کے نکلاؤ
ناشا د گزشتہ بلا کہہ کے نکلاؤ لب تشدد و مجرد جفا کہہ کے نکلاؤ

جو وقت معین ہے وہ ہرگز نہ ملے گا

خنجر مری گردن پہ اسی طرح چلے گا

مردو علی اکبر علی اکبر علی اکبر ۱۶۲ دل جو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
 علی رو علی اکبر علی اکبر علی اکبر خوش خوش علی اکبر علی اکبر علی اکبر
 اس عمر کا پودا کوئی بے برگ نہ ہوئے
 تجھ سا کوئی دنیا میں جواں مرگ نہ ہوئے

انٹار حواں یہ سال، یہ غربت، یہ جوانی ۱۶۳ یہ شان، یہ اقبال، یہ شوکت، یہ جوانی
 دیکھی تھی ناب تک یہ شجاعت، یہ جوانی یوں خاک ہوئی، بائے یہ صدمت، یہ جوانی
 کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربی سے
 گویا کہ حسین آج بچھڑا ہے نبی سے

لے آئی جو میت بلی دل لاشیں پس پر ۱۶۴ جھٹکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
 اک تیر کا قلبِ شہِ حق و بشر پر سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
 اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
 بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

جوڑوں پہ زبانِ رُخ پہ عرقِ خاک پیگس ۱۶۵ پتھرائی ہوئی آنکھ، کٹے تپتوں سے ابرو
 گردن توکے اور ملق پہ اک تیر سے پہلو چہرے پہ لہو، گالوں پہ ڈھلکے ہوئے انسو
 یہ زیرِ لب آواز، کڑا آواز نہیں آئے
 نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر، تم کہ شہِ بحر و بر آئیں ۱۶۶ اے جانِ زکیر، شہِ جن و بشر آئیں
 اے روحِ توقف، شہِ دلا و دھڑ آئیں اے موتِ ٹھہرا، پدر آئیں پدر آئیں
 ارمیوں دل زار، پس ہوش میں نکلے
 حسرت ہے کہ دمِ باپ کی آغوش میں نکلے

چلوئے شہِ دیں علی اکبر پدر آیا ۱۶۷ انھو مے پیائے مے دلبر پدر آیا
 تم ڈھونڈتے تھے اے مہِ انور پدر آیا ناشاد پدر بے کس و بے پر پدر آیا
 کچھ دل کی کہو بات، ذرا ہوش میں آؤ
 مدد تے پدر آؤ، مری آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں ۱۶۸ گرد و زہ ہوا ہاتھوں کو بازو سے سنبھالوں
گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے ٹالوں مرتے اُسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں

بہ بہ کے لبوں میں جگر آتا ہے تمہارا

سینے سے کلیجہ نظر آتا ہے تمہارا

کچھ منہ سے تو بولو علی اکبر علی اکبر ۱۶۹ آنکھوں کو تو کھولو علی اکبر علی اکبر
رخصت بھی تو بولو علی اکبر علی اکبر لو باپ کو رولو علی اکبر علی اکبر

دو لہا بھی اس آرام سے سوتے نہیں بیٹا

ہم روتے ہیں اور تم ہمیں روتے نہیں بیٹا

ہم آئے ہیں لو پاس ہمارا کرو بیٹا ۱۷۰ اک آن کی تکلیف گوارا کرو بیٹا
کچھ کچھ تو مرے درد کا چارا کرو بیٹا بولا نہیں جاتا تو اشارا کرو بیٹا

خوڑیں تمہیں گھیرے ہیں کہ بہانے ہو

ہاتیں ہیں یکس سے کہ ہمیں بھول گئے ہو

غش میں جوشنی باپ کی آواز پیر نے ۱۷۱ بس ہاتھوں کو پھیلا دیا اُس رشک تر نے
پٹا لیا چھاتی سے شہ جن و بشر نے منہ کھول کے دکھلائی زبان تشدد جگرنے

فسر یا کہ قطرہ مرے جانی نہیں رہتا

بجبر ہوں اکبر مجھے پانی نہیں رہتا

کی عرض علی آئے ہیں یا شاہ خوش انجام ۱۷۲ ہاتھوں میں ہیں کوثر کے چھلکتے ہوئے دو جام
اک جام مجھے دے کے بعد شفقت انعام فرماتے ہیں پی لے اے اے اکبر گنگھام

میں کہتا ہوں مجروح ہوں آوارہ وطن ہوں

دو دنوں مجھے دیکھ کر بہت تشدد دہن ہوں

اشک آنکھوں سے پٹکا کے یہ فرماتے ہیں جید ۱۷۳ شبیر بھی پیاسا ہے بہت لے مرے طبر
گبارا کہ نزدیک ہے اب چشمہ کوثر حصہ یہ ترے باپ کا ہے لے علی اکبر

دو دن سے اٹھائے ہیں تسنن تشدد ہی کے

یہ تمیرا فاقہ ہے نواسے پہ نبی کے

یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو ہوئے جاری ۱۷۳ منہ پھیر کے دیکھا سونے سے اکئی باری
کی عرض حضور آتی ہے زہرا کی مولیٰ پھر درد اٹھا سینے میں پھر غش ہوا طاری
کھوئے ہوئے آنکھوں کو سافر ہوئے اکبر

بچکی کا بس آنا تھا اگر آخر ہوئے اکبر
گھما ہے کہ نکلا، علی اکبر کا ادھر دم ۱۷۵ نکلی درخیمہ سے ادھر زینب پر غم
سرنٹے تھیں پیچھے کئی سیدائیاں باہم منہ پٹیتی تھی کوئی، کوئی کرتی تھی ماتم
بٹاتا تھا فلک نالہ و نسا یاد بکا سے
اک حشر تھا ہے ہے علی اکبر کی صدا سے

خورشید چمپا، گرد آؤی، زلزلہ آیا ۱۷۶ اک ابر سیہ دشت پر آشوب میں بجایا
پہیلی تھی جہاں دھوپ، وہاں ہو گیا سایا بجلی کو سیا ہی میں چمکتا ہوا پایا
جو حشر کے آثار ہیں سارے نظر آئے
گرتے ہوئے مقتل میں تارے نظر آئے

محبوب الہی کی فواسی کا تھا یہ حال ۱۷۷ سر پر نہ بردا تھی، نہ قضا بہ تھا، نہ روال
کچھ چہرے پہ کچھ دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال ہر کام تھی بس کی تڑپ زخمیوں کی چال
ٹوٹا تھا مصیبت کا فلک زار و حزیں پر
تھی نصف بردا دوش پہ اور نصف نے میں پر

چلاتی تھی، جنگل کی بجے، راہ بتا دو ۱۷۸ سیدانی ہوں، رستہ مجھے بتا دو
کس ابر میں پنہاں ہے، مرا ماہ بتا دو لاشے پہ کدھر ہیں شہ ذی جاہ بتا دو
آنکھوں میں بصارت بھی نہیں باؤں کدھر کو
میں پہلے پہل ڈھونڈنے نکلی ہوں پسر کو

زینب کی صدا سنتے ہی دوڑے شہر والا ۱۷۹ دامانِ عباس فرق پہ ہم شیر کے ڈالا
فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا اے بنت علی، مر گیا وہ گیسوں والا
ٹکڑے ہے بدن کشتہ شمشیر ہیں اکبر
دیکھو گی کسے خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبر

خاموش ایتس آگے نہیں تاب رزم کی ۱۸۰ شق جوتی ہے جماتی دم تحریر قلم کی
 کیونکر کوئی رو داد لکھے، اپن حسم کی حقا کہ نہایت نہیں ہمشیر کے غم کی
 مصروف ہر اک اشک بہانے میں ہے گا
 ماتم علی اکبر کا زمانے میں رہے گا

مرثیہ (۱۸)

کیا نمازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے ۱ لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
آفت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے فیض اپنا مثلِ ابر کرم غام کر گئے
بٹھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے خدے ہیں

ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو ملتے ہیں

دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد ۲ ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخمیوں کو نعلِ قد پہ وہ سمجھے مہل مراد مردا گئی پیاس میں فاقوں میں یہ جبار

تینوں سے بند کو نساں کا کٹنا نہ تھا

پر معرکے سے پاؤں کسی کا بٹنا نہ تھا

برسوں رہے گا چرخ میں، گر آسمانِ پیر ۳ لیکن نظر آئے گا ان کا کہیں نظیر
گوئے نہ اُن کے پاؤں نہ روئے مہِ منیر خورشید جن کے سامنے اک ذرہ حقیر

پُر خوں قبائیں جسم میں، سینے تنے ہوئے

پہنچے ریاضِ خلد میں دو گھابنے ہوئے

رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے ۴ ٹیڑھوں کے کانپتے تھے جگر ان کے سامنے
پھیل گئی تھی روشنیِ قرآن کے سامنے اُٹھتا تھا رنگِ روئے سحر ان کے سامنے

بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو

ہوتا تھا دن، جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود ۵ دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رُخ سے عیاں جلال و جوا نمدی و نمود شیدائے آل، شریفۃ واجب الوجود

جینے کی شاہ دیں کو دماغ کے مر گئے

ایمان کے آئینہ کو جلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی انھیں صحبتِ امام ۶ تھا نزع میں بھی خشک لبوں پہ خدا کا نام
 لبریز تھے محبتِ حیدر سے دل کے جام ذی قدر، ذی شعور، دلا درخشاں کام
 لشکرِ جوان پہ ٹوٹ پڑے شام و دروم کے
 تلواریں کھائیں جُسم پہ کیا جھوم جھوم کے
 لاکھوں میں انتخابِ ہزاروں میں لا جواب ۷ تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
 وہ نور، وہ جلال، وہ رونق وہ آب و تاب زہر کے گھر کے چاند، زمانے کے آفتاب
 بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
 دن بھی ڈھلاں تھا کہ زوال اُن پہ آگیا
 گل ہو گئے عقیق کی تربت کے جب چراغ ۸ جعفر کے لاڈلوں نے دئے شکر لال کو داغ
 ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراس پامال ہو گیا، حسنِ محبت کا باغ
 لاشے اٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
 جس پر گر گئی یہ کوہِ مصیبت وہ کیا کرے
 صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر ۹ نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
 ماہے گئے جہاد میں جس دم وہ شیرِ زر رخصت ہوئے حسین سے عباس نامِ دل
 دریا بچے لہو کے بڑا کشت و خون ہوا
 ڈھلتی تھی دو پہر کہ ظلم سرنگوں ہوا
 پیری میں تہر ہے، خبر مرگ کو جوان ۱۰ رہتی پہ تھر تھر کے گرے شاہِ انس و جان
 نکلیں سروں کو بیٹی، غیب سے بیبیاں تھا خاندانِ علی میں تلاطم کہ الاماں
 یوں گھراٹ پٹ تھا امامِ حجاز کا
 جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگرِ حجاز کا
 غل تھا کہ خون میں بھر گیا ستائے اہلبیت ۱۱ دنیا سے کوچ کر گیا، ستائے اہلبیت
 ہم لٹ گئے گذر گیا ستائے اہلبیت فریاد ہے کہ مر گیا، ستائے اہلبیت
 ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
 سوکھی زبان، اب کسے بچے دکھائیں گے

بہتا تھا خیرہ روتے تھے یوں البیت شاہ ۱۲ صدے سے حال زور و عباس تھا تباہ
چلائی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ ^(۱۲) لوئی گئی میں دشت پر آفت میں آہ آہ

ختم تھے گرا تھا کوہ مصیبت حسین پر

ما تم تھا بیبیوں میں سکینہ کے بین پر

ما تم ادھر تھا، جشن میں تھے اہل شہر ادھر ۱۲ بجتے تھے شادیاں فح و ظفر ادھر
انعام بانٹا تھا ہر اک کو عمر ادھر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادھر ادھر

غل تھا کہ بس حسین بہت روئے بھائی کو

کوئی جوان ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو دغا کو خود آئیے ۱۴ حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے

زخم سنان و خنجر و شمشیر کھائیے گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہائیے

آمادہ ہم تو دیر سے ہرستیز ہیں

تیغیں بھی ہیں اپنی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

کائے ہیں جس نے بازوئے لخت دل امیر ۱۵ ہے خوب آبدار، وہ شمشیر بے نظیر

چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر ہرگز زہ ہے مگر جس کی ہوئے اخیر

تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر

برجھی 'یہ' ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہ انس و جان ۱۶ اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغان

رونے سے جی اٹھیں گے نہ عباس نو جوان حضرت پکارتے ہیں کسے، بھائی اب کہاں

لہتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گذر گیا

اب فکر اپنی کیجئے وہ شمشیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوج شام ۱۷ کانپے یہ غلط سے کہ اُٹھنے لگی حسام

کی مرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلہ امام سنتے ہیں آپ لشکر اعدا کا یہ کلام

خون تن میں جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے

مولا! بس اب تو حوصلہ صبر تنگ ہے

اُن کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب ۱۸ خادم زبان تیغ سے دے گا انھیں جواب
 کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانہاں نراب نعرہ کروں تو شیر کا زہر و ہوا آب
 آداب شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
 زخم جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں
 ہم کو یہ طعن و طعنہ کی باتیں نہیں پسند ۱۹ کوفے میں بیس گے دم جو اٹھائیں گے پھر مند
 ہونٹوں پر غم سے اب چٹیاں جان دو مند کائیں ترے تیغ سے خنجر سے بند بند
 جنس ہنس کے جسم پر تو تیر کھائیں گے
 تیغ زبان کے زخم اٹھائے نہ بھائیں گے
 گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ ۲۰ فریاد، خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیاد
 کیوں کا پتہ ہو غلط سے، میرے شکاہ لازم ہے صبر و شکر کرا مضی رہے اٹم
 غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
 خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو
 برہم نہ ہو تمہیں سببِ تیر کی قسم ۲۱ اگر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
 دیکھو تمہیں کہہ اتنی کہ بازو برے قسم تلوار دل پہ چل گئی، مارا نہ ہم نے دم
 سب جمل کے خاک ہوں جو ابھی بدعا کروں
 پڑاوت نہیں ہے بجز صبر کیا کروں
 یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکلِ مصطفیٰ ۲۲ رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
 وہ وقت، وہ گھڑی، وہ دکھائے ہمیں خدا باا نہ ہو تو بیٹے کے بیٹے کا کیا مزا
 آمادۂ فنا ہیں، خوشی دل سے فوت ہے
 پھر غم کی حیات لے کر تو موت ہے
 کیا پہلے مر گئے گا یا شہم زماں ۲۳ کس اشتیاق سے شہر ہیں نے کہا کہ ایں
 آگے جو کہو رضائے خدا ہے بدکجاں جیتے ہیں پڑسا نے مرتے ہیں فوتہاں
 دیکھو کہ چھوٹے بھائی کا تم میں دلتی ہے
 پالا تمہیں کو ہم نے وہاں سوئے ہی

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطان محمود ۲۳ پٹکے سے باز نہ گئے، ٹوٹی ہوئی کمر
قدوں پر گر پڑے، علی اکبر چہ چشم تر کی عرضِ جسم کیجیو، مرجائے گا پسر

آگے مرے جو ہوگی شہادتِ امام کی

دنیا میں آبرو نہ رہے گی سلام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کو گئے وہ کام ۲۵ یا شاہد، کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام

موت کے خون کا لیں گے، لعینِ نوح استقام ہم نے بھی تیغِ بازہ می ہے، بچپن سے یا امام

عزت لی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے

بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے آپ کے

انصاف آپ کیجیو یا سرورِ عسرب ۲۶ بیٹا تو کمر میں بیٹھے، لڑے باپ تشناب

مارا گیا نہ آج، تو کل یہ کہیں گے سب کیسا لبو سفید ہے، دنیا کا بے خناب

سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گذر گیا

بیٹا جوان، باپ کے آگے نہ مر گیا

بہرِ رسولی زن کی رضا دیجیے مجھے ۲۷ صدقہ ملی کا، اذن و غنا دیجیے مجھے

مرا ہوں یا امام، جیلا دیجیے مجھے یا پدرِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے

کھولیں کمر، حضور تو دل کو قرار ہو

کہہ دیجیے کہ جا! عملی اکبر شمار ہو

شب نے کہا تمہیں مرے دل کی نہیں خبر ۲۸ پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا بجز

ہے باپ کو حسائے فضیلتی، جواں پسر جب تم نہ ہو گے پاس تو مرجائے گا پند

ایسے ہٹے نہ تھے، کہ ہمیں تم رلاتے ہو

شادی کے دن جوئے تو مرے کو جاتے ہو

راتیں یہ پیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن ۲۹ پوسے جوان نہیں، ابھی کیا ہے تمہارا سن

اکبر تری جوانی پر روئیں گے اس وجہ کیوں کہ قرار آئے گاں کو تمہارے بن

کیسی ہوا پٹی، چسپن روزگار میں

سینہ کا باغ لٹتا ہے فصلِ بہار میں

دیتا اگر تمہیں کوئی فسر زند، ذوالجلال ۳۰ ہوتی پدر کی قدر، سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے، یوں ہی کرتا، وہ جیٹاں تب جانتے کہ دیتے اسے رخصت جلال

کیا جلنے وہ مزاج سے اس کا ملا نہیں

اجساد عار و، تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

تسلیم کر کے بولے، عملی اکبر غفور ۳۱ لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضو
فریاد شہ نے خیر، اجل بھی نہیں ہے دور بر بھی لگا کے دل پہ، خوشامد یہ کیا ضرور

تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے

خیمے میں جا کے ماں کو، رضامند کیجیے

ہیں بتلائے رنج، بھلا کیا ہمارا پیار ۳۲ تم سے جو پسر ہوں، تو اس راہ میں شمار
ہر دم خدا سے، خیر کا ہوں میں امید دار ہاں ماں نہ جلنے دے تو مر کیا ہے اختیار

سینے میں دل بٹے گا بدن سحر خرائے گا

رخصت کا نام سنتے ہی خش اس کو آئے گا

سب جانتے ہیں جو ہے بھوکھی کو تمہاری چاہ ۳۳ معلوم ہوگا، جاؤ گے جب ہوئے خیر گاہ
باہیں گلے میں ڈالے گی، زینب بہ اشک واہ قدموں پہ گر کے، آپ کی ماں، ہوگی سداہ

یہ مرحلہ بھی کم نہیں، زنجیر و طوق سے

دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیام ۳۴ کانپا یہ دل کہ بٹھ گئے خاک پر امام
رؤنا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیک نام دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام

دامن سے آکے بالی سکینہ چٹ گئی

زینب بلائیں لے کے، گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلہزار ۳۵ تم صبح سے گئے تھے اب آئے یہ ماں شمار
در پر ترپ ترپ کے میں جاتی تھی بار بار کھو لو بس اب کمر کہ مراد دل ہے بے قرار

گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا

رُخ تمہا گیا ہے مرے آفتاب کا

ترے قبا پسینے میں، پنکھا کوئی بلاؤ ۲۶ سونلا گئے بودھو پ میں، داری ہوا میں آؤ
جھاڑوں روا سے گرد میں، زلفوں کی ٹیچ جاؤ گھٹ جائے گا ہومرا آنسو نہ تم بہاؤ

صدمہ جو دل پہ ہوا سے کچھ منہ سے کہتے ہیں

کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

سفر کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر ۲۷ جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے، مگر لٹتا ہے کوئی آن میں خیبر النسا کا گھر

ملتی نہیں رضا ہمیں، آنسو بہاتے ہیں

بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

اس وقت کس سے درد دل اپنا کہوں میں آہ ۲۸ حم بھی ہو سدا رہ، بھو بھی بھی ہیں سدا رہ
چھائی ہے واں گٹھا کی طرح شام کی سپاہ اماں مدد کرو کہ، کمر باندھتے ہیں شاہ

اب زندگی ہے تلخ، بہت دق ہیں جان سے

الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

دیتے نہیں رضا جو امام فلک اساس ۲۹ خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور کچھ بھی کا پاس
اب غیر پاس، کوئی نہیں ان کے آس پاس نا طاقتی ہے، ضعف ہے، فاقہ ہے اور پاس

کیوں کر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں

پیری ہے علول ضعیف ہے، اعضا ضعیف ہیں

جتاں سب سے مر گئے، روتے ہیں دم بدم ۳۰ رخ زرد ہے، کہاں کی طرح ہو گئے ہیں غم
چٹوں میں تیر جوڑے ہیں واں باقی ستم قرباں ہوں کس طرح پسرا طمہ پہ ہم

سب روکتے ہیں دن کی طرف جائیں کس طرح

ماں کو، بھو بھی کو، بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ ۳۱ راضی بھو بھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ یا غلط تھیں مسئلے اکبر کے کام آؤ

چلنے لگیں دتیر، شمشیر قسین پر

نرم ہے ظالموں کا تمہارے حسین پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیٹابی پسر ۴۲ وارث کی بے کسی پہ لگا۔ کانپنے جگر
 ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوہر گر دولت پہ غافل کی تصدق، تمام گھر
 پہلے نہ کچھ کہا تھا ناب روکتی ہوں میں
 روتے ہو کس لیے تمہیں کہہ دیتی ہوں میں

زہرا کے لال پر، مرے مادر پدر نثار ۴۳ عابد نثار، اصغر تثنہ جگر نثار
 جانیں ہزار ہوں توفد الاکوہ نثار قربان گھر، کینز تصدق، پسر نثار
 کسرانی کو کہہ ہوں، یہ بہو میں علی کی ہوں
 مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لوٹتی تھی کی ہوں

مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوش خصال ۴۴ رخصت نہ تم کو دوں، یہ بھلا ہے مری مجال
 صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا نو نہال رخصت کا سونے جاؤں بھو بھی سے کرو سوال
 ہم سب کینز ہیں، ہنٹ امیر عرب کی ہیں
 اصغر بویا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمہارے سب ۴۵ لیکن ہے ان کے عشق سے نسبت کسی کو کب
 دن کو انھوں نے دن، کبھی جاؤ شب کو شب بیچے انھیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب
 مجھ سے نہ کچھ، نہ سید عالی سے پوچھیے
 گم ہو چھے تو پالنے والی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبر بھو بھی کے پاس ۴۶ دیکھا کہ عشق پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
 زانو پہ سر لیے ہوئے کبرا ہے بے خواہ اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلام یاس
 اب تاب و طاق جسد و روح دول گئی
 کیوں ماحوہ رضا علی اکبر کو مل گئی

اکبر سے مجھ کو یہ توقع تھی ہے غضب ۴۷ اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بہ لب
 اس گمانے ہائے میری ریا بھلائی سب نام خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
 ہیں مودن کے شوق میں از صفت دیوان ہیں
 کچھ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

یابے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم ۴۸ مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر بیٹیں قدم ہے ہے وہ میرا درد مصیبت وہ رنج و غم
جاگے ہوں میں جو چونکے راتوں کو روتے ہیں

پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں
کنکسی کسی کے ہاتھ کی، بھاتی نہ تھی کبھی ۴۹ بے میرے لیٹے نیندا نہیں آتی نہ تھی کبھی
بے ان کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی روئیں بسرا پہ ان کو کڑا لاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

برہندہ دونوں تھے مرے فرزند، خود سال ۵۰ پر ماں کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب پیٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال میں کہتی تھی، ہٹو علی اکبر ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا، راتوں کو بار بار ۵۱ پر عوں کیا عقیل تھا، بخشے اُسے خدا
دن رات تھی، خوشامد ہم شکل مصطفیٰ سینے پہ جب یہ سوئے تو اُس نے یہی کیا
آقا کے نور میں ہیں، عالی مقام ہیں
آماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے، وہ غیرت قمر ۵۲ الفت میں ان کی مجھ کو بچوان کی نہ تھی خبر
قرآن پڑھنے بیٹھی تھی جب دم سحر صورت پہ تھی انہیں کئی تلاوت میں بھی نظر
فاضلِ زمان کے پیارے میں ایک آن تھی
قرآن تو رحل پر تھا، حائل میں جان تھی

میں نے انہیں پہ مدت کے اپنے دونوں لال ۵۳ تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
لگتے تو آگے مجھ سے بھلا رخصت جدال نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
کیا خوب بیٹھے ہی مرے جائیں گے مرنے کو
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

بچپن میں، تھنا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار ۵۴ اب کیا غرض گزر گئی، وہ فصل وہ بہار
بھگیں مسیں، نمود ہوا سبزہٴ عذار مالک ہیں خود، بھلا مرا اب کیا ہے اختیار

ثابت ہوا اُدھر سے اُدھر مرنے جائیں گے
میں موبھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہائیں گے

باہر سدھائے یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام ۵۵ بھابی نے کیوں لیا تھا، ابھی روکے میرا نام
سیٹے پر منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام آنکھیں تو آپ کو لیے حاضر ہے یہ غلام

خادم جدا نہ تھا شہم گردوں سریر سے
کس مجرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پر یہ غصہ ہے یہ عتاب ۵۶ کرتا ہوا، بات میں کوئی بے مرضی جناب
روتا ہوں اب کہ مہر کی مجھ کو نہیں بے تاب شکوہ یہ خاکسار کا، اسے بنت پو تر اب

ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالہ ہے مجھ کو، مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی ۵۷ کرتی ہے روت شکر، وہ راحت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی رکھا عزیز آپ نے، عزت مجھے ملی

صدقہ ہے اس قدم کا جو سرتا فلک گیا
کی مہر آفتاب نے ذذہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام ۵۸ بندے ہیں ہم، اطاعتِ مالک ہم کو کام
شکرار کی مجال، نہ اصرار کا مقام مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام

روٹی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے منہ کسی کو دکھائیں گے

یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذمی وقار ۵۹ بس ہو گئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اٹھیں بحال نذر شکوے کے بے امن سے یہ نکلا کہ میں شمار

اٹا یہ دل کہ چشم کے ساغر چمک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

لے کر ملائیں بولیں کہ داری، خفا نہ ہو ۶۰ صدف ہے تم پہ جان ہماری، خفا نہ ہو
 باتیں تمہیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو

آئے بلا صیغہ پہ جو اس کو رد کرو

اچھا سدا رو، دکھ میں پدر کی مدد کرو

الفت کی جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر ۶۱ اٹھایہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
 کبرا کو روتے دیکھ کر بولی، وہ نوحہ گر کیا ماجرا ہوا، مجھے مطلق نہیں خبر

میں روکنے نہ پائی کہ وار اُن کا چل گیا

کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا

کیا جا کے اب نہ آئے مگر میں یہ نونہال ۶۲ ہے ہے مری کمائی پہ آجائے گا زوال
 جس وقت سے شہید ہوئے دن میں دونوں آل بیہوش ہوں، حواس میں ہے میرے اختلال

ایسا ہے اضطراب کہ کچھ بس کی حد نہیں

جو آپ میں نہ ہو، سخن اس کا سند نہیں

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گئے تھے جب ۶۳ میں بھی کہوں، یہ پاؤں پر گرنے کا کیا سبب
 لوجہ پاب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب

اصلاً خبر نہیں، مرے دلبر نے کیا کہا

میں نے جواب کیا دیا، اکبر نے کیا کہا

کیا کہہ دیا تھا، مرنے کو جائے یہ گل بدن ۶۴ راضی ہوئی تھی میں کہ خسراں ہو مرا چمن
 بخود ہوں، جبکہ دن میں سدا کے چشم زمن کہتی ہوں کچھ زبان سے نکلتا ہے کچھ سخن

اتنی خبر نہیں مصلی اکبر کے پیار میں

قابو میں ہے نہ دل نہ زبان اختیار میں

زندوں میں ہونی لگتی کہتی کہ مرنے جائیں ۶۵ اس پیاس میں شہید ہوں، قانون میں تم کمائیں
 اٹھاؤ اس سچا دلمی تو مجھے دکھائیں بالابے منتوں سے مرادیں مری برائیں

مرتی ہوں اشتیاق میں، سہرا تو دیکھ لوں

سہرے کے نیچے، چاند سا چہرہ تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مرا پختا ہے اب بھر ۶۶ ایسا نہ ہو کہ بانوئے بے کس کو بوخبر
 حشرن لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر پیارا ہوا نہ بنت علیؑ کو مرا پس
 سمجھیں تمہیں کیا جو دی اسے رخصت جہاں کی
 زینبؓ نے ہائے قدر کی میرے لال کی

پہ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں ۶۷ ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
 آنکھوں کا نور قلب کی طاقت، بدن کی جاں آج آتما کی ہے، وہ قیامت کے الاماں
 کیا سوچتے ہو صاحبو، کچھ تم کو خیر ہے
 ماں ہے تو ماں ہے غلطی میں پھر غیر غیر ہے

ماں کی زخم تو بھی اور نہ کسی کا پیار ۶۸ غنیمتیں یا کہ سخت کہے دل میں ہے شمار
 بے لیل فدا ہے محل پر شکایت کرے ہزار دنیا میں ماشتوں کے دلوں کو کہاں قرار
 دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں
 میرا ہے جب یہ حال پھر اس کی تو جان ہیں

جس دم مٹنے یہ دور سے بانو نے سب کلام ۶۹ آئی قریب حضرت زینبؓ وہ نیک نام
 کی عرض ہاتھ جوڑ کے، اسے خواہرام میں ہوں کہنے آپ کی اور یہ پسر غلام
 کس کی مجال ہے، جو کہے گا یہ کیا کیا
 بی بی نے دی غلام کو رخصت، بجا کیا

لوٹدی ہے، فاطمہ کی کینزوں میں با وفا ۷۰ ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گلا
 حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا مالک ہیں آپ، اس میں کسی کو ہے دخل کیا
 کچھ جائے گفتگو ہے: ماں کو، نہ باپ کو
 ہے دخل اذن دینے نہ دیے کا آپ کو

غم کھائیے نہ خون جگر آپ پیجئے ۷۱ نابذ کو بھیج دیجئے، امغر کو نیجئے
 ہے اختیار دیجئے رخصت نہ دیجئے قرآن جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجئے
 شادی ہو یا کہ غم ہو شریک ثواب ہوں
 ہر طرح سے میں تابع حکم جناب ہوں

گھر میں اجبے لٹ گیا، اس گھر میں آئی ہوں ۷۲ شکریے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لانی ہوں
کمرے کی کوکر پوتی ہوں، سلطان کی جانی ہوں لونڈی ہوں آپ کی، غلی اکبر کی دانی ہوں

صدقہ یہ آپ کا ہے جوش کو عزیز ہوں

بھاوج نہ جلیے مجھے، ادنیٰ کینز ہوں

آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال ۷۳ دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
یہ غلام جدال ہے اور آپ کا یہ حال قدموں کو چھوڑنا نہ کبھی یہ نکو خصال

آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر

پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

قیمت بری ہے اس میں کسی کا قصور کیا ۷۴ اچھا بریں کہ جائیں، ہمارا بھی ہے خدا
پر دوا ہماری ہے، نہ خیال ان کو آپ کا تابع ہم آپ کے بھی ہیں، ان پر بھی ہیں فدا

عابد ہوں یا کہ یہ سبھی آنکھوں کے تارے ہیں

پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں، نہ ہمارے ہیں

یہ سن کے کانپنے لگی، زینب جگر نگار ۷۵ آئی صدائے فاطمہ بیٹی یہ ماں نثار
اللہ یہ محبت فرزند اور یہ پیار تنہا تم کی فوج میں ہے میرا گل عذار

رفعت نہ دے گی تو اگر اس نور عین کو

کون اب بچائے گا مرے یکس حسین کو

آواز سن کے کانپ گئی، بنت مرثضاً ۷۶ بانو کے منہ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا
واری سدا دوا، خیر جو کچھ مرضی خدا ترک ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا

یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں

بنت نبی تمہاری سفارش کو آئی ہیں

تسلیم کیے غم سے وہ سیم برچلا ۷۷ پیچھے حرم کا قافلہ سب نئے سرچلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا چلائی تھی پھونکی، مرا نعت جگر چلا

لٹے ہیں اہل بیت، دہائی امام کی

قصود گھر سے جاتی ہے خیر الام کی

بجائی کے غم سے مایہ یکس تھے بے قرار ۷۱ اٹھتے تھے اور زمین پر گرتے تھے بار بار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیتا ترے نشان سینوں کو پہنتی تھیں خواہیں بہ حال زار

اک شہر تھا۔ جُد اعلیٰ اکبر جو ہوتے تھے

جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اسفر بھی لٹتے تھے

ہلتا تھا خیر رائٹوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی ۷۲ آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
کوئی ادھر کو غش تھی کوئی تھی ادھر بڑی آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی جھڑی

ما تم تھا یہ حسین کے تازہ جوان کا

جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور ۸۰ خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضر کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور

خصت مول اب، جو حکم شہ نامدار ہو

رو کر کہا حسین نے اچھا سوار ہو

گھوڑے پہ شاہزادہ عالم ہوا سوار ۸۱ گویا پلے جہاد کو محبوب کردگار
تھا ثانی براق، فلک سیرا ہوار سر مرے تند و تیز، تو بجلی سے بے قرار

یوں سامنے سے وہ دم جولاں نکل گیا

گویا ہوا پہ تخت سلیمان نکل گیا

حضرت تو یاں زمین پر گرے تمام کر جگر ۸۲ جاسوس نے یلشکر امدا کو دی خبر
آتا ہے اک جوان حسین غیرت قمر چہرہ پہ جس کے نور محمد ہے جلوہ گر

شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے

کہتے ہیں سب بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

بے دھوم دڑے دڑے میں اس آفتاب کی ۸۳ خوشبو ہے زلف و جسم میں مشکِ گلاب کی
سرتا قدم ہے شان رسالتِ مآب کی تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی

گھوڑے کے گرد، جن و ملک کا جھوم ہے

صلوات علیٰ النبی کی، یہاں میں دھوم سے

روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو ۸۴ رُخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا، نگاہ کو
حیراں بے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو آغوش میں لیے ہے شبِ قدر راہ کو

چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے

خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا ۸۵ گویا رسولِ پاک کارن میں گذر ہوا
چلائے اہل شام کہ طالعِ قدر ہوا ہنگامِ ظہر تھا پہ گمانِ سحر ہوا

جلوہ دکھایا برقِ تجلی طور نے

خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

غشِ بیا کوئی، کوئی گر کر سب غسل گیا ۸۶ صلی علی کسی کی زبان سے نکل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا چمکا جو نورِ دھوپ کا جو بن بھی ڈھل گیا

دریائے نور حق کا فقط اوج موج تھا

سب پست تھے زمیں کے تار کا اوج تھا

صحر کو شمعِ حسن نے تابندہ کر دیا ۸۷ جو مُردہ دل تھے، دم میں انھیں زندہ کر دیا
دزدوں کو آفتاب درخشندہ کر دیا گردوں کو اس زمین نے شر مندہ کر دیا

پایہ زمیں کا عرش کے ہم دست ہو گیا

جاؤے سے اوج کا کیشاں پست ہو گیا

اللہ رے نیرۂ مشکل کشا کی شان ۸۸ تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مد لقا کی شان حمزہ کا رعب، زورِ علی، مصطفیٰ کی شان

پاکیزگی نسب میں، بزرگی صفات میں

شیرینیِ کلامِ حسن بات بات میں

کچھ حسن پہننے کا تو کچھ آمدِ شباب ۸۹ وہ محلِ سا جسم اور وہ چہرے کی آبِ تاب
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب پتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب

گردن کی منو میں طور، تجلی طور کے

سب عضو تن ڈھلے ہوئے سا پنچے میں نور کے

دل پاک، روح پاک، نظر پاک، جسم پاک ۹۰ طینت میں آب خلد تھا، اور کرہا کی خاک
غرفوں سے جس کے کفن کی توروں کو جھانک تاک یوسف جو دیکھ لیں تو کہیں روحنا فلک

امام اس کا لوح پر، جو قلم نے رقم کیا

سو بار پڑھ کے سورۃ نور اس پر دم کیا

کیا دخل چار ہو، جو کسی بے ادب کی آنکھ ۹۱ رکعت تھی رعب یہ، نہ جم نہ عرب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف پچھکتی تھی سب کی آنکھ غصہ سم کا، قبر کی چتون غضب کی آنکھ

پانی تھا، خوف جاں سے جگر، ہر دلیر کا

آہو شکار کرتے تھے میدان میں شیر کا

غل تھا رسول پاک کے ثانی کو دیکھنا ۹۲ حسن بہار، باغ جوانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں گل، شگفتہ بیانی کو دیکھنا یہ سب تو ہے پر غمزدہانی کو دیکھنا

نازک لب اس صفت کے، دہن اس طریق کا

خاتم پر جزو ہے عینہ عقیق کا

کچھ عمر بھی نہیں، ابھی اٹھارواں ہے سال ۹۳ یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پانچ سال
قامت یہ ہے کہ سرورِ گلستانِ اعتدال ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیوں کھڑے ہوں نہال

آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہوے گی

بتلاؤ ماں کو دل پہ قیامت نہوے گی

زخمی جو ہوگی تیرے یہ چہانہ سی جہیں ۹۴ پٹکی کی سر کو، خاک پہ افوٹے دل حزین
تینوں سے جب کٹیں گے یہ زسارِ نازنیش بیٹھیں گے دونوں استوں گنڈا پناشہ وین

سینہ چھسے پسر کا تو کیا دل کو گل پڑے

ایوب بھی جو ہوں تو کلیجہ نکل پڑے

نمازِ فوج کیں سے عمر نے کیا کام ۹۵ یہ وقت کا دُزار ہے سائے ساکنانِ شام
بس بے پی بساوا شہنشاہِ خام مارا گیا یہ طعیر تو مر جائیں گے امام

لو تو جناب قاطع زہر اکھاغ کو

ٹھنڈا کر دھیں گے گھر کے چسراغ کو

تصویر مصطفیٰ کی مثالے گا آج جو ۹۶ کہتا ہوں میں کہ صاحب جاگیر ہوگا
محبوب کبریا کے مشابہ ہے گزرتو ہو اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اسے دو

ہے اس سے کیا مراد حسین ہے کہ نیک ہے

دو لاکھ اس طرف ہیں اولاد وہ ایک ہے

دنیا نہ جائے، دین کا گریہ ہو تو ہو ضرر ۹۷ ٹھکڑے کر دے کہ یہ دشمن کا ہے ہر
تم آب دیدہ ہو، لب خشک اس کے دیکھ کر قطرہ دوں میں گھٹنیوں اصغر بھی آئے گر

غیر از یزید، اور کوئی حکمراں نہ ہو

اولاد مرتضیٰ میں کسی کا نشان نہ ہو

ہاں قازق، اس کی جوانی کا قسم کرو ۹۸ نیزے پر نیزے مارو قسم پر قسم کرو
برجی اٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو غلج مراد سبب نبی کو قلم کرو

بیانہ جب رہا تو کہ مر جائیں گے حسینؑ

گھونٹے سے گیسے کا تو مر جائیں گے حسینؑ

پہلے جانے گستاخ سے جو اس شیر کا جگر ۹۹ تڑپیں گے کیا زہیں پشہنشاہ بگرد
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی، ہنہ ہنہ ہنہ ہنہ نکلی گی خیر گاہ سے از سبب برہنہ سر

حضرت کو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے

ہم کوٹنے کو خیر اٹھ س میں جائیں گے

یہ گل خلد، دختر میسہ کی جان ہے ۱۰۰ بہنوں کی نذنگی ہے برادر کی جان ہے
بالک دوج ہے تن ماند کی جان ہے بے جاں مردے کے یہ سب گل کی جان ہے

جوشن بھی ہے بازوئے برتاو ہیر کا

بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

یہ سحر کے فوج کہیں ہوئی آملہ نبرد ۱۰۱ درد دل حسینؑ کا تھا، ایک کو نہ درد
فل سحر کے ہو گیا شہر والا کلا گند کاسے جو پاؤں بیٹھے گئے بھر کے آہ سرد

ہاں گزشتہ دن ہے، پھر بھی لبہ کوئی

بلکہ تم کی دہلی، وصل کبیر و ہامنی

قرنا چکی سپاہ میں طبل و غا بجا ۱۰۲ باندے پرے سواروں نے بڑو بڑو کے با بجا
بیدل پہلے نبرد کو باجے بجا بجا چلائے اہل بیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا

حضرت پکارے لال پہ انداکے ریلے ہیں

راٹو دونا کرو، علی اکبر اکیلے ہیں

لڑنے کو اُس طرف سے عدو سب کے سب ٹھے ۱۰۳ تنہا ادھر سے اکبر عالی نسب بڑے

چوے قدم ہیٹھ نے جھک کر یہ جب ٹھے گویا اپنے جہاد، امیر عرب بڑے

دہشت سے فوج شام کی بدلی سمٹ گئی

قدرت خدا کی دن جو بڑھارت گھٹ گئی

دُعا لوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود ۱۰۴ گو تجھے کئی ہزار پہ کیا ان کی ہست و بود

تھرا گیا تمام، جنودِ سقر و درود نور خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود

عبرت سپاہ شام پہ دہ چند ہو گئی

باجوں کی فوج کیس کے، صدا بند ہو گئی

جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ ۱۰۵ صفر نے پڑھ کے فاتح، لی تیغ شعلہ رنگ

چمکا اک آئینہ کہ، ہوئی فوج شام دنگ دکھلائے تیغ تیز نے بھلی کے رنگ دھنگ

تھی کس کو تاب، صاعقہ شعلہ بار کی

یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

تعم تعم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر ۱۰۶ جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ میسے شیر

غازی جو بھوک پیاس میں تھانڈنگی سے سیر کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں سرن کے ڈھیر

اک سیل زور شور سے آئی گذر گئی

ثابت نہ یہ ہوا صفِ اول کدھر گئی

جب یہ بڑے، لہو تن اعدا کا گھٹ گیا ۱۰۷ باقی تاجو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا

لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا پس دفعتہ سپاہ کا، دفتر الٹ گیا

سرداخل خزانہ سرکار ہو گئے

پہلا ہی جائزہ سخت کہ بیکار ہو گئے

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی ۱۰۸ جو صف بھری ہوئی تھی، وہ خالی نظر پڑی
سر پر بسوں کے تیغ ہالی نظر پڑی سوئے جنوب، فوج شمالی نظر پڑی

غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہے
کیوں کر قدم تمہیں کہ زمیں سر کی جاتی ہے

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اُدھر اُدھر ۱۰۹ چھتے تھے ڈر کے برہمیوں والے اُدھر اُدھر
پیش نظر تھے خون کے تھالے اُدھر اُدھر اترتے دشت کیوں میں، رسالے اُدھر اُدھر

ماتا تھا فصل کا، نہ ٹھکانا نہ باب کا

شیرازہ کھل گیا تھا، ستم کی کتاب کا

بڑھ کر کسی نے وار جو رو کا سپر کٹی ۱۱۰ چار آئینہ کتا، زرد و خیرہ سر کٹی
نیک زکی ہر گرہ، صفت نیشکر کٹی سینہ کتا، حیرت ہوا زخمی، کسر کٹی

رہوار بھی دو نیم، میانِ مصاف تھا

ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

دہ گھاٹ، باڑھ اور اس کی چمک دمک ۱۱۱ کانپی کہی زیں، کہی تھرا گئے فلک
شعلے میں یہ چمک تھی، نہ بجلی میں یہ لپک ہر ضرب میں ساسے تلاطم تھا تا سمسک

کونین میں حواس بجاتے نہ ایک کے

گاؤ زمین سمنی تھی ٹھٹھوں کو ٹیک کے

سیدی ہلی وہ جب صدف دشمن، الٹ گئی ۱۱۲ باقی تھی جتنی عمر تیر تیغ کٹ گئی
اگر زیں پہ جب سوئے گردن پلٹ گئی بجلی سے رعد، رعد سے بجلی پلٹ گئی

گرتے تھے جن زمین پہنڈ ڈھانپ ڈھانپ کے

بٹنتے تھے جبریل امیں کانپ کانپ کے

ماتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشان کہیں ۱۱۳ چلے کہیں تھے مثلت کہیں اور کہاں کہیں
نیزے کہیں تھے، ڈانڈ کہیں اور ناں کہیں جمدھر کہیں، کنت کہیں، برجیاں کہیں

اک اک یاہ رو کا جگر داغ داغ تھا

جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں کا باغ تھا

ہلکی گری، اٹھی، ادھر آئی، ادھر گئی ۱۱۳ خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
 کانٹے کبھی قدم، کبھی بالائے سر گئی ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی

اک شہر تھا، یہ کیا ہے جو قبر صمد نہیں

ایسا تو روڈ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سرخود سروں کے چنبر گردن سے اڑ گئے ۱۱۵ ہاتھ آستیں سے اڑ گئے، سرتن سے اڑ گئے
 ڈرڈر کے سب پرند، نشیمن سے اڑ گئے پائی جورا، طائر جاں سن سے اڑ گئے

تھے قتل عام پر علی اکبر تلے ہوئے

رستے تھے ہند زخموں کے کوہِ پے کھلے ہوئے

اللہ سے دوڑ بانی تیغ دودم کا کاٹ ۱۱۶ آفت تھی جس کی باڑھ، قیامت تھا جس کا گھاٹ
 مقتل سے تاب نہ رہا دریاے خوں کا پاٹ ہر دم تھی اس کو تازہ ہوا، چاٹنے کی چاٹ

سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ

ہر استخوان کو منفرد قلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی ۱۱۷ تن سے اڑا دیا وہی بس گرجس کو پا گئی
 ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی فولاد کی زرہ کو، اشارے میں کھا گئی

چار آئینہ کا کاٹ (کبھی اس پر حوالہ تھا

ذکر اس کا کیا ہے خود تو منہ کا نوالہ تھا

یارا قرار کا تھا، نہ صورت فسار کی ۱۱۸ پیدل کی موت تھی تو غرابی سوار کی
 روئیں تنوں کو، تاب نہ تھی ایک دار کی جھپٹے تھے دو کے ہاتھ یہ گھائی تھی چار کی

آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو کا

بھلی کی تھی کڑک کہ ملنا پختہ تھا دلو کا

اتری زمین پہ وہ سرد دشمن پہ جب چڑھی ۱۱۹ دم بھر میں آبِ تیغ کی، ندی غضب چڑھی
 اک شہر تھا صفوں میں کب اتری یک چڑھی سب کو بھاڑ تیغ سے، لڑنے کی تپ چڑھی

مقتل سے بھل گئے پٹنگ ظرف ٹٹ گئے

کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی ۱۲۰ پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم، چھوڑتی نہ تھی
 بے دم کیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
 خود وہ دبے توڑتے تھے گھوڑوں کو دا کے
 بیڑی قدم میں بن گئے، حلقے رکاب کے

قعر پر قدمیں کشتہ ضرب نمخت تھے ۱۲۱ لے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں جُست تھے
 قبضہ میں تھام زور، نہ بازو درست تھے کینچیں کسے کمانوں کے بازو بھی سُست تھے
 ہر کج نہاد تیرا جمل کا نشانہ تھا
 شانے بھی تھے قلم، یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے ۱۲۲ مغفروں سے، مثل سبو پھینکنے لگے
 حلقے کہاں کے سب لب جو پھینکنے لگے ۱۰۰ تینکا سمجھ کے تیر عردو پھینکنے لگے
 ترکش بھی اہل ظلم کے آفت رسیدہ تھے
 چلے بھی کش کش میں کہاں سے کشیدہ تھے

کرتے تھے فتح جنگ کو، جو ایک آن میں ۱۲۳ عرش تھا ان کے ہاتھ میں، لکنت زبان میں
 الجھاتے تھے کند، کینے کمان میں ترکش مرنے والے رکھتے تھے تیروں کو میان میں
 تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
 آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

بڑھتے تھے جو ہرے سے بڑے بول بول کے ۱۲۴ پہلے انھیں کو مار لیا، رول رول کے
 حملہ کیا جو تیغ دو دم، تول تول کے ہتھیار سب نے پھینک دیئے کھول کھول کے
 اس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
 دودن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

دہشت سے کٹھے ڈوب کے، دیا میں مر گئے ۱۲۵ اس گھاٹ پر جو آئے، سران کے اتر گئے
 رستہ تھا ایک ادمر وہ گئے یا اُدھر گئے (۱) ہر پھر کے ہر طرف سے میان سقر گئے
 نارائن کے اشتیاق میں ماب ان کی لاگ میں
 پھینکا ہونے آب میں پانی نے آگ میں

وہ حرب وہ مشکوہ وہ شان بیکبری ۱۲۶ نعرے وہ زور و شور کے وہ ضرب چڑی
وہ تیغ خوں چکان وہ جلالِ غضب فری راکب جو رنگ حور تو رہوار بھی پری

چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے

اڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پر نہ تھے

باریک بلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون ۱۲۷ کندھے کو دیکھ کر مہ نو ہو دے سرنگوں
رفساریں وہ سحر کر، پریوں کو ہوجنوں غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوئی کو کیا کردوں

قرآن ہزار جان، فرس بے نظیر پر

پیکان دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

کوٹاہ و گرد و صاف کنوئی کسر کفل ۱۲۸ کیا خوشنما کٹا دگی سینہ و بخل
سیلاب کی طرح نہیں آرام ایک پل پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے گل

راکب نے سانس لی کہ وہ کو سولہ واں تھا

تا رفس بھی اس کے لیے تازیانہ تھا

وہ جست خیز سرخست چالاک سمند ۱۲۹ ساغے میں تھے ڈھلے ہوئے سبب اس کے تیز بند
مہم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند نازک مزاج و شوخ وسیعہ جنم سر بلند

گرمی گئی ہوا سے ذرا باگ اڑ گیا

پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال ۱۳۰ کبک درمی غفل، پر طافس پائمال
سبزہ بک روی میں قدم کے تلے نہال اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال

جو آگیا قدم کے تلے گرد بڑھتا تھا

چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاد ابھی گرد تھا

بھلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا ۱۳۱ آیا عرق تو ابر گہر بار بن گیا
گہ قطب نگاہ گنبد دوار بن گیا نقط کبھی بنا کبھی پر کار بن گیا

تیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس جھوم کے

تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

جب اس جبری نے قتل کیے پانچسو جواں ۱۳۷ ہر صف سے ہر پے سے اٹھا شور الاماں
چلایا ابن سعد سیمہ قلب و سخت جاں نکلیں وہ دس ہزار کساندار میں کہاں

بے جمی کا اب بے کام نہ تلواریا چاہیے

اس لوجواں پہ تیروں کی بوچھاڑ چاہیے

یہ سن کر تشنہ لب پہ چلے چار سوزے تیر ۱۳۸ پتھر عقب پڑنے لگے رُو برو سے تیر
اُتے تھے فوج فوج سپاہِ مدد سے تیر سب سرخ تھے شبیبِ نبیؐ کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا جہوم تھا اس نورِ حسین پر

پر روانے کر رہے تھے چراغِ حسینؑ

سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راجوار ۱۳۹ بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
سرخاک پر گر گئے لگی، تیغِ آبدار تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ، رُخ ان کے تو پھر گئے

پر یہ پلٹ کے بر جمیوں والوں میں گھر گئے

یوں آگیا سانوں میں، وہ آسمانِ جناب ۱۴۰ ہوجس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیر آب طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے کی جواب

آمد ہوئی جو غش کی سرپاک جھک گیا

وا حسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

اس حال میں بھی تیغ سے کیں، بر جمیاں قلم ۱۴۱ لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزہ ستم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بہ دم نکلے ہوئے رکابوں سے تھرتاتے تھے قدم

کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ نکال کے ساتھ

دو پارہ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار ۱۴۲ قربانِ جراتِ پسرِ شاہِ نامدار
زخمِ سناں تھا سینہ انور کے وار پار ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغِ آبدار

بہو پنوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے

لیکن فرس سے آپ بھی غم ہو کے گر پڑے

گرناتھا جس کہ سر پہ لگا کر زہے ستم ۱۳۸ یوں جسکے گئے کہہ جوتے ہیں سہرے میں جیسے غم
رکھدی گئے پر شیت نے، شمشیر تیز دم تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم

غل تھا کرو نہ رحم تن پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبر مہر کی لاش پر

حضرت کھڑے تھے خیمے کی چڑے ہوئے طناب ۱۳۹ سن کر یہ غل رہی نہ دل ناتواں کو تاب
اگاہ رن سے آئی صدا اے فلک جناب بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آئے شتاب

لاشے پر ظلم و جور بدافعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہل کین، ہمیں پامال کرتے ہیں

شب کر یہ استغاثہ نرسر زند خوش خصال ۱۴۰ سید نے آہ کی کہ بلا، عسرش ذوالجلال
کھولے جناب فاطمہ کی بیٹیوں نے بال بانو پکاری، خیر تو ہے اے علی کے لال

ہے بے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بناؤ کیا مری بستی اجڑ گئی

نیز سے کس کے لال کا، زخمی ہوا جگر ۱۴۱ کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہل شر
کبتا ہے کون رن میں تڑپ کر پد پد اب گھر سے میں نکلتی ہوں، ہے بے میرا پسر

پردہ نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ اسی کی ہے بچا پنتی ہوں میں

بانو کو تیس دے کے چلے، شاہ نامدار ۱۴۲ وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطراب
دل محالٹ ہلٹ، تو کلیجہ محتالے قرار اٹھتے تھے اور زبیں پہ گرتے تھے، بار بار

چلاتے تھے شبیبہ جیسے ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے ۱۴۳ اے نور عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانو کہ محبت میں فرق ہے زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے

دارغ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

اؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو ۱۴۲ چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر، جواب دو
اکبر برائے خالق اکبر جواب دو بیٹا جواب دو، مرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو

بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو
کچھ سوچتا نہیں کہ کدھر جاؤں کیا کروں ۱۴۵ اے نور چشم مجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤں کیا کروں کیوں کر پسر کو ڈھونڈنے کے میں لاؤں کیا کروں
پایا تھامتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لال ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

بس اب خبر حسین کی لے جلد اے اہل ۱۴۶ اے جسم زار، زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں، تن مجروح سے نکل ہاں اے نفس چمڑی کی طرح سے گلے پہ چل
جھوٹے نہ اس کا ہاتھ جو پیری کی آس ہو
لاش بھی لاشہ علی اکبر کے پاس ہو

جنگل سے بے حواس پھرے، نہر پر گئے ۱۴۷ واں بھی جو وہ گھبر نہ ملا سگئے بر گئے
دوڑے کسی طرف، تو کسی جا ٹھہر گئے تھالے لے لہو کے، برابر جسد مر گئے
ٹپکا ہوا زین جسگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسر ماہ رو ملا

جا کر صفوں کے پاس پکارے باشک آہ ۱۴۸ ہے کس طرف مرے علی اکبر کی قتل گاہ
اے ظالمو، یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جان بے کہ نہیں جسم زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

لاش پسر کو ڈھونڈتے تھے شاہ بحر و بر ۱۴۹ سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شہر
کہتا تھا شمر، اے پسر سید البشر کس کو حضور ڈھونڈتے ہیں مر گیا پسر
خود ڈھونڈ لے مجھے، جسد پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم، علی اکبر کی لاش کو

یہ سن کے کھنچ لی شہ والا نے ذوالفقار ۱۵۰ چمکی جو برقی تیغ تو بجائے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا، علی اکبر کا رابوار چلائے اے عقاب کہ مر رہے ترا سوار

دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نورین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسین کی

لئے دے ان رکابوں کے، حلقوں سے چشم نم ۱۵۱ ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لوں، میں اسیرِ غم اکبر کے ہاتھ میں تھی یہی باگ، ہے ستم
ہے وہ ہاتھ پاؤں مرے آفتاب کے

قرباں تری لگام کے، صدقہ نکاب کے

گھوڑے نے ہنہنلے، سوئے دشت کی نظر ۱۵۲ یعنی کہ لاش آپ کے پیاسے کی ہے اُدھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی، بہ چشم تر گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطانِ بکردر

جنگل میں لاشہ پسرِ نوجوان ملا

وہ مر لقا تو، مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فسرِ زندِ نوجوان ۱۵۳ پیکان گلے میں ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں
تن پر جراحِ تبر و خنجر و سنان گردن تھی کج، پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں

ہالوں سے مرکبوں کے جراحِ پختے ہوئے

چہرہ سفید، خاک میں گیسو آئے ہوئے

چمکی کے ساتھ، کہتے ہیں وا کر کے چشم تر ۱۵۴ اے جان، جسم زار میں اور ایک دم ظہر
اے موت بے وطن کی جوانی پر جسم کر اے دردِ تھم ذرا، کہ پٹھا جاتا ہے جگر

پھر ایک بار سید والا کو دیکھ لوں

مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی، نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے ۱۵۵ حضرت زبیں پر گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر، جواں یوں جہاں بچائے اے لالِ تین روز کے فاقے میں زخم کھائے

شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو

زخمی تمہاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیوں کہتے ہو پاؤں کو اے میرے مغلزار ۱۵۹ کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرادل ہے بے قرار بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار

بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں

اکبر تمھاری ماں نہ چپے کی فسراق میں

غش میں سنا جو ہیں علی اکبر نماں کا نام ۱۵۷ کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زباں ٹھلکے یہ بولا وہ تشنہ کام شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا، پسر میہان ہے

امداد یا حسین کہ پانی میں جان ہے

فرمایا شبہ نے اے علی اکبر میں کیا کروں ۱۵۸ پانی نہیں ہے مجھ کو میسر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستم گر، میں کیا کروں کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں

اے نہ دیں گے بوند، اگر لاکھ کد کریں

بیٹا تمھاری ساقی گو شر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے، چلا خلق سے پسر ۱۵۹ اتنی زباں ملی کہ خدا حافظ اے پدر
جھکی جو آئی، تمام لیا ہاتھ سے جگر انگریزائی لے کے رکھ دیا، شبہ کے قدم پہ سر

آباد گھر لٹا، شبہ والا کے سامنے

بیٹے کا دم نکل گیا، بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین پڑ ملاں ۱۶۰ یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
نکل حرم سے، ایک زن فاطمہ جمال گویا جناب سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال

تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اُس جناب کے

حلقہ ہو جیسے نور کا، گرد آفتاب کے

چلاتی تھی، ارے مایا را ہے کس طرف ۱۶۱ اے آسمان، وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابر شام، چاند ہمارا ہے کس طرف اے ارض کر بلا وہ سدھارا ہے کس طرف

ہے ہے سناں سے جان گئی میہان کی

میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسودں والے کدھر ہے تو ۱۶۲ ہے بے مری غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے، تجھے بھلے کدھر ہے تو کیوں کر پھو بھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو

اٹھا حواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے بے مرے سعید و رشید و متیس جوان ۱۶۳ خوش روحاں، فریب جوان، مرجیں جوان
صفر جوان، شکیل جوان، نازیں جوان کس نے تجھے مروڑ لیا، اے حسین جوان
آغاز تھیں میں ابھی ایسے مسن نہ تھے

پتے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی، وہ سوختہ جگر ۱۶۴ سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوہر گر آئے ادھر سے لاش لیے شاہ بحر و بر

دیکھا ہو رواں جوتن پاش پاش سے

سب بیباں لپٹ گئیں الکر کی لاش سے

ہاں شاہ دیں کے تعزیر دارو بکا کرو ۱۶۵ ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے پہ، مارو بکا کرو اکبر جہاں سے اٹھ گئے یارو بکا کرو

سمجھو شریک بزم شہ مشرقین کو

دے لو جوان بیٹے کا پڑا حسین کو

بے ہے حسین آپ کا دلیر چھڑ گیا ۱۶۶ فریاد ہے شبیہ ہمیں چھڑ گیا
وا حیف، وا دروغ، دلاؤ زچھڑ گیا درد و حسرتا، علی اکبر چھڑ گیا

منظومیت پر تشنہ دہانی پر روئیں گے

جب تک جییں گے اس کی جوانی پر روئیں گے

آقا اتیس ہند میں کب تک پھرے تباہ ۱۶۷ گھٹتی ہے عمر، بڑھتے چلے جاتے ہیں، گناہ
ضعف اس برس بہت ہے، اجل آنے جائے آہ بلوائے غلام کو، اے میرے بادشاہ

قرب مزار شاہ دو عالم نصیب ہو

بس کر بلا میں اب کی محرم نصیب ہو

فرہنگ

مرثیہ نمبر (۱)

- ۱۔ برومند : بار آور . پھل دار
- ۲۔ غواص : غوطہ لگانے والا
- ۳۔ لالی : لُو لُو (موتی) کی جمع
- ۴۔ سمک : (استعارہ) وہ مچھلی جس کی پیٹھ پر زمین ٹہی ہوئی ہے۔
- ۵۔ بالجزم : پکتا ، آہنی ، پختہ
- ۶۔ خذف : کنکری
- ۷۔ کُلف : چہرے کی جمائیاں
- ۸۔ حسان : (حسان بن ثابت انصاری) رسول اللہ کا مداح شاعر
- ۹۔ سرزدق : عرب کا مشہور شاعر
- ۱۰۔ وائل : عرب کا ایک قبیلہ
- ۱۱۔ سبحان : عرب کا بڑا فصیح و بلیغ شخص
- ۱۲۔ ماہ حبالی : ایرانی تقویم کا مہینہ
- ۱۳۔ طیب و طاہر : پاک صاف
- ۱۴۔ محبت باہر : روشن دلیل
- ۱۵۔ توأم : جڑواں
- ۱۶۔ قدسی : فرشتہ
- ۱۷۔ دَوّو دام : چوپائے ، چرندے
- ۱۸۔ کسری : ایران کے بادشاہ ، نوشیرواں کا لقب

مرثیہ (۲)

- ۱۔ بجاؤ کد : بڑے اہتمام سے، کوشش سے
- ۲۔ فاسق : بدکار
- ۳۔ نیچہ : چھوٹی تلوار
- ۴۔ هلّائی : (تلیق) قرآن پاک کی ایک سورت کی شروع کی آیتیں جو حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئیں۔
- ۵۔ مثل کفی : قرآن پاک کی آیت کا ایک حصہ
- ۶۔ استغاثہ : فریاد
- ۷۔ مخضب : خضاب کی ہوئی

مرثیہ (۳)

- ۱۔ یثرب : ملک عرب کا ایک صوبہ جس میں مدینہ ہے
- ۲۔ ہودج : عماری، کجاوہ
- ۳۔ محمل : کجاوہ (جس کو اونٹ کی پشت پر رکھا جاتا ہے اور اس میں لوگ بیٹھتے ہیں)
- ۴۔ تبرید : ٹھنڈائی
- ۵۔ عزتِ اطہار : خاندانِ رسالت کا لقب
- ۶۔ شقمہ : ٹکڑا (مجازاً پردہ)
- ۷۔ چپ وراس : بائیں و دائیں
- ۸۔ بطحا : مکہ معظمہ کی ایک وادی (مجازاً مکہ)
- ۹۔ روتہ امین : جسیریل کا لقب
- ۱۰۔ عشرہ : دس دن (مجازاً محترم کے پہننے کے پہلے دس دن کے لیے آتا ہے)

مرثیہ (۴)

- ۱۔ بہیر : امنڈتا ہوا انہو
- ۲۔ یمین دیار : داہنا۔ بایاں
- ۳۔ ثعلبیۃ : عراق کا ایک گاؤں
- ۴۔ ثَمًا : طرح۔ طریقہ
- ۵۔ پاتراب : منزلِ اول
- ۶۔ ہراول : فوج کی چھوٹی سی جماعت جو لشکر کے آگے رہتی ہے۔
- ۷۔ سبیل : تدبیر۔ طریقہ
- ۸۔ کوثر : جنت کے ایک حوض کا نام
- ۹۔ نسیمِ سبیل : جنت کی نہروں کے نام

مرثیہ (۵)

- ۱۔ رفیع المکاں : اونچا درجہ رکھنے والی جگہ
- ۲۔ ایوانِ اساس : محل کا مالک
- ۳۔ سقر : جہنم
- ۴۔ کحلِ البصر : آنکھ کا سرمہ
- ۵۔ صترہ : تنقیسی پوٹلی (مجازاً اگر بلا کی خاک کی پوٹلی کو کہتے ہیں)
- ۶۔ جوہرِ ظاہر میں جوہر : روایت اور عقیدے کے مطابق ساری دنیا کا پانی حضرت فاطمہ زہرا کے مہر میں خدائے دے دیا تھا۔ وہ فرات ہے
- ۷۔ مترصد : امیدوار، امید رکھنے والا
- ۸۔ قشون : لشکر
- ۹۔ جنود : فوجیں
- ۱۰۔ کشتہٗ درخبر : خیبر کا دروازہ اٹھا لانے والا یعنی حضرت علیؑ

- ۱۱۔ ہزبر : شیر۔ مجازاً بہادر
 ۱۲۔ ارتفاع : بلندی، اونچا ہونا
 ۱۳۔ شمشکیوں جناب : جس کی ڈیوڑھی بندی مرتبہ میں رُحل کے برابر ہو۔
 ۱۴۔ قرنا : بگل، فوجی باجا جو سنکھ کی طرح پھونکا جاتا ہے
 ۱۵۔ ڈہل : ڈھول
 ۱۶۔ خدیو : بادشاہ۔ مالک
 ۱۷۔ هل من جبارین : عربی کا جملہ ہے کوئی لڑنے والا " جنگ میں مقابل طلب کرنے کا نعرہ۔
 ۱۸۔ براق : اس گھوڑے کا نام جو آسمان سے اترتا تھا اور رسول اللہ معراج پر، اسی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔
 ۱۹۔ کھربا : ایک زرد پتھر جو گھاس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔
 ۲۰۔ ستیز : لڑائی
 ۲۱۔ مغفر : خود کے نیچے پہننے کی زدہ۔ یازدہ کا ٹھوڑا
 ۲۲۔ زہرہ : پتہ
 ۲۳۔ سرودی : ایک قسم کی دو دھاری، سیدھی تلوار
 ۲۴۔ نیزہ خلی : ایک قسم کا نیزہ جو خطا نام کے ایک مقام سے منسوب ہے۔
 ۲۵۔ شیر دژم : غضب ناک شیر

مرثیہ (۶)

- ۱۔ فارس : سوار
 ۲۔ کل کرنا : معاف کرنا
 ۳۔ کارہ : کراہت کرنے والا
 ۴۔ بالیدہ ہونا : بڑھنا
 ۵۔ جنود اللہ : اللہ کی فوجیں

- ۶۔ سبقت : پہل کرنا
- ۷۔ قرنا : تہرجی - منہ سے بجانے والا بجا
- ۸۔ جلاجل : جمائیں
- ۹۔ سرودوں : محبت - فوجی گیت
- ۱۰۔ سرمد آواز ہونا : سرمد کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے
- ۱۱۔ قسزم : سمند (اس سمند کا نام جو افسریتہ اور عرب کے ساحل کے بیچ میں ہے)
- ۱۲۔ ساپی کوثر : کوثر پر پانی پلانے والا (حضرت علی کا لقب)
- ۱۳۔ قاطر : فخر
- ۱۳۔ قرۃ العین : آنکھوں کی ٹھنڈک
- ۱۵۔ خالصے لگ جانا : برباد ہونا - ضبط ہو کر سرکاری قبضے میں چلا جانا
- ۱۶۔ آئے : آئیں - آیت کی جمع
- ۱۷۔ ذقن : ٹھوڑی
- ۱۸۔ توتیا ہوئے جل : اس گردے بہترین سرمد بھی شہر جاتا ہے، یعنی آنکھیں کھل جا رہی ہیں
- ۱۹۔ راس درئیں : سر و سرور
- ۲۰۔ پرچہ نویس : خبر نویس (وہ شخص جو حکومت کی طرف سے خبریں پہنچائے)
- ۲۱۔ ڈراب : چوڑے کی پیٹی جس کے حلقے میں تلوار لٹکاتے ہیں
- ۲۲۔ فازی : بہادر، سپاہی، مجاہد
- ۲۳۔ قنبر : حضرت علی کے غلام کا نام
- ۲۳۔ رضوان : بہشت کے دربان کا نام
- ۲۵۔ تعویذ : تاخیر
- ۲۶۔ قردوزخ : دوزخ کی گھسائی
- ۲۷۔ الفیاض : "مد کو پہنچو" (مد کے لیے آواز دینا)

- ۲۸۔ اسود : حضرت علی کے زمانے کا ایک مجسم
- ۲۹۔ معین الفضل : کمزوروں کا مددگار
- ۳۰۔ اڈر کیتی : میری خبر لیجیے
- ۳۱۔ خڈ پیدی : میرا ہاتھ تمام لے
- ۳۲۔ مور ضعیف : کمزور چیونٹی
- ۳۳۔ پالی آنت و : عربی کا ایک محاورہ جس کا مطلب ہے میرے ماں باپ آپ پر
- ۳۴۔ آتی : خدا ہوں
- ۳۵۔ آشم : گنہ گار
- ۳۶۔ مقدار، سلمان، ابوذر : حضرت رسول اللہ اور حضرت صلی کے
- عمار، مالک اشتر : صحابیوں کے نام
- ۳۷۔ صاحبِ جود : سخی
- ۳۸۔ داب : عطا کرنے والا } اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی
- ۳۹۔ محمود : قابلِ حمد
- ۴۰۔ صبح و سا : صبح و شام
- ۴۱۔ خدنگ : تیر
- ۴۲۔ اہل ضلال : غمِ راہ لوگ
- ۴۳۔ برجیوں اڑنا : (محاورہ) بہت اونچی جست کرنا
- ۴۴۔ متقی نور : روشنی کا ستار
- ۴۵۔ لاریب : بے شک، بلاشبہ
- ۴۶۔ خسرو : خسرو پرویز ایران کے ایک بادشاہ کا نام تھا
- ۴۷۔ برقیں : جھنڈیاں
- ۴۸۔ سیفی : ایک محل کا نام (ایک خاص دھماکہ کرنے کی مشین سے پڑھی جاتی ہے)
- ۴۹۔ صید زبول : کمزور شکار

- ۲۹۔ مقام : کنجی
 ۵۰۔ سُوفا : تیر کا نیچے کا سرا
 ۵۱۔ ورطہ : بھنور
 ۵۲۔ تَاذَاتُ اللہ : کلمہ تحسین : خدا برکت دے
 ۵۳۔ طوبیٰ : جنت کے ایک درخت کا نام

مرثیہ (۷)

- ۱۔ انجمن کی فرد فرد : ہر ایک تار سے
- ۲۔ دفتر کشائے صبح : استوائے میں صبح کو اجالے کا دفتر کھولنے والا کہا ہے
- ۳۔ سلطانِ قرب و شرق : مغرب و شرق کا بادشاہ سورج سے مراد ہے
- ۴۔ نظم و نسق : انتظام
- ۵۔ قرآنِ عزلی شب : رات کی معزولی کا فرمان (بٹایا جاتا)
- ۶۔ مالکانِ سحر کا نصب : صبح کے کاندھوں کا تقرر ہوا
- ۷۔ زمزمہ پردازی : نرم آوازیں گانا
- ۸۔ نافہ : ہرن کی ناف سے نکلنے والی شک کی تھیلی
- ۹۔ کتاب : نیچے کی ڈوری۔ رسی
- ۱۰۔ بے چوبہ فلک : ایسا خیمہ جس میں چوبیں نہیں ہوتیں۔ مجازاً آسمان
- ۱۱۔ سپہر دیں : دین کا آسمان
- ۱۲۔ ثقبے قنات کے : قنات کے سودا خ
- ۱۳۔ کیواں : زحل
- ۱۴۔ مقتدا : روحانی پیشوا۔ رہنما
- ۱۵۔ مقتدی : پیروی کرنے والا
- ۱۶۔ مصنف : کتاب۔ کلام مجید کے لیے خاص کر آتا ہے
- ۱۷۔ زیر و طبیق : نو آسمانوں کے نیچے

- ۱۸۔ صیغۂ ایمان : ایمان کی کتاب (کلام مجید)
- ۱۹۔ چرخ : گھومنے والا پہیہ
- ۲۰۔ نبتگ : مگر مجھ
- ۲۱۔ صلّٰی علیٰ : درود شریف کے شروع کے لفظ
- ۲۲۔ بُرج : آسمان کے ان بارہ برجوں میں سے ایک جو علم ہیئت کے لحاظ سے مقرر کیے گئے ہیں۔
- ۲۳۔ شب دیزِ بلع : کالے رنگ کے گھوڑے کو شب دیز کہتے ہیں۔ استعارہ میں طبیعت کو گھوڑا قرار دیا ہے۔
- ۲۴۔ ذوالفقارِ حیدر : علی کی تلوار (روایت ہے کہ ذوالفقار حضرت علیؑ کے لیے آسمان سے اتری تھی)
- ۲۵۔ عیال دار : بال بچوں والا
- ۲۶۔ میزان : وہ ترازو جس میں تول کر بخشش کا فیصلہ ہوگا۔
- ۲۷۔ مشابعت : رخصت کرنے کے لیے دو چار قدم ساتھ چلنا۔
- ۲۸۔ کنشہ : آتش کدہ
- ۲۹۔ قدر انداز : ماہر تیسرا انداز
- ۳۰۔ ضرر : آمدنی، عجب کدہ
- ۳۱۔ جیسے رنگِ سحاب کبھی بونٹرگ بار : سحاب، بادل۔ بونٹرگ : اولہ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح بادل کی رگوں سے اولے برستے ہوں

مرثیہ (۸)

- ۱۔ حشمت و اجلال : شان و شوکت
- ۲۔ نئے مرغان : شرابِ معرفت
- ۳۔ بارِ علایق : دنیاوی تعلقات کا بوجھ
- ۴۔ یدِ قدرت : (مجازاً) خدا کا ہاتھ

- ۵۔ زبیدہ : زیب دینے والا
 ۶۔ روپاہ : لومڑی
 ۷۔ پیکِ اجل : موت کا پیامی۔ ملک الموت
 ۸۔ مَلاۃِ جنت : جنت کا خلعت
 ۹۔ حبیب ابن مظاہر : امام حسین کے بچپن کے دوست جو کربلا میں ان کی حمایت میں لڑ کر شہید ہوئے۔
 ۱۰۔ کھلی بصر : آنکھ کا سُورہ
 ۱۱۔ مصمام : تلوار
 ۱۲۔ یک پیری و صد عیب : عاوردہ ایک بڑا پاسبان گھڑوں آزار
 ۱۳۔ بدعت : ظلم تشدد
 ۱۴۔ شیع لم یزل : خدا کے گھر کا چراغ
 ۱۵۔ سبک تاز : نرم رو
 ۱۶۔ سلمان، مقداد، ابذر } حضرت علی کے اور آنحضرت کے اصحاب کے نام
 اہلک عار، مالک اشتر }

مرثیہ (۹)

- ۱۔ رابیعِ گلگونِ شہادت : وہ شہسوار جس کا لباس خونِ شہادت سے سرخ تھا۔
 ۲۔ مستوجبِ رحمت : جس کے لیے رحمتِ الہی واجب ہو۔
 ۳۔ درمکنون : چھپا ہوا موتی
 ۴۔ مالک : دوزخ کا دار و فر
 ۵۔ راویِ صادق : سچی روایت بیان کرنے والا
 ۶۔ عطائے صدی : خدا کی عطا کی ہوئی
 ۷۔ لطفِ احدی : خدا کا فضل
 ۸۔ اولوالعزم : عزیمت والا

- ۹۔ العظمة فقیو : سب بڑائی خدا کے لیے ہے۔
- ۱۰۔ رایت : پرچم، مسلم
- ۱۱۔ قاصر ہیں : عاجز ہیں
- ۱۲۔ شہ مردان : حضرت علی کا لقب
- ۱۳۔ محسوب ہوں : جن کا شمار کیا جائے
- ۱۴۔ باتوں کے عوض جن کو خدا نے دیے دوسرے، حضرت علیؑ کے بھائی جعفر طیار عون و محمد کے دادا تھے۔ ان کے دونوں بازو رسول اللہ کے ساتھ جنگ موتہ میں کٹ گئے تھے۔ وہ علم بہدار فوج بھی تھے۔ شہادت کے بعد روایت ہے کہ خدا نے ان کو زمرہ کے دو پر جنت میں عطا کیے ہیں۔
- ۱۵۔ شہرہٴ خیبر شکن، بُت شکنی ہے : حضرت علیؑ نے (جموں و عمر کے ۱۱۱ تھے) کعبہ میں بتوں کو توڑا تھا۔ جنگ خیبر میں درخیز کو اکھاڑا تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔
- ۱۶۔ احسن : کلر شاہاں
- ۱۷۔ کھیت میں سرسبز ہونا : مطلب میدان جنگ میں کامیاب ہونا
- ۱۸۔ سادنت : بہادر
- ۱۹۔ عمر محدود : عرب کا ایک بڑا بہادر جوان جس کو جنگ خندق میں حضرت علیؑ نے شکست دی تھی۔
- ۲۰۔ خاصہ قیوم : خدا کا خاص بندہ
- ۲۱۔ سفین واحد : اُمید رسول اللہ کے زمانے کی جنگ اور سفین حضرت علیؑ کے زمانے کی لڑائی۔ ان دونوں میں حضرت علیؑ نے بہت بہادری سے جنگ کر کے دشمن کو زیر کیا تھا۔
- ۲۲۔ دَوَاؤ د : گھوڑے کی دوڑ
- ۲۳۔ کاوا : گھوڑے کا چکر کھانا
- ۲۴۔ بادیرہما : جگمگ کوٹا پنے والا
- ۲۵۔ تلک و تاز : دوڑنا بھاگنا
- ۲۶۔ پیکِ مبا : ہوا کا قاصد

- ۲۸۔ خاتم قدرت کے تھیں : قدرت کی انگوٹھی کے نیچے
- ۲۹۔ مصحف ناطق : بولنے والا قرآن (جناب رسول اللہ کا لقب)
- ۳۰۔ مضموم : جس پر مہر لگی ہو۔
- ۳۱۔ شمع حرم لم یزل : خدا کے گھر کی شمع
- ۳۲۔ شقہ طراز علم : پرچم کے پھیرے کو لہرانے والا۔ (علم بردار)
- ۳۳۔ جیفہ دستار : پجڑی کی کلفی
- ۳۴۔ مرعب و عنتر : عرب کے دو مشہور بہادری کو حضرت علی نے شکست دی تھی
- ۳۵۔ چشمہ اولوالابصار : اہل بعیرت کی آنکھوں کی روشنی بڑھانے والا
- ۳۶۔ یاربینا : روشن ہاتھ (حضرت موسیٰ جب معجزہ دکھاتے تھے تو ان کا ہاتھ سفید روشن ہو جاتا تھا)
- ۳۷۔ چار آئینہ : زرہ میں جڑے ہوئے لوہے کے چار ٹکڑے جو پہننے والے کی پشت اور سینے کی حفاظت کرتے ہیں۔
- ۳۸۔ نیم : سمندر۔ دریا
- ۳۹۔ جد : دادا۔ پردادا

مرثیہ (۱۰)

- ۱۔ رسولان سلف : وہ پیغمبر جو حضرت محمدؐ سے پہلے گزر چکے ہیں۔
- ۲۔ مروکب دیدہ : آنکھ کی پتیلی
- ۳۔ مضاعف : کئی گنا
- ۴۔ نیت بیچ بول : وہ بیچ جو ہر نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے (اللہ اکبر، الحمد للہ)
- ۵۔ تنظم : نظم کی فرااد
- ۶۔ مشبک : چلتی نہیں ہوا

- ۷۔ قیوم : ہمیشہ قائم رہنے والا (اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک)
- ۸۔ ساجد : سجدہ کرنے والے
- ۹۔ راکع : رکوع کرنے والا
- ۱۰۔ تازی : عسکری گھوڑا
- ۱۱۔ امیرالم : امتوں کا سردار (مراد امام حسین)
- ۱۲۔ جرار، کھار، صفدر : بہادر
- ۱۳۔ مرقام، ضیف، غنفر : شیر کے معنی میں آتے ہیں۔ مراد بہت بہادر
- ۱۴۔ خاقان : چین کے بادشاہوں کا لقب
- ۱۵۔ باج : خراج
- ۱۶۔ چتر، فلک، قدر : آسمان جیسے رتبہ والا چیز (چتر اس سنہری چتری کو کہتے ہیں جو بادشاہوں کے سروں پر سایہ کرتی تھی)
- ۱۷۔ جلوریز : مطلب سہ گھوڑوں کو دوڑایا
- ۱۸۔ سیاف : تلوار چلانے کا ماہر
- ۱۹۔ عسکریں : دینداروں کی فوج
- ۲۰۔ اِطلام : اعلان
- ۲۱۔ کوس، شغب، ناک : پر شور نقادہ
- ۲۲۔ مصلح کیا : خلعت بخشا
- ۲۳۔ معنبر : خوشبو دار
- ۲۴۔ قافیہ تنگ ہونا : کچھ بنانے دینا
- ۲۵۔ مسل : فوج کا دستہ
- ۲۶۔ سَلَّمَكَ اللہ : خدا تمہیں سلامت رکھے
- ۲۷۔ مُحقّق : حقدار
- ۲۸۔ قفا سے : پیچھے سے
- ۲۹۔ صادق الاقرار : وعدے کا پتلا

مرثیہ (۱۱)

- ۱۔ صولت و شوکت : شان و شوکت
- ۲۔ کمر بند : کمر کی پیٹی
- ۳۔ پیکِ خرد : عقل کا سفیر
- ۴۔ گما س : گما س
- ۵۔ تفتی : اپنی بڑائی کرنا
- ۶۔ حلالِ مہم : مشکوں کو حل کرنے والا
- ۷۔ سرورِ مہوم : غمزدوں کے آقا
- ۸۔ عالمِ کاظمہ : دنیا کا مدگار
- ۹۔ مصدرِ الہامِ احد : خدا کے الہام کا سرچشمہ
- ۱۰۔ آری کیا : بے بس کیا
- ۱۱۔ شبرنگ : ایک بادشاہ پر دیز کے گھوڑے کا نام
- ۱۲۔ تنگ کے نیچے : گھوڑے کے زین کا بند
- ۱۳۔ صاعقہ کردار : بجلی کی سی صفت رکھنے والی
- ۱۴۔ برقِ چندہ : کوندنے والی بجلی
- ۱۵۔ جلا دنگ : مرتج
- ۱۶۔ گیو : ایک ایرانی پہلوان کا نام
- ۱۷۔ ارث : ترکہ - میراث
- ۱۸۔ مہوارے میں اژدہ کو بھیج رہے تھے ؟ : اس روایت کی طرف اشارہ کہ حضرت علی نے پہنچان میں جوئے میں لٹے لٹے ایک اژدہ کو جو اُن پر ملاؤر ہوا تھا، مار ڈالا۔
- ۱۹۔ طبل، دف، نقارہ، قرنا : فوجی باجوں کے نام
- ۲۰۔ بوڑھی : برہمنی کا پہل

- ۲۱۔ مجملہ : لوہے کی کرپوں کی نقاب جو تلوار کے وارے پہنچنے کے لیے چہرے پر ڈالی جاتی تھی۔
- ۲۲۔ بکتر : زورہ جو غصے سے منڈھی ہو۔
- ۲۳۔ جم دھر : ایک قسم کا خنجر
- ۲۴۔ تہمتن : رستم کا لقب۔ مجازاً بہت بہادر
- ۲۵۔ تنق گرد کے : مٹی کے پرت
- ۲۶۔ قران مدو خورشید : ایک ہی برج میں چاند اور سورج کا جمع ہونا

مرثیہ (۱۲)

- ۱۔ چربخ اخفزی : ہزار آسمان
- ۲۔ چربخ زبرد جی : نیلا آسمان
- ۳۔ ینائے لا جورد : نیلا شیشہ (یلم) مطلب آسمان سے ہے
- ۴۔ حلب : شام کا ایک شہر جہاں کے آئینے مشہور ہیں
- ۵۔ ختن : چینی ترکستان کا علاقہ جہاں کا خشک مشہور ہے۔
- ۶۔ یمن : عرب کے ایک ملک کا نام جہاں کے حقیق مشہور ہیں
- ۷۔ حق پروردہ : سچائی کو قبول کرنے والا
- ۸۔ ثمرن : چونتیس دانوں کی مالا (ہندوؤں میں تسبیح کے طور پر استعمال ہوتی ہے)
- ۹۔ لایع : پھلنے والا
- ۱۰۔ لاف : ڈینگ، شیخی
- ۱۱۔ بنی النصار و النسطور : آگ میں اودھنم میں پہنچا (کلام مجید کی ایک آیت)
- ۱۲۔ یوں دد کیا عود سربا بکار کو : یعنی دشمن کے سر کو لمبائی میں تلوار سے کاٹ کر دو کر دیا۔
- ۱۳۔ دوانک کی لمان : کمان کا تالو پچ جس کو دو تیر کے برابر کھینچا جاسکے۔
- ۱۴۔ سفاہت : کھینچنا

۱۵۔ رف رف : اس سواری کو کہتے ہیں جس پر رسول اللہ معراج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

۱۶۔ اوجھڑگی : پتھر سے پتھر ٹٹنے کا ہلکا سا دھکا
۱۷۔ وَأَنْ يُّكَادَ : دھمکے نظر پر۔

مرثیہ (۱۳)

- ۱۔ کشندہ عنتر : عنتر کو قتل کرنے والا (مراد حضرت علی)
- ۲۔ محل مر سبد : ٹوکری کا بہترین پھول
- ۳۔ بیاض و سواد : سفیدی اور سیاہی
- ۴۔ جزو لا تجزئ : مادہ کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ (یعنی ایٹم)
- ۵۔ کیومرث : بادشاہ کا نام
- ۶۔ فاشیہ بردار : خادم
- ۷۔ قاف سے آفاق : مراد ساری دنیا
- ۸۔ صریر کلک : قلم کے چلنے کی آواز
- ۹۔ خراج ستانہ : خراج لینے والی
- ۱۰۔ فلک نمیر : آسمان پر دوڑنے والا
- ۱۱۔ سرہنگ : سردار
- ۱۲۔ خدنگ : ایک قسم کا چھوٹا تیر
- ۱۳۔ زباز شمشیر شطہ رنگ : آگ کی طرح پلکنے والی تلوار کا شعلہ

مرثیہ (۱۴)

- ۱۔ شہید پیشہ حیدر : مراد حضرت عباس
- ۲۔ نو پسرمدی : نود ازل۔ یا نور الہی کا پرتو
- ۳۔ حورا : مطلب ایک حمد

- ۳۔ ابرش : دورنگ کا گھوڑا۔ عموماً سیاہ اور سفید یا سرخ و سیاہ
 ۵۔ دُزلزل : حضرت علی کے گھوڑے کا نام۔ جس پر کربلا کے معرکہ میں
 امام حسین نے سوار ہو کر جہاد کیا۔
 ۶۔ بکبک درہی : چکور۔ ایک قسم کا تیر
 ۷۔ شری : زمین کا سب سے پھلا طبقہ
 ۸۔ نہیب : خوف
 ۹۔ خلت و دوار : دوستی
 ۱۰۔ مطیعانِ نو : نئے غلام
 ۱۱۔ ناشیہ بدوش : زمین پوشش کا کونہ پھڑکڑ چلنے والا
 ۱۲۔ الکن : لگنت کرنے والی
 ۱۳۔ لال : گوجی
 ۱۴۔ لازیبِ فینب : بلا شک
 ۱۵۔ ثور فلک : ایک برج آسمانی جو کہا جاتا ہے کہ بیل کی شکل کا ہے
 ۱۶۔ گوپال : ایک قسم کا گرز
 ۱۷۔ زگیر : ایک انگوٹھی جس کو انگوٹھے میں پہن کر تیر کھینچتے ہیں۔
 ۱۸۔ چردغل : مکار
 ۱۹۔ تصمیع : حلیہ لانا (فوجی اصطلاح میں وہ رجبہ جس میں حلیہ لکھا جاتا ہے)
 ۲۰۔ طبلق : رجبہ۔ کاغذات کا طہا
 ۲۱۔ سکان : باشندے۔ رہنے والے

مرثیہ (۱۵)

- ۱۔ فتراک : چمڑے کا تسمہ جو زمین کے اوپر اُدھر ضروری سامان باندھنے کے

- ۳۔ پیک : قاعد
 ۴۔ بالی : رونے والا
 ۵۔ قوسین مکان : مرثیہ بہت قریب کا مقام جہاں تک جناب رسول خدا شب
 معراج پہنچے تھے۔
 ۶۔ اہمال : مہلت دینا۔ مراد آج کرنا
 ۷۔ رومال : کنایہ غفلت میں دوام ملنا۔

مرثیہ (۱۶)

- ۱۔ بلاغت : خوشدبیائی۔ فصاحت
 ۲۔ کیانی کماں : بادشاہوں کے ہاتھ کماں دیکھائی ایوان کے بادشاہوں کا ایک
 فائدہ
 ۳۔ میں الکمال : نظریہ
 ۴۔ سہیل : ایک چمک دار اور مبارک ستارہ کا نام
 ۵۔ دہ سیز جس کا معنی اکبر مشبہ :- دہ سیز جس کو قرآن پاک سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔
 ۶۔ دست نقیہ : عالم دین کا ہاتھ
 ۷۔ خیرورنی : پیغمبر اسلام کا لقب
 ۸۔ گس : شہد کی مکھی
 ۹۔ قد انداز : ماہر تیر انداز۔ جس کا نشاء خطا دکرے
 ۱۰۔ عالم مرکبات میں مخامفروا کا : جسم جو کہ مرکب ہے کثکت کرکھگ گھگ
 محمولوں میں بٹ گیا تھا۔
 ۱۱۔ گھستا ہے آدمی قلم اب سرحتِ خطاب : اب قلم کا گھٹا اکتب کی کڑی تری سے گھستا ہے۔
 ۱۲۔ ایراق : ہتھیار۔ طرائی کا سامان
 ۱۳۔ ابولہب : عرب کا شہر لاہور جو غیر اسلام کے ماحول سے دشمنی رکھتا تھا۔
 ۱۴۔ تان اور تکان : وار اور جھٹکا

- ۱۵۔ دُماں : تیزی سے پھٹنے والا
 ۱۶۔ ہرزہ گرد : فضول، بے کار پھرنے والا
 ۱۷۔ محصور : چڑیا
 ۱۸۔ گیبہاں خدیو : دنیا کا مالک - دنیا کا بادشاہ
 ۱۹۔ کبد : کلیجہ - جگر

مرثیہ (۱۷)

- ۱۔ ریحان ہے یہی، راح یہی روح یہی ہے : یعنی اسی سے خوشی ہے، اسی سے
 قوت ہے اور یہی جسم کی روح ہے۔
 ۲۔ منہاج : راستہ - طریقہ
 ۳۔ تَوَلَّأَ : محبت - دوستی (خاص طور پر اہل بیت رسول کی محبت کے
 لیے آتا ہے)
 ۴۔ اَلَّا : سنو - دیکھو (مخاطب کرنے کا لفظ)
 ۵۔ ناصیہ سائی : پیشانی گھسنا
 ۶۔ زمد : آشوب، چشم - آنکھیں آنا
 ۷۔ جَسَرَ : پُل
 ۸۔ بَرَق : جھنڈا - پھیرا
 ۹۔ زہ : کمان کا چنڈہ
 ۱۰۔ پُشَم : تلوار میں قبضے کے قریب دو گھنٹیاں ہوتی ہیں انھیں پُشَم کہتے ہیں۔
 ۱۱۔ شَطِخُون : خون کا دیا
 ۱۲۔ ہرزہ سرائی : بھواس - فضول باتیں
 ۱۳۔ قطعاً طریقی : وہ زن (وہ ڈاکو جو راستے میں ڈاکہ ڈالے)
 ۱۴۔ کفل : کولہا - مچھا
 ۱۵۔ منکہ : گردن کی ہڈی

- ۱۹۔ مٹھادر : تیز گھوڑا
 ۱۰۔ طعن : نیزہ مارنا
 ۱۸۔ تبریزی : ایک قسم کا تبرجے سوار زمین پر کمونس پلے ہیں
 ۱۹۔ تیزنگ : تیز دوڑنے والا گھوڑا
 ۲۰۔ ضال و ضل : گمراہ اور گمراہ کرنے والا
 ۲۱۔ پیرالالم : جنوں کا کنواں (ایک تلحج ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ جن رہتے تھے)
 ۲۲۔ غریبہ جو : بد خو - جنگ جو - لڑاکا

مرثیہ (۱۸)

- ۱۔ اخترِ سجود : سجودے کا نشان (اُسے تاسے نے تشبیہ دی گئی ہے)
 ۲۔ آل : اولاد رسول اللہ
 ۳۔ شیفۃ واجب الوجود : خدا سے محبت کرنے والے
 ۴۔ غمستہ کام : خوش بخت - نیک کام کرنے والا
 ۵۔ اُبی ہوئی : سان پر چڑھی ہوئی
 ۶۔ اُٹھنے لگی حسام : میان سے تلوار خود بخود بھٹنے لگی
 ۷۔ کسراخی : ایرانی بادشاہ (کسرا) کی اولاد (امام حسین کی بیوی شہسرا بنو ایران کے آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم کی بیٹی تھیں)
 ۸۔ رعل : لکڑی کی بنی ہوئی تپنی کی شکل کی تختی ہوتی ہے جس پر رکھ کر قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔
 ۹۔ حائل : چھوٹی تقطیع کا ستر آن مشرین جسے اکثر گلے میں لٹکایا جاتا ہے
 ۱۰۔ حذار : حال - رخسار
 ۱۱۔ متوالی بقی : مٹی پر صلوات بھیجو " علی اکبر ہم شیبہ ہمیر کہے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر لوگوں کو حضرت محمدؐ یاد آئے۔"

۱۲۔ جمہوریت : ہم قریبہ - برابر
۱۳۔ خیر و شکر کا : حضرت علی کا پوتا یعنی علی اکبر (خیر و ہونے نواسے دونوں کے لیے آتا ہے)

۱۴۔ مدح و ثناء : ہمدانی جان (روح) تم پر نثار ہو۔
۱۵۔ خوش : آفت و بلا سے محفوظ رہنے کی ایک دعا جو لوگ کرنا شروع کرنا شروع کرتے ہیں
۱۶۔ ایک مذکور کا نام جو راز دہرہ پڑتا جا رہا ہے۔ ایک خاص قسم کی زندگی کو بھی کہتے ہیں۔

۱۷۔ برتاؤ : جوان اور بڑھا
۱۸۔ خیر : خوف - ڈر
۱۹۔ خوشتر و خوشتر : جہنم رسید ہونے والی فوجیں
۲۰۔ چیر و کھج : دفتر سے نام خارج ہو جانا (فوج کے دفتر میں ہر سپاہی کا طریقہ درج ہوتا ہے)

۲۱۔ جہانگیر : مسکن ، حاضر ، جاہل
۲۲۔ شہت : چمڑے کا انگھڑا جو تیرا انداز انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں
۲۳۔ ڈاڑھ : ہنس یا کھڑی کا ڈھانچا جس پر ہر گھڑی کا پہل لگا لیتے ہیں
۲۴۔ گتہ : رسی کا چند اجس سے جگ میں پہاڑی اپنے مقابل کو پہنچا لیتے ہیں
۲۵۔ چیر و کھج : گردن کا

۲۶۔ گتہ : زخم کے شکار یا
۲۷۔ گتہ : گتہ کی طرح جو بہت بڑا گتہ ہے اور آسانی سے کٹ جاتا ہے

۲۸۔ گتہ : گتہ کی طرح جو بہت بڑا گتہ ہے اور آسانی سے کٹ جاتا ہے

۲۹۔ گتہ : گتہ کی طرح جو بہت بڑا گتہ ہے اور آسانی سے کٹ جاتا ہے

۳۰۔ گتہ : گتہ کی طرح جو بہت بڑا گتہ ہے اور آسانی سے کٹ جاتا ہے

۳۱۔ گتہ : گتہ کی طرح جو بہت بڑا گتہ ہے اور آسانی سے کٹ جاتا ہے

۳۲۔ گتہ : گتہ کی طرح جو بہت بڑا گتہ ہے اور آسانی سے کٹ جاتا ہے

پہلی جلد کے لیے میر انیس کے مرثیہ کے جو نسخے میں فراہم کر سکی وہ مندرجہ ذیل ہیں :

- ۱۔ مرثیہ انیس - نظامی پریس دہلیوں - ہر سہ حصہ مطبوعہ ۱۹۳۵ء
- ۲۔ روح انیس - مرتبہ سید مسعود حسین رضوی ادیب مطبوعہ ۱۹۵۸ء
- ۳۔ مرثیہ انیس - مرتبہ سید نائب حسین نقوی پہلا حصہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء
- ۴۔ مرثیہ انیس - مطبوعہ مطبع نامی منشی نول کشور - لکھنؤ ۱۸۸۲ء چار حصہ
- مرثیہ انیس - مطبوعہ مطبع نول کشور - کانپور ۱۸۹۲ء

اس مجموعہ کے دو سب سے اہم مرثیہ :

۶۔ بخدا فارس میدان تہور تھا حُر

اور ۱۸۔ کیا غازیان، فوج خدا نام کر گئے

کے لیے بنیادی نسخہ روح انیس کو قرار دیا گیا ہے اور دوسرا نسخہ مرثیہ انیس نظامی پریس دہلیوں کی جلد اول ہے۔

دو مرثیوں کے لیے ۱۔ یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر

بنیادی نسخہ مرتبہ سید نائب حسین نقوی مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۵ء ہے اور دوسرا نسخہ مرثیہ انیس مطبوعہ نامی نول کشور بار سوم ۱۸۸۲ء

۲۔ جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا

کا بنیادی نسخہ مرثیہ انیس مطبوعہ نامی نول کشور جلد دوم مطبوعہ ۱۸۸۲ء ہے اور دوسرا نسخہ مرثیہ انیس جلد دوم مرتبہ سید نائب حسین نقوی (غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۵ء)

مندرجہ ذیل مرثیوں میں بنیادی نسخہ مرثیہ انیس - نظامی پریس دہلیوں کے تینوں حصے ہیں جو

۱۔ مرثیوں پر مبرہم نے فہرست کی ترتیب کے مطابق دیے ہیں۔

- بار دوم ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئے تھے۔
- ۳۔ فرزندِ پیغمبر کا مدینہ سے سفر ہے
دوسرا نسخہ مرثیہ انیس جلد اول۔ بار سوم مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء
- ۴۔ سبطِ نبی سے منزلِ مقصد قریب ہے
دوسرا نسخہ۔ مرثیہ انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء بار سوم
- ۵۔ جب کربلا میں داخلہ شام دیں ہوا
دوسرا نسخہ۔ مرثیہ انیس۔ مطبع نامی نول کشور۔ کانپور جلد دوم (بار ششم) ۱۹۱۵ء
- ۶۔ طے کر چکا جو منزلِ شب کا رواں صبح
دوسرا نسخہ۔ مرثیہ میر انیس۔ مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء
- ۸۔ کیا فوجِ حسینؑ کے جوہر ان جہیں تھے
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد اول۔ مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء
- ۹۔ جب حر کو بلا غلبت پڑ خونِ شہادت
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد دوم۔ مطبع نامی نول کشور، کانپور، بار ششم ۱۹۱۵ء
- ۱۰۔ جب زلف کو کھولے ہوئے لیلے شبِ آئی
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد اول مطبع نامی، نول کشور، کانپور ۱۸۹۲ء
- ۱۱۔ جب حضرت زینب کے پسر مر گئے دونوں
دوسرا نسخہ۔ مرثیہ میر انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور، کانپور ۱۸۹۲ء
- ۱۲۔ پہولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد دوم مطبع نامی نول کشور۔ کانپور ۱۹۰۶ء
- ۱۳۔ آدھے کر ملا کے میٹاں میں شیر کی
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء
- ۱۴۔ جاتا ہے شیرِ بیشہ حیدرِ فرات پر
دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد دوم مطبع نامی نول کشور، کانپور ۱۹۰۶ء
- ۱۵۔ جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر

- دوسرا نسخہ مرثیہ انیس مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۲ء
 ۱۳۔ جب بادشاہ کشتی شاہ ام گرا
 دوسرا نسخہ، مرثیہ میر انیس جلد اول مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۲ء
 ۱۴۔ دولت کوئی دنیا میں پس سے نہیں بہتر
 دوسرا نسخہ مرثیہ میر انیس جلد سوم مطبع نامی نول کشور کانپور ۱۸۸۲ء

اگلے صفحات میں ہم اختلاف نسخ کے سلسلے میں مرثیہ کا صرف نمبر درج کریں گے
 اور ہر مرثیہ کا بند اور مصرعہ کا نمبر درج ہو گا۔ فرہنگ کی نشاندہی کے لیے نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ دیے گئے ہیں۔ اور اختلاف نسخ کی نشاندہی ابجد، ہوز وغیرہ کے حروف سے کی گئی ہے۔

مرثیہ (۱)

نشان	اختلاف	بند	معرمہ
الف	آغاز	۴	۳
ب	ہے	۱۰	۵
ج	ہی	۱۱	۴
د	جلیں	۲۳	۵
ہ	گرے	۴۲	۲
و	منہ زند	۴۹	۵
ز	ماشور	۸۱	۳
ح	جو	۸۵	۶
ط	سنائیں	۹۸	۳
ی	بڑھ کے	۱۰۹	۱
ک	یہ ہے	۱۱۰	۱
ل	میں	۱۱۳	۲
م	خدا داد	۱۱۹	۳
ن	ہستی	۱۳۵	۲
س	حیدر کشی	۱۴۶	۲
ع	کے	۱۷۲	۱۲

مرثیہ (۲)

الف	جہاں	۲۱	۴
ب	عقب	۴۸	۴

مرثیہ (۳)

مصرعہ	بند	اختلاف	نشان
۳	۶	نہ ہو	الف
۳	۱۳	کیا جانے	ب
۲	۲۰	بھائی نہ ہوئے	ج
۴	۲۰	کھلیں سر	د
۴	۲۳	بے کس	ہ
۵	۲۵	دم اس کا	و
۵	۲۶	جن	ز
۲	۵۹	چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا	ح
۱	۶۳	آپہنچی جو	ط
۱	۶۷	پ	ی
۲	۱۰۳	لمنی	ک
۶	۱۰۸	بن	ل

مرثیہ (۴)

۶	۱	آتی ہے	الف
۲	۳۸	جن کے	ب

مرثیہ (۵)

۳	۱۱	ہے	الف
۶	۳۳	بس	ب
۵	۳۳	ہو امیں	ج

نشان	اختلاف	بند	مصر
د	ابھریں	۲۶	۲
ہ	تازگی	۲۸	۳
و	ڑکے ہوئے	۲۸	۶
ز	ترائی سے کوئی	۲۵	۴
ح	طرح	۲۲	۶
ط	تھی	۲۶	۲
ی	کہنی تک آستین جو الٹیں دم عقاب	۶۳	۲
ک	کا تھاسر	۱۵۲	۴
ل	جو تھا	۱۵۵	۱
م	چاٹا	۱۶۳	۶
ن	زہ	۱۶۰	۱
س	منفعل	۱۶۲	۴
ع	کی ہے یہ جا	۲۴۰	۴

مرثیہ (۶)

الف	ہم صورت	۱۰	۲
ب	یک	۱۵	۱
ج	تم نے	۱۶	۲
د	طفل ان میں	۲۰	۲
ہ	لرتے	۲۰	۳
و	کا	۲۵	۲

۱۔ ۸۲ بندے تین بندہ مطلوبہ لکھنؤ مرانی میں زیادہ ہیں۔

۲۔ روح انیس ۳۲ - ۳۳ بندہ کے ترتیب میں ہوئی ہے۔

نشان	اختلاف	بند	مصرع
ز	جانے گا	۴۶	۱
ح	کی	۴۷	۲
ط	پھنسی	۴۸	۲
ی	میرا ہے	۴۹	۳
ک	ہے جس کی زباں	۵۲	۱
ل	وہ جس دل میں	۵۳	۵
م	ان کی	۵۴	۶
ن	کے کرم ہیں	۶۸	۱
س	جوش میں آگیا	۷۲	۲
ع	پھیلا کے	۷۲	۳
ف	شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد	۷۸	۲
ص	اسے ہر وقت ہے یاد	۷۸	۳
ث	سپر دوش پہ	۸۶	۳
خ	چاندنی	۹۲	۲
ذ	پسِ فاطمہ	۹۴	۲
ض	ہوئے گا	۹۴	۶
ظ	گر بڑھی گاہ پجری گاہ تھی	۱۰۱	۳
غ	وہ جل	۱۰۳	۵
ج الف	ہاتھ اڑا دیتی تھی	۱۰۷	۲
ج ب	وہ نہ	۱۱۰	۲
ج ج	طاہرِ دل	۱۱۰	۳
ج د	بھی ہوئے	۱۱۲	۳
ج ہ	جفا کاروں	۱۱۳	۲

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
ج و	کبھی برجھی کی آئی تھی تو کبھی تیر کی پھال	۱۱۵	۲
ج ز	کبھی تلوار کبھی خنجر براں کبھی ڈھال	۱۱۵	۲
ج ح	گھر چھا اور گئے نکلا وہ مد برج مشرف	۱۱۸	۱۱۵ تک کبھی کی جگہ ہے آیا ہے
ج ط	بچاؤں	۱۲۲	۳
ج ی	خادم حضرت زہرا و علی گرتا ہے	۱۲۲	۵
ج ک	خاک پر اب وہ سعید ازلی گرتا ہے	۱۲۲	۶
ج ل	اشھاؤں کا کہ مہمان کا	۱۲۳	۶
ج م	میرے مہمان و مددگار	۱۲۶	۲
ج ن	چشم کو	۱۲۶	۵
ج س	کب	۱۲۶	۶
ج ع	صحت	۱۲۹	۳ لے

مرثیہ (۷)

الف	سب	۲	۳
ب	یہ آئے	۱۵	۲
ج	گا	۲۵	۶
د	ہمیں	۶۳	۶ - ۵
ه	کو	۷۳	۶ - ۵
و	لڑنے لگے نہیں	۸۹	۳
ز	مردمیں بے قرار خا خا زنا کا زوج	۹۱	۲
ح	نیزے	۱۱۹	۲
ط	جن کے لیے زمیں پر ملک پر بھاتے ہیں	۱۳۲	۵

لے فطامی پر بس بدایوں کی جلد میں پہنچ جہاں نہیں جو صفت کر دے گئے

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
ی	وہ لوگ غلہ سے مرے لینے کو آتے ہیں	۱۳۲	۶

مرثیہ (۸)

الف	دنیا کے نہ خواہاں تھے نہ تھی خواہش اجلال	۳	۱
ب	تھے دوست فقیروں کے نہ تھی حُبِ زردماں	۲	۲
ج	مذکور	۳	۵
د	تھے	۵	۹-۵ روین
ہ	کو	۱۰	۳
و	غبار وہ غبار تھا، جو خلق کا مختار	۱۲	۴
ز	پشا	۲۲	۳
ح	کُلی	۲۶	۳
ط	تھا وہ	۳۲	۲
ی	تبار	۳۵	۱
ک	آگاہ وہاں	۶۸	۱
ل	بھول	۶۹	۶
م	تلوار نہ ہو دے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا ہر طرح سے مرکز اسی میدان میں لڑوں گا	۹۲	۵-۶

مرثیہ (۹)

الف	لڑی	۲۶	۵
ب	سے جدا	۳۱	۶

بند ۱۳ مطبع نول کشور کے نسخہ میں نہیں ہے

بند ۱۰۸ مطبع نول کشور کے نسخہ میں نہیں ہے

نشان	اختلاف	بند	مصر
ج	بھی	۵۳	۶
د	ہوں عرب کے	۵۶	۶
ہ	ابھی	۵۹	۶
و	رہا	۶۶	۵
ز	ہی میں	۸۱	۵
ح	مشریان ہیں	۸۶	۲
ط	کیلا	۸۷	۳
ی	میں	۹۱	۲
ک	پنہ	۹۷	۳
ل	لے گا	۱۰۰	۵-۶ (رویف)
م	خبرے کے پھر میں گے	۱۲۳	۵
ن	دروازے	۱۲۹	۱
س	یہ تھا	۱۳۲	۵

مرثیہ (۱۰)

الف	ہے	۱۳	۳
ب	اس	۵۶	۱
ج	مکڑ	۷۲	۱
د	کوئی	۱۳۲	۵-۶ (رویف)
ہ	جب	۱۳۶	۳
و	زافوؤں	۱۷۷	۱

۱۷۷ بند نظامی پریس دایوں کے نسخہ میں نہیں ہے۔

مرثیہ (۱۱)

مسموم	بند	اختلاف	خان
۲	۲۷	کہ اختلاف	الف
۶	۵۷	اس قوم کو ہٹتے	ب
۴	۷۲	گرا دیں	ج
۲	۷۹	وہ	د

مرثیہ (۱۲)

۱	۳	صبح نور	الف
۳	۱۷	پھر	ب
۴	۲۸	کا	ج
۴	۶۹	چھپائے	د
۶	۸۴	تو دروں	د
۱	۸۸	ہو کے کور	و
۱	۹۶	کا لال	ز
۱	۱۰۴	سفر	ح
۴	۱۴۴	تھا کوئی تو	ط
۲	۱۵۶	نہاں	ی
۶	۱۵۶	دو تم حسین کو بھی	ک

مرثیہ (۱۳)

۶	۲۴	کہتے	الف
۵	۳۱	وہ جو آج	ب

صفحہ	نمبر	اختلاف	نشان
۳	۳۳	قلب و دل آئینہ	ج
۳	۳۵	مقام	د
۳	۴۰	خزاج جہاں جس مکہ کے گاموں	ہ
۶	۴۱	جے جے	و
۶	۵۵	پ	ز
۱	۱۰۸	انصاف راہ	ح
۱	۱۱۵	تے	ط
۵	۱۳۳	ہر اس	ی
۱	۱۳۹	جو بندہ آئیں	ک

مرثیہ (۱۴)

۲	۲	صعب	الف
۳	۱۲	نہر	ب
۳	۱۳	نہرو ہے	ج
۳	۳۹	پ	د
۲	۵۲	جہاں	ہ
۲	۵۹	لا جواب	و
۲	۶۱	تغیر	ز
۵	۶۶	گے	ح
۶	۸۱	پیادوں	ط
۵	۸۳	لڑے	ی
۳	۹۷	یاشاہ کریم	ک
۳	۱۱۳	مکتی	ل

نشان	اختلاف	بند	مصرعہ
م	اُنٹ کر کے	۱۳۳	۳
ن	ہے	۱۳۳	۱
س	میں	۱۴۱	۶

مرثیہ (۱۵)

الف	کے	۱۱	۱
ب	کھولے	۶۲	۶
ج	بھی آئی یہ صدا	۱۳۲	۶

مرثیہ (۱۶)

الف	تسلیم کر کے اکبر شیریں سخن چلے	۵۱	۱
ب	۴	۵۸	۳
ج	لعین سب	۶۷	۲
د	اس شان	۶۹	۱
ه	بجھا دو	۶۹	۳
و	پڑھا رجز	۱۰۱	۱
ز	پسر کی	۱۲۰	۵

مرثیہ (۱۷)

الف	شہسرت ہو کہ	۲۳	۱
ب	بتیار کہ مر	۳۲	۱
ج	خون کیجیو	۵۰	۲
د	بھی نہ	۸۳	۵

نشان	اختلاف	بند	
ہ	یہ گزر	۱۲۱	۳
و	ایسے	۱۲۹	۶
ز	میں	۱۳۲	۱
ح	پھر آئی	۱۴۵	۳-۲-۱-۲-۱ روئی
ط	کرد بات	۱۷۰	۵
ی	ہو	۱۸۱	۳

مرثیہ (۱۸)

الف	جب اُمازیان	۱	۱
ب	سینوں پر	۶	۶
ج	گرے	۸	۶
د	ہے جس میں لٹ گئی مرے بچے ہوئے تباہ	۱۲	۳ لے
و	وہ	۱۵	۶ لے
و	جلوے	۸۸	۶
ز	دیکھ لے	۹۱	۳
ح	دو آب	۱۱۷	۱
ط	اسی پر	۱۱۸	۵
ی	پھر پھر کے	۱۲۶	۳

لے چٹا مصرعہ دونوں جلدوں میں مختلف ہے۔
 لے روح انیس میں ۱۹-۲۰ بند نہیں ہیں۔

